ww.iqbalkalmati.blogspot.co

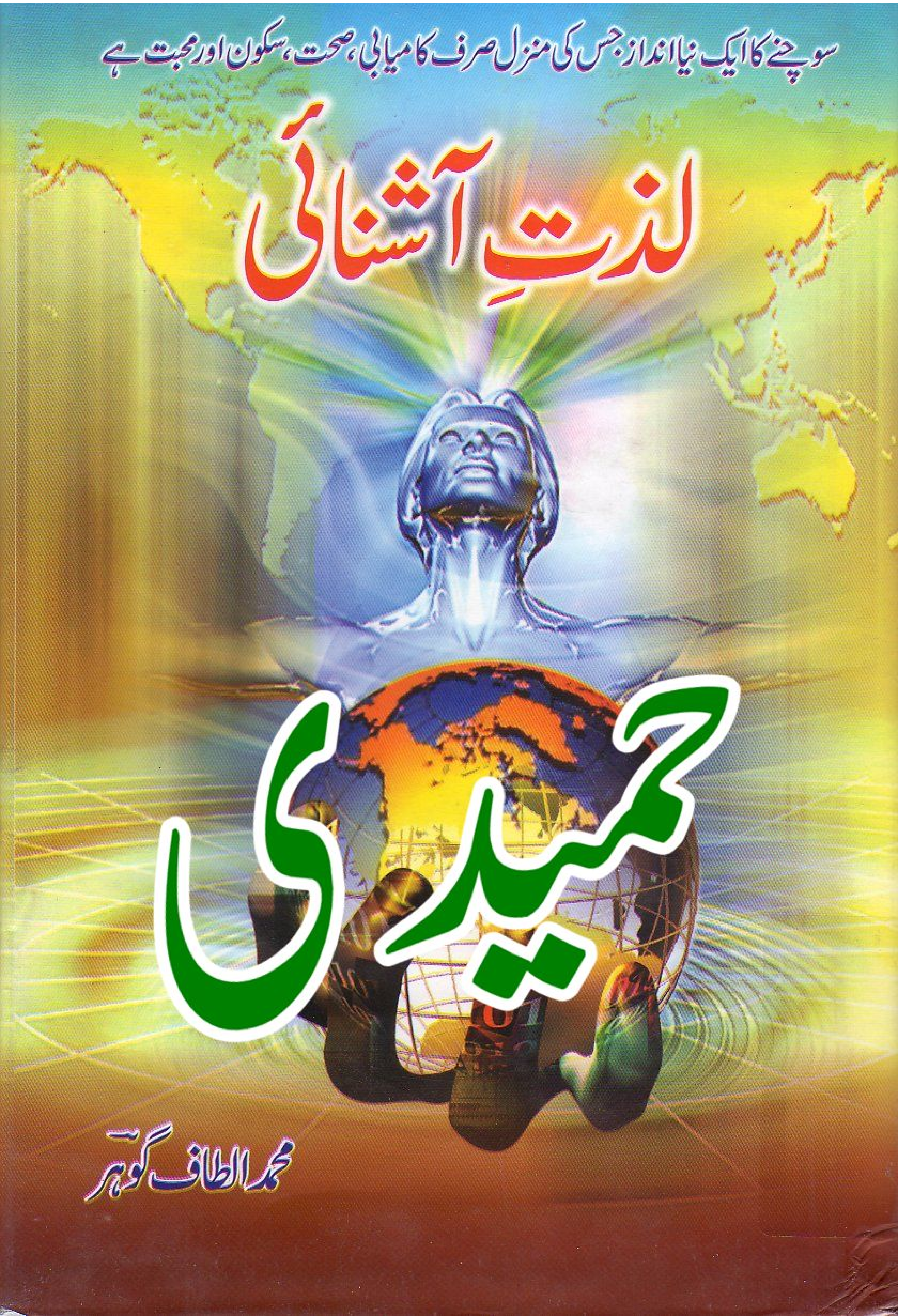

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لذّتِ آشنائی

محمد الطاف گوہر

حمیدی

DUA PUBLICATIONS

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ناشر: وصی شاہ

اہتمام: زاہد شیخ

DUA PUBLICATIONS

"اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما"

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

انتباہ

تمام پبلشرز/دکاندار حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کتاب ہذا کی جعلی کاپی فروخت کرنے والے کے خلاف سخت سے سخت قانونی کاروائی کی جائے گی۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

حمیدی

اشاعت — 2010ء

ڈیزائن — عاطف اقبال

مارکیٹنگ — رسیف راجہ 0303-4920806

مطبع — اشتیاق مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت — -/240 روپے

دُعا پبلی کیشنز

ہیڈ آفس: 25 سی لوئر مال لاہور۔ فون: 042-7325418

شو روم: الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ فون: 042-7233585

خوبصورت اور معیاری کتب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں — زاہد شیخ : 0300-9476417

انتساب

والدِ محترم **محمد شریف** اور والدہ محترمہ **خورشید تنویر** کے نام

جن کی خصوصی شفقت، اعلیٰ تربیت اور دعاؤں کے باعث

ایک کامیاب زندگی سے ہمکنار ہوا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اظہار تشکر

محترم، پیارے اور شفیق دوستوں کا خصوصی مشکور ہوں جنکی معاونت کے باعث میری تصنیف "لذتِ آشنائی" اپنی تکمیل کو پہنچی، جناب رئیس امروہی کی شفقت اور رہنمائی میں اسرارِ نفس کا مطالعہ شروع کیا اور لکھنے کی داغ بیل ڈالی ، جناب ریاظ احمد نے میری ڈائری کا ایک صفحہ پڑھا، حوصلہ افزائی کی اور مجھے لکھنے کی طرف راغب کیا، جناب مجید نظامی صاحب اور" ادارہ نوائے وقت" نے میری تحاریر کو عزت بخشی اور مجھے اخباری دنیا میں آشکار کیا، جناب طارق اسماعیل ساگر صاحب کی حوصلہ افزائی نے لکھنے کا شوق بڑھایا، جبکہ جناب علی چوہدری اور "اردو پوئنٹ ڈاٹ کام" ویب سائٹ نے میری تحاریر کو پر لگا دیے اور مجھے انٹرنیٹ کی دنیا میں آشکار کیا، نوجوان فہد شبیر کی قدردانی اور تحریر شناسی نے مجھے دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا اور نوجوان صحافی واصف امین ملک کی ہمراہی نے میری ادھوری تصنیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں معاونت کی ، جبکہ ہماری ویب ڈاٹ کام ، اردو پاور ڈاٹ کام، اردو گیلیکسی ڈاٹ کام، پاک ڈاٹ نیٹ اور القلم فورم کی قدردانی اور محبت کا مشکور ہوں کہ جن کے باعث میری تحاریر ان ویب سائٹس کی زینت بنتی رہیں، اور سب سے بڑھ کر اپنی شریک حیات عمرانہ الطاف گوہر (نوشی) کی خصوصی معاونت اور محبت بھری ہمراہی کا مشکور ہوں کہ جس نے وقت کو قید کرنے کا موقع دیا۔

فہرست

1	جدت پسندی	19
2	علم الادراک اور نئی دنیائیں	27
3	مائنڈ سائنس، توجہ اور فیضِ نظر	32
4	اشرف المخلوقات	37
5	روشن چراغ	41
6	قوتِ خیال	46
7	مائنڈ سائنس اور اسماء الحسنٰی	51
8	مراقبہ اور لذت آشنائی	57
9	محبت، رقص اور عبادت	64
10	ایک بار دیکھا ہے، بار بار دیکھنے کی خواہش ہے	67
11	فنا اور بقا	82
12	بندگی	85
13	آدابِ دعا	90
14	نسبت اور لذت آشنائی	93
15	رشتے چاہتوں کے	99
16	کامیابی یا ناکامی، کیا ایک عادت ہے؟	102
17	اکیس دسمبر 2012......کیا زمین پر زندگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہوگی؟	105
18	اکیس دسمبر 2012......کیا زمین پر زندگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہوگی؟	111
19	یوم آزادی- یوم استقلال	117

www.iqbalkalmati.blogspot.com

20	اکیسویں صدی، اقبال اور پاکستان	121
21	امیگریشن، صرف ایک ہفتہ میں!!!	124
22	کوئی ہے جو سڑک پار کرادے؟	129
23	بھولا مکینک اور جدید ٹیکنالوجی	134
24	اکیسویں صدی کا طلسم کدہ	139
25	بارش کی سائنس اور کیچڑ کی سیاست	142
26	آج ہمیں بارش کا پہلا قطرہ بننا ہے	149
27	کشتہ جات، زہریلے حلوے اور این آر او	153
28	آخر مونالیزا بول پڑی	156
29	ون ویلنگ یا موت کا کھیل	159
30	عید الفطر	162
31	انٹرنیٹ کیفے، جدت اور نعمت	169
32	کان کے دھوکے میں نہ رہیں...... انسانی جلد بھی سنتی ہے	173
33	پاکستان میں ہجڑوں کی قانونی جیت اور نعرہ...... "وصولی تک ڈیرے ڈال رکھیں گے"	176
34	خواتین کے چہرے کی دلکشی کا راز دریافت	180
35	2009 خدا حافظ!!!	182
36	2010 نیا سال...... پیار، محبت اور امن وآشتی کے نام	185
37	تندرستی، صحت اور جدید علاج	188
38	انسانی جسم کی الیکٹرونکس سے کرشماتی علاج	191
39	اکیسویں صدی کے جدید ٹھگ	196
40	لسانیات...... زبان کی سائنس اور لفظوں کی شرارت	205

پیش لفظ

انسان اس دنیا میں آنے کے بعد اسی وقت دریافت ہوتا ہے جب اسے اپنی شناخت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اسکے ابتدائی مراحل میں اپنے نام، کنبے، قبیلے، قوم وملت کی حیثیت سے اپنی پہچان حاصل کرتا ہے مگر اسکی تشنگی اسے انسانی ارتقاء کے مراحل کی طرف متوجہ کرتی ہے جہاں اسکے سامنے لاتعداد انسانی نظریات کا بحر بیکراں ہے، یہیں انسانی ذہانت کے علمبردار اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے جو دنیائیں دریافت کرتے ہیں انکو بھی قلم بند کر کے علم کی ایک شمع روشن اور بلند کرتے ہیں، اور جاتے ہوئے اسے کسی علمی جانشیں کے سپرد کر کے عدم سدھار جاتے ہیں، جبکہ جلتی شمعوں کا یہ قافلہ اپنے اکتسابی عمل کی پیش رفت پر گامزن ہے، جسکے باعث آج دنیا کے فاصلے سمٹ چکے ہیں اور اب دنیا کسی بھی چھوٹے سے بچے کی سامنے انگلی کے صرف ایک اشارے پر موجود ہے یعنی ماؤس کی ایک کلک کے فاصلے پر آ گئی ہے۔

اکیسویں صدی میں افراد جو کہ پہلے زندگی کو دو رخی سطح 2D یعنی اپنی ذاتی زندگی اور اپنی تہذیب، پر گامزن دیکھتے اور اسکے پیچھے چلتے تھے اب انہیں سہ رخی دنیا 3D، اس وسیع وعریض کرۂ عرض پر پھیلی ہوئی دوسری تہذیبوں سے بھی پالا پڑ رہا ہے جہاں اگر ایک طرف ان تہذیبوں کا ادغام ہے تو دوسری طرف معلومات کا سیلاب انکے دروازے پر دستک دے رہا ہے، البتہ یہاں افراد کا اپنی انفرادی واکتسابی شناخت کو برقرار رکھنا ایک معنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خیز سوال بن چکا ہے مگر اجتمائی شناخت کے ثمرات اپنا اظہار ضرور کرتے نظر آرہے ہیں، کیونکہ اس کرۂ عرض کے لاتعداد انسان ایک لازوال اور مربوط روابط کی بے مثال شرکت کے باعث اب ایک نیا ماورائی معاشرہ تشکیل دے چکے ہیں، جہاں زندگی کا سفر انسانیت کے انفرادی درجہ سے ہٹ کر اجتمائی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس درجہ پر ماورائی شناخت کے ڈنکے الاّ اعلانیہ بج رہے ہیں۔

دوسری افراد کی وہ شناخت ہے جو انسانیت کو الہامی ذرائع سے حاصل ہوئی، جسکے باعث نہ صرف انسان کا تہذیبی، سماجی اور معاشی پہلو ارتقاء پذیر ہوا بلکہ انسانی شخصیت کی ساخت و پرواخت کا عمل بھی پیش پیش رہا، جبکہ افراد شعوری پستی کے گرداب سے نکل کر علم و آگہی کی کھلی فضا میں آگئے اور انفس و آفاق کی تسخیر پر گامزن ہوگئے، جبکہ اکتسابی عمل کی پیش رفت اور الہامی ذرائع، دونوں مل کر، انسانیت کیلئے عظمت کی میراج بن گئے جسکے باعث اب زندگی تپتی دھوپ سے گھنی چھاوں میں آگئی، سسکتی آہوں نے راحت کی ڈگر پر چلنا شروع کر دیا اور افراد نے علم و عرفان کی وہ قلابیں ملائیں کہ جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جائے، جہاں زندگی کا قافلہ صدیوں کو پچھاڑتا ہوا، فتوحات کے محل تعمیر کرتا ہوا، ازلی و ابدی جوش و خروش سے کامیابیوں کی ڈگر پر گامزن ہے، مگر یہاں انسان اپنی باطنی اور ذاتی شناخت کو کائناتی محل و وقوع میں تلاش کرنے لگا کہ کیا وہ کسی خودرو سلسلہء زندگی کی ایک کڑی ہے، یا پھر کسی ایک مکمل نظام سے مربوط ہے اور اسکا جز ولاینفک ہے؟

اس دنیا میں انسان کی ظاہری شناخت تو پیش رفت پر گامزن ہے مگر اس کی باطنی اور ذاتی شناخت اپنے اکتسابی عمل میں ابھی تشنہ ہے جس کے پیش نظر میں نے خود ساختہ انسانی ذہنی حدوں کو توڑنے اور نئی دنیائیں دریافت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ ایسا ہی ایک عمل ہے جیسے سڑک پر چلتی پرانے ماڈل کی گاڑی، جسم پر پہنا پرانا لباس، گھر کا پرانا فرنیچر، پرانا کمپیوٹر حتیٰ کہ پرانا سافٹ ویئر تو ہمارے لیئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں اور یکسانیت سے دوچار کرتے ہیں، لہٰذا ہم انہیں اپنی زندگی سے دور پھینکنا پسند

کرتے ہیں، مگر اپنے ذہن میں ذخیرہ کردہ پرانی فرسودہ سوچیں، مہمل مگر خوبصورتی سے سجائے ہوئے تصورات، خواہشوں کے گرداب اور لایعنی نظریات کو لادے ہوئے چل رہے ہیں جو کہ نہ صرف انسانی ذہن کی بہتی رو کو کسی بند گلی تک پہنچا دیتے ہیں بلکہ اخلاقی پستی کی طرف لیجانے میں بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں، جبکہ ہم انکو جاننا تو درکنار تبدیل کرنا بھی پسند نہیں کرتے اور انکے اثرات ہمیں اپنی باطنی اور ذاتی شناخت سے دوری کیطرف لیجا رہے ہیں۔

تبدیلی کا عمل ہمیں قدرت کے قوانین سے ہم آہنگی کی نہج پر ڈال دیتا ہے جہاں یکسانیت کی بند گلی نہیں بلکہ جدت کے کھلے میدانوں میں چہل قدمی کا موقع ملتا ہے کیونکہ دن کے بعد رات، صبح سے شام، اندھیرے کے بعد روشنی، خوشی اور غم یہ سب کچھ فطرت کا تبدیلی کی طرف اشارہ اور تسلسل ہے جو کہ ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے، جبکہ سفرِ زندگی روانی پکڑتا ہے اور انسانی ارتقاء کا عمل بھی ایک صحت مند جذبے سے سرشار رہتا ہے اور اسی کے باعث اپنی ذات کی پہچان حاصل ہوتی ہے، جبکہ لذتِ آشنائی، ان افراد کیلئے ایک نسخہ کیمیاء ہے جو باطنی شناخت کے عمل سے گزر رہے ہیں۔

بلاشبہ الفاظ کی کھلاڑی وہ مشاق نشانہ باز ہوتے ہیں کہ انکا کوئی تیر بھی خطا نہیں جاتا، اگر اسی کھیل ہی کھیل میں وہ ستم نہ ڈھائیں تو انسانیت کے شانے بلند کرتے نظر آتے ہیں اور اگر فاؤل کھیلیں گے تو انسانیت کی جڑوں میں زہر گھول دیتے ہیں جسکے ثمرات آنے والی نسلوں کو بھگتنے پڑتے ہیں، ایک اور طبقہ بھی انسانیت کی جڑوں میں زہر گھول رہا ہے جسکا محور صرف ناکامیوں اور دکھوں کو لذیذ بنا کر پیش کرنا اور کسی لذیذ ڈپریشن کے چنگل میں پھانستا ہے، جبکہ اس مکتبہ فکر کی راہ مایوسیوں کا گرداب ہے اور بے نشان منزل کا شاخسانہ ہے اور نتیجہ میں حاصل بھی کچھ نہیں۔ جبکہ اچھے نصیب کے متلاشی لوگ ناکامیوں اور نفرتوں کی شاموں میں اپنے آپ کو بعض اوقات ایسے ہی گرداب میں پھنسا لیتے ہیں اور جب اس سے نکلنے کیلئے جتنے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اتنا گہرا [illegible] جاتے ہیں، ناکام زندگی سے ہمکنار رہبر اپنی ناکامیوں کو خوبصورت جواز بناتے [illegible] شیشے کے محل میں بٹھا کر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کبھی شعراور کبھی نثر میں الفاظ کے کھیل کھلواڑ کرتے انسانیت کوڈس رہے ہیں، مگران کے اس چنگل سے دوری کیلیے لذت آشنائی ایک نسخہ کیمیاء سے کم نہیں، اچھی اور تحقیقی تحاریر بیشمار آفاقی حقیقتوں سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ ذہن کے دریچے کھولنے میں، توانائیوں کو خوامخوہ ضائع ہونے سے بچانے میں، اور راہوں کو روشنی کے قمقموں سے سیراب کردینے میں پیش پیش ہوتی ہیں تاکہ کوئی بھٹکا مسافر بھی ان راہوں پہ آجائے تو اسے اپنی منزل کے نشاں مل جائیں، اوران قمقموں کی روشنی میں شعوری پستی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو پچھاڑدیں کہ کبھی بھولے سے بھی غلط راہوں کی مسافر نہ بنے۔

آیئے زندگی کا ایک نیا محل تعمیر کرتے ہیں جو فقط چار ستونوں پر کھڑا ہو، کامیابی، صحت، سکون اور محبت۔ جی ہاں! جہاں آپ بچپن سے لیکر آج تک ریت کے جو محلات ناآشنائی کے ماحول میں تعمیر کرتے رہے ہیں انہیں مسمار کریں اور لذت آشنائی کے دولت سے ہمکنار ہو کر اک نئی دنیا آباد کریں جہاں ہر طرف کامیابی، صحت، سکون اور محبت کا دور دورہ ہو جبکہ آشنائی کی لذت سے معمور لمحوں کو محفوظ کریں اور زندگی کے وہ پل آشکار کریں جن میں زندگی اپنی لازوال جلوتوں کو نچھاور کرتی نظر آرہی ہو، اور جہاں آشنائی کا ایک ایک لمحہ، زندگی حقیقتوں سے بھرپور ہو جبکہ زندگی کے وہ پل جو مسرتوں سے لبریز تھے، مجھ پر آشکار ہوئے تو انہیں میں نے ان آشنا لمحوں میں مقید کیا جو اپنی پہچان کے باعث لازوال ہو گئے اب وہ میری پہلی تصنیف کی شکل میں آپکے سامنے موجود ہیں۔ بلاشبہ افکار تازہ ہمیشہ بہتے پانی کی طرح پاکیزہ اور آئینہ کی طرح شفاف ہوتے ہیں۔

دعاگو

محمد الطاف گوہر...... لاہور
27 فروری 2010ء
12 ربیع الاول 1431 ہجری
E-mail: guhar@msn.com
0300-4700092

نظرے خوش گزرے

علم کسی بھی لمحے کے لیے محدود نہیں کردیا گیا، بلکہ ابھی تک کن فیکون کی صدا آرہی ہے اور کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور اپنے مرکز (Zero Point) سے دور ہوتی جارہی ہے جبکہ ہر لمحہ ہم ایک نئی جگہ پہ دریافت ہوتے ہیں۔

(جدت پسندی)

جس طرف نظر دوڑائیں "توجہ" کی جلوہ آرائی اپنے حسن و جمال کا شاندار نظارہ پیش کررہی ہے، سمندروں پر پڑتی ہے تو انکا سینہ چیر کر راہیں دریافت کرتی ہے، اگر دریاؤں پر پڑتی ہے تو پل باندھ دیتی ہے، پہاڑوں پر پڑتی ہے تو ریزہ ریزہ کردیتی ہے، میدانوں پر پڑتی ہے تو انہیں محلات میں تبدیل کردیتی ہے، آسمانوں پر پڑتی ہے تو فاصلے سمیٹتی ہے اور اگر انسانوں پر پڑجائے تو زندگیاں بدل دیتی ہے

(مائنڈ سائنس، توجہ اور فیضِ نظر)

ازل سے ادیانِ عالم اِس کا درس دیتے آئے ہیں کہ ہمیں دوسروں سے روابط کس طرح رکھنا ہے اور انکے لئے کس طرح فائدہ مند ہونا ہے اور لوگوں میں رہتے ہوئے زندگی کس طرح سے گزارنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے، وگرنہ اگر انسان نے اکیلے جنگل میں رہنا ہوتا پھر اس سب کی کیا ضرورت تھی؟

(روشن چراغ)

راز جو ازلوں سے پنہاں رہا اور ہر دور کے دانشور اسکی تلاش میں سرگرداں رہے مگر اس کی حقیقت سے پردہ اٹھانے والے بہت کم لوگ ہوئے۔ وہ راز اگر کسی دنیا کے متلاشی نے حاصل کیا تو اس کو دفن کر گیا، کسی نے اس کی حرص کی اور کوئی اس پر طاقت سے غلبہ پانے کا خواہشمند رہا اور وہ سربستہ راز صدیوں سے عالم انسانیت کیلئے موضوع تجسس بنا رہا۔ اس کو پانے کی تگ ودو میں انسان نے نہ جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھائیں مگر ماسوائے چند ایک خوش نصیبوں کے کسی پہ بھی آشکارہ نہ ہوسکا۔

(مائنڈ سائنس اور اسماء الحسنیٰ)

عبادات میں اللہ سے بات کی جاتی ہے اور اپنا رابطہ ازل سے جوڑا جاتا ہے مگر مراقبہ میں اپنے باطن کی اتھاہ گہرائیوں میں جا کر اپنے اللہ کو سنا جاتا ہے اور کائنات کی حقیقت سے نا صرف شناسا ہوا جاتا ہے بلکہ مشاہدہ قدرت بھی کیا جاتا ہے۔ مراقبہ کا نصب العین (مقصد) صرف اور صرف آپ کے جسم، جذبات، اور ذہن کو یکجا کرنا ہے اور اس اعلیٰ درجے کی یکسوئی کا مقصد صرف اپنے باطن میں موجزن آگہی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہونا ہے یہیں سے کشف و وجدان کے دھارے پھوٹتے ہیں۔

(مراقبہ اور لذتِ آشنائی)

میں (Self) کا بارِ عزیز اٹھائے ہوئے خیر و شر کی راہوں پہ چلتے ہوئے لمحے اکثر اس کے لازوال حسن سے نا آشنا رہے، کبھی تو

اس گراں قدر میں (Self) کا جلوہ معاملات کی تگ ودو میں پنہاں رہا اور کبھی نیم خوابی کے عالم میں یہ جلوہ اک رنگیں خواب کیطرح سراب بن کے رہ گیا، اور جب کبھی بے خبر لمحوں کو میں (Self) کی قدروں (Values) کا ادراک ہوا، تو وہ آشنائی کی لذت میں محو ہو کر قیام پذیر ہو گئے جبکہ زندگی بھی اپنا سفر تبدیل کر کے اسکے گرد رقص کرنے لگی۔

(محبت، رقص اور عبادت)

''انسانوں میں بسنے والی محبت نے اپنی ناقدری کے باعث زمین سے دور اپنا ایک علیحدہ گلستان بسا رکھا ہے، جہاں پیار کے پنچھی اپنی اپنی میٹھی دھن میں نغمے گاتے ہیں، جہاں الفت کی گھنی چھاوں میں وصل اپنی شامیں بھول جاتی ہے، جہاں خوشیوں کی تتلیاں مروت کی پھولوں پر چہکتی ہیں، جہاں نفرت کے کانٹوں کی کوئی جگہ نہیں، ان وادیوں کی ملکہ پاکیزگی کے جڑے موتیوں کا تاج سجائے جب لذتِ لاثانی کے تخت پر براجمان ہوتی ہے تو کبھی آفتاب اور کبھی مہتاب اپنی تمام رعنائیوں کو اسکے قدموں پر نچھاور کرتے ہیں۔''

(ایک بار دیکھا ہے، بار بار دیکھنے کی خواہش ہے)

جس طرح بہتا پانی شفاف اور تازہ رہتا ہے اسی طرح رشتے بھی روانگی مانگتے ہیں، اور تسلسل کا پانی انہیں شاداب رکھتا ہے۔ عمر، رنگ و نسل سے بالاتر ہر رشتہ ایک انمول موتی ہے جو رویوں کے مالا میں پرو کر الفت کے کھونٹی پر لٹکایا جاتا ہے اور کبھی کبھی لمحہ تنہائی میں گذشتہ ایام کو جیا جاتا ہے تو احساس کا آنگن یادوں کی مہک سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لبریز ہو جاتا ہے۔

(رشتے چاہتوں کے)

بظاہر زندگی کا کاروبار بطور ردِ عمل نظر آتا ہے جو بعد میں انسانی رویوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے جبکہ تربیت ایک ایسا عنصر ہے جو جبلی تقاضوں سے بالاتر اپنے نقوش چھوڑتا چلا جاتا ہے جسکے باعث مثبت تبدیلی جنم لیتی ہے۔ یہ ایک ایسا ہی عمل ہے جیسے جنگلات کے مقابلے میں باغات اگائے جائیں، چاہے جنگلات کتنے ہی بھلے معلوم کیوں نہ ہو جو حسن انسانی ہاتھوں کے ترتیب دیئے باغات میں ہے وہ جنگلات میں کہاں؟

(اکیس دسمبر 2012، کیا زندگی زمین پر آخری سانسیں لے رہی ہوگی؟)

لوگوں کی ہجرت کی ساتھ ساتھ وطن عزیز سے امن، پیار اور سکون کی فاختائیں بھی کوچ کر رہی ہیں جبکہ انکی جگہ افراتفری، سفاکی اور محرومیوں کی کالی گھٹاوں نے لے لی ہے۔ چہروں پر بے رونقی کا دور دورہ ہے اور افراتفری کے سیلاب ہیں مگر امن کے خورشید کا انتظار ہے کہ کب وہ طلوع ہوگا اور اسکی کرنیں ان کالی گھٹاوں کا سینہ چیر کر اس مٹی کو سکون کی حرارت سے ہمکنار کریں گی؟

(امیگریشن صرف ایک ہفتہ میں!)

پانی قدرت کا حسین تحفہ اور عطیہ ہے اور اسکا سفر کتنا دلچسپ ہے کہ ہلکا ہو تو آکاش کی طرف سفر کرتا ہوا ہواؤں کو آبیار (Pregnent) کرتا ہے، کبھی تو بادل بن کے آسمان پر چھا جاتا ہے اور پھر رحمت بن کے زمین پہ برستا ہے، اور کبھی آلودہ فضا کی غلاظتوں کو سمیٹتا ہے تو کبھی پھولوں پہ شبنم بن کے موتیوں کی طرح چمکتا ہے اور کبھی آبشار بن کے موسیقی کا سامان مہیا کرتا ہے اور کبھی

برف بن کے پہاڑوں کی چوٹیوں پہ دمکتا ہے۔

(بارش کی سائنس اور کیچڑ کی سیاست)

چشمے کا پانی معدنیات (قدرتی تیار شدہ کشتہ جات) سے لبریز ہوتا ہے مگر شہری زندگی میں یہ نعمت کہاں نصیب ہوتی ہے، چند روز قبل میں نے گھر کے نل میں آنے والے پینے کے پانی کو ایک لیبارٹری میں ٹیسٹ کرنے کیلئے دیا کہ چلو دیکھیں اس پانی میں کتنے کشتہ جات ہیں، جب رپورٹ آئی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، معدنیات اور کشتہ جات تو دور کی بات، پانی میں سیوریج، فضلہ جات اور سنکھیا جیسے ''نمکیات'' منہ چڑا رہے تھے۔ اسی دن سے ''گھر کے سرکاری پانی'' کو خدا حافظ کہا اور ''منرل واٹر'' سے دوستی کر لی۔

(کشتہ جات، زہریلے حلوے اور این آر او)

مونا لیزا کی مسکراہٹ مجھے شدید چبھتی محسوس ہوئی۔ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ میری جگہ پہ اب مونا لیزا ہی بول پڑے گی کہ تم کیسی قوم ہو، دوسروں کی صرف ٹانگیں کھینچنے اور وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا، انسانیت کی فلاح کیلئے کونسے کام کر رہے ہو؟ آج اگر ترقی یافتہ قومیں مسلمان ہوگئیں تو تمہاری قدریں Values کیا رہ جائیں گی؟

(آخر مونا لیزا بول پڑی)

مکھی کو قدرت نے کثیر التعداد تقریباً 28000 پہلوؤں بشمول تین عدد سادہ آنکھوں اور ایک میٹر تک دیکھنے والی انتہائی تیز نظر سے نوازا ہے مگر اسکے باوجود وہ ہمیشہ گندگی اور غلاظت پر بیٹھتی جو کہ اسکی فطرت کا شاخسانہ ہے، جبکہ شہد کی مکھی کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ گلوں پر آسرا کرتی ہے مگر انسانی تربیت کا اعجاز اسے ارادی وغیر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ارادی افعال میں اور معاملات زندگی میں اچھائی اور برائی اپنانے کی تمیز فراہم کرتا ہے۔

(انٹرنیٹ کیفے، جدت اور نعمت)

حضرت ٹھگ ایک معتدل قسم کی قوم ہے، نہ تو یہ چوروں کی طرح بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں کہ راتوں کو گھروں میں نقب لگاتے پھریں اور نہ ہی نڈر ڈاکوؤں کیطرح سرعام دندناتے ہوئے لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہیں بلکہ یہ دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے شکار کے ساتھ ہنسی خوشی کھاتے پیتے اور اسے لوٹ کر چلے جاتے ہیں کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلتا۔

(اکیسویں صدی کے جدید ٹھگ)

علم سے بڑھ کر کوئی چیز ہے تو وہ عمل ہے، کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک حرکت وارتعاش کے رو پر چل رہا ہے، کائنات کی ہر شے کی زندگی سے آشنائی فقط متحرک رہنے میں ورنہ موت۔

(2010 نیا سال)

عظیم ہیں وہ افراد جو انسانیت پر زندگی کو آشکار کر کے اپنا احسان مند بنا لیتے ہیں۔ جو خود پسندی کے فریب سے کہیں دور صدیوں کو سمیٹ کر عظمت کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہوتے ہیں، جبکہ دوسرے انکی گرد بھی نہیں پا سکتے اور مدتوں بعد جب ان کا قید کیا ہوا وقت آشکار ہونا شروع ہوتا تو ان کے قدموں کے نشان بھی مٹ رہے ہوتے ہیں۔

(2009) خدا حافظ

جدت پسندی

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور تمام انسانیت کو سلامتی، عروج، امنِ عالم بھائی چارہ کی کھلی دعوت دیتا ہے۔ یہ خود سند و حجت ہے، جبکہ نا تو کسی مخصوص مکتبہ فکر اور مخصوص شعبہ زندگی کا مرہون منت ہے کہ اس کے پیمانے پہ پورا اترے اور نا ہی اسے ہم اپنی کم علمی اور محدود سوچ کا پابند کر سکتے ہیں۔ تمام الہامی ذرائع ایک اٹل حقیقت بیان کر گئے ہیں جو تبدیل نہیں ہو سکتی مگر انسان ابھی شعوری بالیدگی کے عمل سے گزر رہا ہے اور عقلِ کل نہیں بنا، لہٰذا جب انسانی ذہن اپنی خود ساختہ حد بندیاں توڑ کر آگے کی طرف بڑھتا ہے تو اسے روشنی کی نئی دنیائیں اور سوچوں کے نئے زاویے اور رابطے (Angles & Channels) دریافت ہوتے ہیں جبکہ الہامی باتیں ازل سے انتہا تک کی خبر دیتی ہیں، البتہ کچھ لوگ جو فقط علمی اور فلسفیانہ جھمیلوں میں پڑے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ الہامی اور مذہبی علم کے آگے عقل کو استعمال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ دھوکا کھا جاتی ہے۔ انکی خدمت میں عرض ہے کہ علم کسی بھی لمحے کے لیے محدود نہیں کر دیا گیا، بلکہ ابھی تک کن فیکون کی صدا آ رہی ہے اور کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور اپنے مرکز (Zero Point) سے دور ہوتی جا رہی ہے جبکہ ہر لمحہ ہم ایک نئی جگہ پہ دریافت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل جیسے انعام سے نوازا ہے کہ جو علم کی روشنی میں دیکھتی ہے اور علم وہ نور ہے جو ہمارا رابطہ حقیقت سے جوڑ دیتا ہے، لہٰذا علم کے باعث عقل کو وہ تر و تازگی حاصل ہوتی ہے جو کہ کائنات کے اس پھیلاؤ سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم آہنگی اور سنتِ خداوندی سے روشناس کرواتی ہے اور ایک محدود ذہن کو وسعت دیتی ہے۔ اگر ایک لمحہ کیلئے مان لیا جائے کہ جدت سے ہماری درشتگی اپنی جگہ پہ درست ہے اور عقل کو پس پشت ڈال دیں، تو پھر ہم بلب، ٹیوب لائٹ، فریج، ائرکنڈیشن، گاڑی، الیکٹرونکس آلات، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ٹیلی فون، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ جو کہ بنی نوع انسانیت کیلئے ناگزیر ہو چکے ہیں ان کو اپنی زندگی میں شامل کیوں کرتے ہیں؟

؎ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار تو نے اِس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تُو پاک ہے، تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔''

(آل عمران آیت: 191-190)

''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے اور ہر طرح کے میوں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ وہ رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کیلئے ان میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (سورۃ الرعد آیت:3)

''وہ جس کو چاہتا ہے، دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔'' (سورت البقرہ آیت: 269)

یعنی قرآن پکار پکار کر عقل استعمال کرنے کو کہہ رہا ہے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور فکر کی کھلی دعوت دے رہا ہے اور اسی کے باعث زندگی میں تسلسل، اور عروج

حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ انسان کی ترقی کے مدارج بھی یہی ہیں اور انہیں اعمال کے باعث انسان دائمی سکون، خوشی اور صحت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ قدرت نے کائنات کی ہر شے انسان کے لیے تخلیق کی ہے جس طرف بھی نظر دوڑائیں کائنات کی ہر شے آپ کو آپ کے اپنے لیے نظر آئے گی اور اپنے وجود کے ہونے کا مقصد کو پورا کر رہی ہوگی۔ پھولوں میں خوشبو اور پھلوں میں رس ہمارے لیے ہیں، آبشاروں کے گیت ہمارے لیے ہیں، سرسبز و شاداب پہاڑوں کی بلند چوٹیاں جو دلفریب نظارہ پیش کرتی ہیں وہ بھی ہمارے لیے ہیں حتیٰ کہ کائنات کی سب مخلوق (Creature) ہمارے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ ازل سے ادیانِ عالم اِس کا درس دیتے آئے ہیں کہ ہمیں دوسروں سے روابط کس طرح سے رکھنے ہیں، انسانیت کیلئے فائدہ مند کیسے ہونا ہے، اور لوگوں میں رہتے ہوئے زندگی کس طرح گزارنی ہے، وگرنہ اگر انسان نے اکیلئے جنگل میں رہنا ہوتا تو پھر اس سب کی کیا ضرورت تھی؟ ہم نے سب کے ساتھ اِن روابط سے رہنا ہے جن کے باعث ایک صحت مند معاشرہ جنم لے اور زندگی کے ثمرات بحیثیت مجموعی حاصل کرنے ہیں ورنہ ایک شخص کی زندگی کے ثمرات اُس کیلئے بے معنی ہیں جب تک کہ وہ دوسروں کو اِس میں شامل نہ کرے۔

بے شک تجسس انسانی فطرت کا خاصہ رہا ہے اور اس کے بل بوتے پر انسانی ذہن نے مختلف ادوار میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جبکہ اسی کے باعث امکانات کے اسرار کھلتے ہیں اور انسانی سوچ کو بلند فضاؤں میں پرواز کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اب جبکہ شعوری بالیدگی کا دور دورہ ہے اور نئے انکشافات نے پرانے اور دقیانوسی تصورات کی جگہ لے لی ہے اور دورِ حاضر کے مسلسل سائنسی انکشافات نے حقائق بیان کر کے شعوری پستی کی آنکھیں چکاچوند کر دی ہیں۔ اگر پچھلی ابتدائی صدیوں کے انسان کو آج کے دور کے سلسلۂ زندگی کو دیکھنے کا موقع ملے تو وہ سو فیصد غیر یقینی حالت میں چلا جائے گا کیونکہ پرانے وقتوں میں ایک انسان کیلئے ہوا میں اڑنا، سمندر کے پانی میں سفر کرنا دور دراز کے فاصلے گھنٹوں میں طے کرنا یا پھر لاکھوں کلومیٹر دور بیٹھے شخص کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہ صرف دیکھنا بلکہ بات بھی کر لینا یا پھر زمین کے کسی بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کونے سے دوسرے کونے میں پلک جھپکتے میں بات کر لینا یا پھر اسے پیغام بھجوا دینا کسی حیرت انگیز بات سے کم نہیں۔ مگر آج کے انسان نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ یہ ساری کی ساری زمین اس کی دسترس میں آ گئی ہے اور یہ دنیا اب ایک چھوٹے سے بچے کے آگے صرف Mouse کی ایک Click کے فاصلے پہ ہے، جبکہ فاصلے سمٹ چکے ہیں اور دنیا ایک Global Villiage کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے ایک کونے میں سرکنے والے پتھر کی بازگشت دوسرے کونے میں سنائی دیتی ہے، مگر ہمارے دنیا کو ماپنے اور جاننے کے پیمانے وہی صدیوں پرانے ہیں؟

یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ اگر اس پرانی صدی کے انسان کو ہماری اس دنیا میں رہنے کا موقع ملے تو اس کیلئے یہ سب کچھ جو وہ دیکھے گا کسی طلسم ہوش ربا سے کم نہیں ہوگا۔ مزید برآں یہ سارے طلسمات ایک عام انسان کی دسترس میں ہیں کہ وہ نا صرف گھر بیٹھے دور دراز کے حالات اور دنیا کی خبر رکھ سکتا ہے بلکہ زمین کے کسی بھی کونے میں ہونے والے حالات اسکی نظروں کے سامنے ہیں لہٰذا اس انسان کیلئے ہوا میں اڑنا اور دور دراز کے رابطے کیلئے پریشان ہونا اور دور کی خبریں حاصل کرنے کیلئے تگ و دو کرنا کتنا مضحکہ خیز ہوگا؟ پہلے وقتوں میں یہ سب باتیں شخصی کمالات کے زمرے میں آتی تھیں اور ان کی ضرورت بھی تھی کیونکہ وسائل محدود تھے اور کسی کو بھی ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، جہاز، گاڑی کی سہولیات میسر نہ تھی بلکہ ان کا تصور بھی نہ ہوگا اب جبکہ یہ سب کچھ ہو چکا تو ان علوم پر وقت ضائع کرنا جن سے یہ کمالات حاصل ہوں مندرجہ بالا جائزہ کے پس منظر میں کتنا مضحکہ خیز ہوگا؟

اب روائتی شخصیت پرستی کا دور ختم ہو چکا ہے پہلے اگر راکھ کی ایک چٹکی کوئی خاص آدمی کسی عام آدمی کو دیتا تھا تو وہ آنکھیں بند کر کے منہ میں رکھ لیتا تھا کہ یہ کوئی خاص آدمی کا کمال ہے اور واقعی شفا بخشی بھی نظر آتی تھی مگر آج سائنسی ترقی علوم کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ راکھ کے اندر بھی شفا بخشی کی صلاحیت موجود ہے جیسا کہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں Carbo Veg کے نام کی راکھ سے دوا بھی موجود ہے۔ ارتقاء کا دھارا اب کسی دوسری طرف گامزن ہے۔ یہ شعوری بالیدگی کا دور ہے اب بہت سے طلسمات کا جادو ٹوٹ

چکا ہے۔ پہلے پہل بہت سی باتیں جن کو جادوئی تصور کیا جاتا تھا اب ان کی بھی کوئی نہ کوئی طبعی توجیح بھی کی جا سکتی ہے۔

ع اس موڑ سے آگے منزل ہے مایوس نہ ہو دوراتا جا

اس زمین پر ظہور انسانی سے ہر دور کے لوگوں کا چند ایک سوالات سے واسطہ پڑتا رہا ہے جیسا کہ اس کائنات کا بنانے والا کون ہے؟ زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہم کیوں پیدا ہوئے اور کیوں مر جاتے ہیں؟ آیا ان سب معاملات کے پس پردہ کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی ہے یا پھر سارا عمل خود بخود ہو رہا ہے۔ ہر دور کے لوگوں میں کائنات کے خالق کو جاننے کا جوش و خروش پایا جاتا ہے (یہاں ایک اصول واضح کرتا چلوں کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلے کا حل تلاش نہ کر سکے تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلے کو مختلف زاویوں سے جانچے۔ یعنی تمام امکانات کا جائزہ لے) اکثر اوقات دیانتداری سے مسئلہ کو حل کرنے کی کاوش خود بخود ہی مسئلہ کو آسان بنا دیتی ہے۔ لہٰذا انہی خطوط پر چلتے ہوئے لوگوں میں معاملاتِ زندگی کو سمجھنے کی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی ہے۔ یہ جاننے کیلئے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے، لوگوں نے اس کائنات (آفاق) کی تخلیق سے متعلق تحقیق کرنا شروع کر دی اور کائنات کے راز کو جاننے کیلئے مختلف روش اختیار کی گیں۔

لوگوں کے ایک گروہ نے آفاق کو اپنا مرکز چن کر کائنات کے اسرار کو جاننے کیلئے اس کا ظاہری مطالعہ شروع کر دیا نتیجتاً نا صرف قوانین اور مظاہر فطرت کو جانا بلکہ انتہائی مفید مشینری، الیکٹرونکس کے آلات و دیگر ایجادات کا ایک ڈھیر لگا دیا۔ ان تحقیقات کی بدولت سائنس نے ترقی کی اور نت نئی ایجادات کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا لہٰذا مستقل جستجو نے طبعی (Physical) اور زیستی (Biological) قوانین کے راز فاش کرنے شروع کر دیئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت کے باعث آجکا جدید دور ان لوگوں کی مستقل تحقیقات اور جدوجہد کا نتیجہ ہے جنہوں نے اس کائنات کا ظاہری مطالعہ کیا، جبکہ یہ تحقیق اپنی مسلسل پیش رفت کے باعث قدرت کے رازوں کو مسخر کرنے پر گامزن ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرانے وقتوں میں لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ یہ دنیا صرف چار عناصر سے ملکر بنی ہے۔زمین، پانی اور آگ اور ہوا، پھر سائنسی ایجادات کا سلسلہ چلا اور زیادہ سے زیادہ انکشافات سامنے آنے لگے اور یہ طے پایا کہ کائنات 108 عناصر سے ملکر بنی ہے۔ پھر ان 108 عناصر کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اخذ کیا گیا کہ یہ تمام عناصر صرف ایک ذرہ ایٹم (ATOM) سے ملکر بنے ہیں اور ان عناصر میں صرف فرق ایٹم کی ترتیب کا ہے۔ اسکے بعد کی تحقیق نے ثابت کیا کہ ایٹم ہی بنیادی ذرہ نہیں بلکہ الیکٹران ہی وہ بنیادی ذرہ ہے جو تمام دنیا کی اساس ہے۔ تاہم الیکٹران کی دریافت ایک مسئلہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ الیکٹران اگرچہ بنیادی ذرہ کہلایا مگر یہ مطلق ذرہ والی فطرت ظاہر نہ کر پایا یعنی ایک وقت میں وہ متحرک بھی تھا اور غیر متحرک بھی، کبھی یہ ذرہ کا کردار ادا کرتا اور کبھی ایک لہر کی شکل میں ہوتا۔ یہ معاملہ سائنسدانوں کیلئے انتہائی پیچیدہ ہوگیا کہ وہ الیکٹران کی اصل تعریف کیسے کر سکیں، لہذا ایک نئی اختراع سامنے آئی اور الیکٹران دوہری خصوصیت کا حامل ٹھہرا جو کہ لہر کے ذرات اور کبھی صرف ذرہ کی خصوصیت کا اظہار کرتا۔ مگر جب اس الیکٹران پر مزید تحقیق جاری رکھی تو یہ کھوج ایک انتہائی درجے پر پہنچی کہ الیکٹران صرف اور صرف ایک کمترین توانائی کا ذرہ (Energy Particle) ہے اور یہ توانائی ہی کی خصوصیت ہے جو کہ اپنے آپ کو الیکٹران میں تبدیل کرتی ہے اور بعد میں مادے میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ مشہور سائنسدان البرٹ آئنسٹائن کی مساوات $E = mc^2$ بھی تمام مادہ اور توانائی کے ایک دوسرے میں تبدیل ہونے کے عمل کو تقویت دیتی ہے۔ سائنسدانوں کی تمام تحقیق اب تک ہمیں یہاں تک لانے میں یقینی طور پہ کامیاب ہوئی ہے کہ یہ درخشاں توانائی اپنے بنیادی درجہ پر اس کائنات میں جاری و ساری ہے، جبکہ ہر چیز ایک مخصوص جگہ گھیرتی ہے اور پھر توانائی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

یہ تو بات ہو رہی تھی ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے مسلسل آفاق کی تحقیق سے زندگی کے چند اسرار کا اندازہ لگایا اور ہمیں ہستی کے نئے میدان میں لا کھڑا کیا جبکہ دوسری روش پہ چلنے والے لوگوں کی سوچ یہ تھی کہ اگر اس ظاہری کائنات کا کوئی خالق ہے تو

انکے وجود (جسم) کا بھی کوئی خالق ہوگا؟ لہٰذا اس سوچ سے کہ وہ بھی اس تخلیق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہیں، انہوں نے اپنی توجہ کائنات کے ظاہری وجود سے ہٹا کر اپنے وجود (نفس) کے اسرار کی کھوج میں لگادی۔ اس طرح انہوں نے آفاق سے ہٹ کہ مطالعہ نفس میں دلچسپی لی اور اپنی ذات پہ تجربات کا ایک سلسلہ شروع کیا تا کہ اپنے اندر کے رازِ حقیقت کو سمجھا جائے اس طرح سے علم نورانی کے سلسلے نے وجود پکڑا یہاں یہ بات واضع کرتا چلوں کہ تمام تجربات انسان کے اپنے (Software) یعنی ذہن (MIND) پہ کیئے گئے نہ کہ جسم پہ۔

لہٰذا انہوں نے نفس کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا اور اپنے جسم و ذات پر یہ تحقیق شروع کردی اوا اپنی توجہ اپنے اندر باطن میں مرکوز کردی جسکے نتیجہ میں نفوذ کرنے کے بہت سے طریقہ کار دریافت کیے تا کہ اپنے اندر کا سفر کرکے اس اکائی (جز) کو تلاش کیا جاسکے جو کے انکو اس کائناتی حقیقت سے مربوط کرتی ہے۔ اس کوشش نے علم نوارنی (علم مراقبہ) کے عمل کو تقویت دی۔ تمام طریقہ کار جو کہ مختلف طرح سے مراقبہ کے عمل میں نظر آتے ہیں، وجود پائے، جس کا عمل دخل کم وبیش ہر مذہب کی اساس معلوم ہوتا ہے۔ آج مراقبہ کے عمل میں جو جدت اور انواع واقسام کے طریقہ کار نظر آتے ہیں انہی لوگوں کے مرہون منت ہے جنہوں نے اپنے نفس کو تحقیق کے لیے چنا۔ ان تحقیقات اور مراقبہ کی مختلف حالتوں میں لوگوں نے محسوس کیا کہ اس سارے نظام عالم وجود میں شعوری توانائی کا نفوذ اور مسلسل رشتہ ہے۔ مراقبہ کی گہری حالتوں میں اب ہر فرد واحد کا واسطہ ایک اہم گہرا احساس دلانے والے وجود یعنی خودی (میں، SELF) سے پڑا اور یہ اخذ کیا گیا کہ یہ جو سلسلہ کائنات میں توانائی کا عمل دخل نظر آتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ حس آگاہی (Supreme Consciousness) ہے جس کا اس کائنات میں نفوذ ہے۔ اب ان تحقیقات مراقبہ اور سائنس میں کبھی کبھی ہم آہنگی ہونے کے ممکنات موجود ہیں۔ اس فطرت کی ہر شے کچھ نہیں سوائے ایک مطلق حس آگاہی کے، یہ ایک اعلیٰ مطلق خبر آگاہی ہے جسکا ہر طرف نفوذ ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۃ النور، پارہ 18)

ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

(سورۃ الحدید: پارہ 27)

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

کبھی ہمیں اپنی ذات (خودی) سے تعلق میں ایک رابطہ ملتا ہے کہ ہم اپنے اللہ کو جانیں، البتہ اس درجہ کی پہچان پر وحدت الوجود کا مغالطہ نہیں ہونا چاہیے۔

جدت پسندی (Modernism)، جدیت (Modernity) اور کلیسائی جدیدیت (Modernism-Roman Catholicism) کے مثلث (Triangle) کے فرق کو سمجھتے ہوئے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جدت پسندی ایک فطری عمل ہے اور انسانی زندگی کے ارتقائی عمل کا جمود توڑنے کا باعث بھی ہے۔ جبکہ جدیدیت اور کلیسائی جدیدیت کو اس فطری عمل سے مدغم نہیں کرنا چاہیے۔

علم الادراک اور نئی دنیائیں

''مائنڈ سائنس'' جسے علم الادراک بھی کہا جا سکتا ہے، ایک جدید اور عالمگیر اہمیت کا حامل سائنس کا شعبہ ہے جس میں سائنسی انداز میں یہ مطالعہ کیا جاتا ہے کہ انسانی ذہن معلومات کو حاصل کرنے کے بعد کس طرح سے ان کا اظہار کرتا ہے اور کیسے ان کو تبدیل کرتا ہے جبکہ اسکا یہ مطالعہ بنیادی درجہ کے سیکھنے کے عمل سے لیکر ایک انتہائی اعلیٰ قسم کے کمپیوٹر پراجیکٹ ڈیزائن کرنے کے درجہ تک کیا جاتا ہے، جبکہ اس عمل میں علم نفسیات، کمپیوٹر سائنس، میڈیکل سائنس، عمرانیات، لسانیات، فلسفہ و دیگر علوم کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔

اس شعبہ میں یہ ناچیز ایک طالب علم کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی تحقیق کو مضامین کی شکل بھی دیتا رہتا ہے۔ اسی حوالے سے یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ انسانی زندگی میں سب سے اہم چیز "ذہن" کے بارے میں ہمارے ملک میں بہت کم کام ہوا ہے حالانکہ دنیا بھر میں ان شعبوں پر بہت زیادہ کام ہو رہا ہے، لہٰذا میں اس شعبہ کے موضوعات کو ترجیحی بنیادوں پر لکھنا پسند کرتا ہوں تا کہ ''علم الادراک، یعنی مائنڈ سائنس'' کے حوالے سے اس ملک کے عوام میں شعور پیدا کرسکوں اور اس نئی سائنس کو سمجھنے اور اس کے ثمرات سے مستفید ہونے کے بارے میں آگاہی بڑھا سکوں۔

اگر علوم کی ابجد بنائی جائے یا پھر انسائیکلو پیڈیا کھولا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ بنی نوع انسان نے کبھی بھی حالات کے سامنے ہتھیار نہیں پھینکے بلکہ بہتر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بہتر کی تلاش جاری رہی، جبکہ اس سارے عمل میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا اس میں انداز سائنسی ہو یا غیر سائنسی مگر نتائج بہر حال قابل رشک رہے ہیں۔ اگر ہم ایک طرف سائنس کو علم کے متبادل نام سے جانتے ہیں تو دوسری طرف مائنڈ کو عقل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، لہٰذا عقل کا علم ہر انداز، زمانے اور ارتقائے تہذیب میں تمام علوم پر حاوی رہا ہے، اکیسویں صدی کے سارے ثمرات اگر اکٹھے کئے جائیں تو مائنڈ سائنس کا پلڑا سب سے بھاری ہوگا۔ عقلِ سلیم ہر فرد کی خواہش ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ اپنے ذہن کو افکار تازہ سے لبریز رکھا جائے جبکہ افکار تازہ ہمیشہ آئینہ کی طرح شفاف اور بہتے پانی کی طرح پاکیزہ ہوتے ہیں۔

کیا ہم اپنی زندگی کی کہانی کے خود لکھاری ہیں یا پھر صرف عملی کردار ادا کر رہے ہیں؟

کیا واقعاتِ زندگی خود بخود ہماری راہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں؟

ناکامی کیا ہے اور کیوں ہے؟

معاملات زندگی کا سمجھنا ضروری ہے یا کہ ان سے گزر جانے کی صلاحیت کافی ہے؟

کامیاب زندگی کے ذرائع کیا ہیں؟

کیا ذمہ داریاں کسی دلچسپ کھیل کی طرح آسان ہوسکتی ہیں؟

آیئے ایک نئی دنیا کا ایک باب دیکھیں، زندگی کو اپنی حقیقی نظر سے دیکھیں اور اس حقیقت سے روشناس ہوں جو کبھی خطا نہیں کھاتی، جی ہاں! ہم اپنی علیحدہ علیحدہ دنیا ئیں رکھتے ہیں، مگر جانتے ہوئے، نہ جانتے ہوئے، چاہتے ہوئے یا نا چاہتے ہوئے اپنی دنیا کو دوسروں کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں مگر دیکھ نہیں پاتے، دوسروں کی طرح کی کامیابیاں اپنی زندگی میں لانا چاہتے ہیں مگر حاصل نہیں کر پاتے، جو خوشیاں دوسروں کی جھولی میں کھیلتی نظر آتی ہیں انکو حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں مگر امید بر نہیں آتی اور مایوسیوں کے بنے جال میں جکڑے رہتے ہیں، اگر محبت دوسروں کے گلے کا ہار بنتی ہے تو ہم نفرتوں کے کانٹے چنتے رہ جاتے ہیں، اگر ہمارے حالاتِ زندگی پھیکے ہیں تو دوسروں کے خواب بھی رنگین ہے، اگر دوسرے پتھریلی زمین پر پاؤں ماریں تو پانی نکل آئے اور ہم زرخیز میدان میں

قوتیں بھی صرف کر دیں تو پانی کے آثار بھی نظر نہ آئیں۔ کیا وقت کا پہیہ اسی طرح صدیوں تک ہماری شکستہ حالی کو لادے نامعلوم منزل کیطرف چلتا رہے گا؟

نہیں ایسی بات نہیں کیونکہ دنیا نہ تیری ہے نہ میری ہے بلکہ اس دنیا سے ہم اپنی اپنی دنیائیں دریافت کرتے ہیں اور اسکو ہم اپنی اپنی نظر اور زاویہ سے دیکھتے ہیں اور جو اخذ کرتے ہیں وہ ہماری اندر کی دنیا کا عکس ہے۔ ورنہ باہر کی دنیا ایک ہی ہے مگر نقطۂ نظر اور تجربات زندگی مختلف، کوئی خوش ہے اور کوئی غمگین کسی کو دنیا (زندگی) حسین و دلفریب نظر آتی ہے اور کسی کو خاردار جھاڑی یعنی ہر کوئی دنیا کے بارے میں اپنا علیحدہ ہی نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ 'میں ڈوبا تو جگ ڈوبا' یعنی ایک دفعہ ایک شخص، جو کہ پانی میں ڈوب رہا تھا، اس نے شور مچایا کہ مجھے بچاؤ ورنہ یہ تمام دنیا (جگ) ڈوب جائے گی، لوگوں نے اسے بچا کر کنارے پر پہنچایا اور پوچھا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ تم ڈوب رہے تھے مگر یہ کیا بات ہوئی کہ اگر میں ڈوبا تو جگ ڈوبا؟ وہ شخص بولا بھئی اگر میں ڈوب کر مر جاتا تو میرے لئے تم سب مر گئے تھے نا یعنی میرے لئے تو دنیا ختم ہو گئی تھی''

اس مثل میں کتنی بڑی حقیقت چھپی ہوئی ہے کہ ہر فرد کی اپنی دنیا اور اپنا زندگی کا تجربہ ہے۔ اب اندر کی دنیا بھی کئی منزلہ عمارت کی مانند ہے جسے ہم بچپن سے لے کر مرنے تک تعمیر کرتے ہیں اور اس کی منزلوں میں نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ تو اس عمارت کی بیسمنٹ میں رہتے ہیں کچھ گراونڈ فلور پر اور کچھ سب سے اوپر والی منزل پر۔ آپ اندازہ کریں کہ جو شخص اس کئی منزلہ عمارت کی بیسمنٹ میں رہتا ہو جہاں حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) اور بدبودار ماحول ہے اسکو کس طرح سے اندازہ ہوسکتا ہے اُس شخص کی زندگی کے بارے میں، جو سب سے اوپر والی منزل میں رہتا اور قدرت کے نظارے، صبح سورج طلوع ہونے کا منظر، غروب ہونے کا منظر، بادلوں کا آنا جانا وغیرہ دیکھتا ہے۔ غرض اپنے ہی اندر کوئی عذاب میں مبتلا ہے اور کوئی سکون کی لذت سے مالا مال ہے۔

یعنی یہ کئی منزلہ عمارت ہمارے اپنے ذہن کے اندر بنے ہوئے ماحول (Mind Set) ہیں جن میں ہم اپنی زندگی گزارتے ہیں اور کبھی تکلیف گوارہ نہیں کرتے کہ ان کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بارے میں معلوم کریں؟ بچپن سے اب تک جو کچھ ہم دیکھتے آئے ہیں، سنتے آئے ہیں وہ سب کا سب ہمارے ذہن کا حصہ بن چکا ہے جانتے ہوئے یہ نہ جانتے ہوئے، مگر اس سب کو ہم باہر کی دنیا سے اپنے اندر کی دنیا، ذہن میں غیر جانب دار ہو کر ریکارڈ نہیں کرتے بلکہ اپنے عقیدہ (Belief System) کے تحت مرضی کی اشیاء کو اپنے ذہن کا حصہ بناتے ہیں اور یہ سب کچھ ہمارے ذہن میں شاندار طریقے سے ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ ہم تہہ در تہہ اس کو ذخیرہ کرتے رہتے ہیں اور یہ سب ہماری زندگی پہ براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔

اب اگر آپ نے اُردو زبان لکھنی پڑھنی سیکھی ہے تو آپ یہ تحریر پڑھ رہے ہیں ورنہ آپ کے سامنے یہ آڑی ترچھی لکیروں کے سوا کچھ نہیں اور اگر یہ تحریر کسی ایسی زبان میں لکھی ہوتی جسکو کہ آپ جانتے ہی نہیں تو کس طرح سے ممکن تھا کہ آپ اس کو پڑھ سکتے اور پھر اِسکو سمجھ سکتے؟ یعنی ہماری باہر والی دُنیا پر ہماری اندر والی دُنیا کی چھاپ ہوتی ہے اور ہمیں وہی کچھ دکھائی دیتا ہے کہ جس کا عکس ہمارے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے، لہٰذہ دنیا کے جو رنگ ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں ان میں سے ہمیں وہی کچھ نظر آتا ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں، مگر کیا ہمیں معلوم ہے کہ ہم کیا دیکھنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ زندگی اپنا رنگ نچھاور کر رہی ہے، اگر ایک طرف اذیت کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف لطف و کرم کے جام بھی لنڈھائے جا رہے ہیں، اگر ایک طرف خوشحالی اپنی شان کی طولانی میں نظر آتی ہے تو دوسری طرف مفلسی نے بھی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، اگر ایک طرف پستی کی گہری کھائیاں ہیں تو دوسری طرف مخملی بلند و بالا چوٹیاں سینہ تانے کھڑی ہیں، اگر ایک طرف ناکامیوں کے گرداب ہیں تو دوسری طرف کامیابیوں کے شادیانے بھی بج رہے ہیں مگر یہ سب کچھ اس پر منحصر ہے کہ ہم معاملات پر کس طرح سے پہنچ کرتے ہیں۔

اگر دنیا کو ایک معصوم چڑیا کی نظر سے دیکھا جائے جس کے گھونسلے میں پڑے ہوئے بچے ایک سانپ کھا رہا ہے۔ تو دُنیا ہمیں کتنی ظالم دکھائی دے گی مگر اسی لمحے اس بھوکے سانپ کی نظر سے دُنیا کو دیکھا جائے، تو دنیا کتنی مہربان نظر آئے گی کہ بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا ملا ہے مگر ہمیں اِن نقطۂ نظر سے کیا لینا دینا؟

ہمیں تو صرف اِتنا سمجھنا ہے کہ وہ کون سے زاویے (Angle)، واسطے (Channel)، نظریئے (Concept) اور بیج (Seed) ہیں جو کہ ہماری زندگی کو براہِ راست متاثر کرتے ہیں، ہمارے سامنے تو زندگی (دُنیا) فطرت کے شاہکاروں سے بھری پڑی ہے مگر ہماری نظر میں وہ زاویہ کہاں ہے، وہ رابطہ کہاں جو اِن شاہکاروں کو ملاحظہ فرمائے؟ اپنی نظر میں اتنی بصارت کہاں، ہمارے قلوب کے زنگ وہ پردے ہیں جو ہمیں سکون، راحت اور خوش بختی اور صحت کے تحفے حاصل کرنے سے دور رکھتے ہیں۔ ہمیں تو وہی کچھ دکھائی دیتا ہے جس کی چھاپ ہمارے قلوب پہ پڑ چکی ہے یعنی جیسا بیج ویسا ہی پھل، اکثر اوقات خوشیاں، مسرتیں، راحتیں اگر کسی ذریعے سے ہمارے پاس آتی ہیں تو اندر کے دشمن انہیں اندر گھسنے نہیں دیتے اور بدبختی کی گرداب میں ڈبوئے رکھتے ہیں۔

اگر کہیں ہمیں زاویے درست کرنے ہیں تو کہیں نئے واسطے تلاش کرنے ہیں اور کہیں نظریئے درست کرنے ہیں اور کہیں بیج نئے بونے ہیں کیونکہ ہم خودرو جھاڑی نہیں، اور نا ہی پتھر ہیں کہ زمانے کی ٹھوکروں پر پلے بڑھ رہے ہیں اور نہ ہی بے شعور لاشے کہ اچھے برے کی تمیز نہ کر سکیں بلکہ ہم ہی اس قدرت کے سب سے حسین شہکار ہیں کہ اس کائنات کی ہر شے ہماری زندگیوں کو سیراب کر رہی ہے مگر یہ سب کچھ اسی صورت ممکن ہیں کہ ہم اپنی ''پہچان'' حاصل کرلیں۔

تحلیلِ نفسی، تذکیۂ نفس، منازلِ سلوک اور فیضِ نظر ایک ایسا ہی عمل ہے جیسا ذہن کی بنجر زمین پر ہل چلانا اور پھر اِس کو وقت کی دھوپ میں چھوڑ دینا تا کہ اِس کے اندر کی جڑی بوٹیاں، غلط زاویئے، واسطے اور نظریے خود بخود فنا ہو جائیں اور ذہن کی زمین بیج بونے کے قابل ہو جائے اور پھر اِس میں خودشناسی کا بیج لگا کر مراقبہ کا پانی دیا جائے اور اس ''اپنی دنیا'' کے پودے کی نشوونما کی جائے تو پھر کہیں جا کر ''لذتِ آشنائی'' کا پھل نصیب ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے اِتنی ثابت قدمی ممکن ہے کیونکہ الفاظ کے موتیوں کو تحریر کی لڑیوں میں پرونا تو آسان ہے مگر مقاماتِ فکر و آگہی میں غوطہ زن ہونا بڑے جگرے کی بات ہے البتہ گہرے سمندر میں غوطہ زنی نہ سہی مگر کنارے کنارے رہ کر کچھ تو سیکھا اور حاصل کیا جا سکتا ہے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مائنڈ سائنس، توجہ اور فیضِ نظر

کوانٹم فزکس اور ذہنی قوت کے مربوط روابط اب انکے آپس میں لازم و ملزوم ہونے کے راز کو آشکار کر رہے ہیں، جسکے مطابق تمام مادی اشیا کے اجزائے ترکیبی بنیادی طور پر وہ ذرات ہیں جو انہیں ٹھوس شکل اختیار رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل کوانٹم فزکس اس اصول پر بنیاد کرتی ہے کہ مادہ کا کمترین ذرہ، الیکٹران دوہری خاصیت کا حامل ہے یعنی کبھی ذرات کی شکل اور کبھی لہر کی شکل میں اپنے وجود کا اظہار کرتا ہے، جبکہ سائنسی تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ کے کمترین ذرات کبھی ذرے کی شکل میں اور کبھی لہر کے طور پر اپنا اظہار کرتے ہیں مگر ایک ہی وقت میں دونوں خصوصیات کا اظہار اکٹھا نہیں کرتے جبکہ انکے اس رویے کا انحصار مشاہدہ کرنے والے پر ہوتا ہے۔

بلاشبہ مادی اشیا ایک انتہائی کمترین ذرہ، الیکٹران سے مرکب ہیں لہٰذا اس دنیا کی اساس یہی ذرات ہیں جو اس سارے جہاں میں بکھرے ہوئے ہر طرف موجود ہیں اور یہی اشیا کو مادی شکل دینے کیلئے بنیادی ٹکڑوں کا کردار ادا کر رہے ہیں، یہی انسانی جسمانی ساخت کی بنیاد ہیں اور یہی ذمہ دار ہیں ان گھروں کے جن میں ہم رہتے ہیں اور انہی کی بدولت ہمیں وہ گاڑیاں میسر ہیں کہ جن میں ہم گھومتے پھرتے ہیں اور اس دولت کے بھی جو بینکوں میں جمع ہے، حتیٰ کہ ہماری تمام حقیقتیں ان کمترین ذرات سے اٹی پڑی ہیں جبکہ یہ ذرات اپنا ردعمل اسی طرح سے ظاہر کرتے ہیں جیسا ہم انکے بارے میں مشاہدہ، دھیان

رکھتے ہیں۔

ہم اس مادہ کی ان عالمگیر لہروں سے اسی طرح لفظ بہ لفظ متاثر ہوتے ہیں، جیسا ہم ان کے بارے میں مشاہدہ کرتے ہیں، بالفاظ دیگر کسی بھی شے کی اصلیت و حقیقت کا مشاہدہ دراصل ہمارے لیے حقیقت بنتا ہے۔ یہ ایسا ہی عمل ہے جیسے کسی جنگل میں کوئی درخت گرتا ہے اور اگر اسکے پاس اگر کوئی سننے والا کوئی نہ ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسکے گرنے کی آواز پیدا ہوئی تھی؟ یہاں سائنسی تجربات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یقیناً آواز پیدا نہیں ہوئی، کیونکہ درخت صرف اسی صورت میں آواز پیدا کر سکتا کہ اگر اسکا مشاہدہ، دھیان کیا جائے ورنہ اگر اسکی طرف توجہ نہ دی جائے تو یہ کسطرح سے ممکن ہے کہ وہ آواز پیدا کرتا؟ لہٰذا دھیان، خبرداری، بیداری یعنی توجہ دینے کا عمل مشاہدہ کہلاتا ہے بالفاظ دیگر اسے آپ بیدار رہنے کا عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔

ہمارا دھیان اور بیداری اسی طرف ممکن ہے جس طرف ہم متوجہ ہوتے ہیں اور سائنسی تجربات، ڈبل سلٹ ایکسپیریمنٹ، سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ہماری توجہ مادہ کے کمترین ذرہ کے رویہ کو متاثر کرتی ہے لہٰذا یہ بات واضع طور پر سامنے آتی ہے کہ تمام مادی اشیاء کا چال چلن ہماری توجہ اور دھیان سے متاثر ہوتا ہے جبکہ یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ ہماری توجہ کا ہی کمال ہے جو کچھ ہم اس دنیا میں اپنی ملکیت میں رکھے ہوئے ہیں اور ہماری توجہ ہی ہمارے لیے ہماری مادی دنیا کا وجود تشکیل دیتی ہے، ہر شے جو ہمارے دھیان اور توجہ میں ہے ہمارے خیالات، تخیل کے باعث وجود پاتی ہے، جانتے بوجھتے ہوئے یا انجانے میں، شناسائی میں یا پھر نا آشنائی کے عالم میں، لہٰذا یہ بہت اہم ہے کہ ہم اسی طرف متوجہ ہو جائیں جسکے بارے میں ہم خیال کر رہے ہیں اور وہی کچھ سوچیں کہ جیسا ہم سوچنا چاہتے ہیں، ہمارے خیالات ہماری موجودہ حالت اور اصلیت کے ماخذ ہیں اور اگر ہم اپنی موجودہ زندگی اور حالت سے مطمئن نہیں تو آج سے ہی نئے طریقے سے سوچنا شروع کر دیں، نئی ذہنی تصاویر بنائیں، نئے تصورات کو جنم دیں کہ یہ طریقہ ہمیں ہستی کے نئے وجود میں لا کھڑا کرے گا اور اگر اتنی سکت نہیں کہ اپنا تذکیہ کر سکیں تو پھر جائیں اور راہ لیں کسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''صاحب نظر'' کے چوکھٹ کی جسکے درو دیوار بھی ''لذتِ سکوں'' میں غرق ہیں اور یہ ''فیضِ نظر'' کا کمال ہے کہ انسانی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے، ازلوں سے سسکتی ہوئی زندگی کو سکون سے آشنا کرنے والی نظر اگر اپنی موج میں شکستہ حال اور خزاں رسیدہ پر پڑتی ہے تو اسے بہار سے ہمکنار کرتی ہے اور اگر جلال میں ہریالی پر پڑتی ہے تو اسے خس وخاشاک کر دیتی ہے، اور جو منظورِ نظر ہوجائے اسکو مسرتِ لازوال سے ہمکنار کرتی ہے۔

جس طرف نظر دوڑائیں ''توجہ'' کی جلوہ آرائی اپنے حسن وجمال کا شاندار نظارہ پیش کررہی ہے، سمندروں پر پڑتی ہے تو انکا سینہ چیر کر راہیں دریافت کرتی ہے، اگر دریاؤں پر پڑتی ہے تو پُل باندھ دیتی ہے، پہاڑوں پر پڑتی ہے تو ریزہ ریزہ کردیتی ہے، میدانوں پر پڑتی ہے تو انہیں محلات میں تبدیل کردیتی ہے، آسمانوں پر پڑتی ہے تو فاصلے سمیٹتی ہے اور اگر انسانوں پر پڑجائے تو زندگیاں بدل دیتی ہے۔

چاند کا فیضِ نظر جب زمیں پر ہوا تو سمندر چاندنی کی تاب نہ لاسکے اور اپنے اندر سے بیش وقیمت موتی وگوہر کناروں کی نظر کر گئے، سورج کا فیضِ نظر جب زمیں پر ہوا تو زندگی نے انگڑائی لی جبکہ زمیں نے سونا اگلا اور زندگی نے سفر کرنا شروع کیا مگر رات کا فیضِ نظر ہوا تو زندگی نے استراحت فرمائی اور دن کے فیضِ نظر نے لمحوں کو وقت سے آشکار کیا اور بادلوں کا فیضِ نظر ہے کہ ہریالی نے زمین کو مخملی قالین بنادیا۔

آج جب تو نے مجھے پوچھا کہ ''فیض'' کیا ہے اور ''نظر، توجہ'' کیا ہے تو، اے سالکِ راہِ حق، یہ مجھ پر آشکار ہوا کہ معاملاتِ زندگی پرتو ''فیضِ نظر'' کی عنایات ہیں ورنہ یہ سلسلہ زندگی کبھی کسی گرداب کی نظر ہوتا اور کبھی گہری کھائی کی۔ جب کوئی انسان اپنے آپ سے آگاہی حاصل کرتا ہے تو اسے ''لذتِ آشنائی'' کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کے من کی دنیا میں اگر چشمہ خودی پھوٹ پڑے تو زندگی تپتے صحراؤں سے نکل کر سکون کی گھنی چھاؤں میں آجاتی ہے اور اندر کا عکس بدل جاتا ہے اور باہر بھی شاہکارِ قدرت کا نظارہ ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ باطن میں موجزن آگہی کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہونے سے کشف و وجدان کے دھارے اور علم وعرفان کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور زندگی خزاں سے موسمِ

بہار میں آجاتی ہے۔ اِس آگہی کی لذت ایک شخص تک محدود نہیں رہتی بلکہ یہ بیرونی دنیا پہ بھی براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے کہ آسمانوں سے مینہ برستا ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں اور قدرت کی طرف سے شاندار استقبال کیا جاتا ہے اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اِس لذت سے معمور ہوتا ہے کہ جن کا الفاظ احاطہ نہیں کرسکتے اِسی کے دم سے پھلوں میں رس بھرا جاتا ہے اور پھولوں میں خوشبو، بیماروں کو شفا ملتی ہے اور یہ نظر جس طرف اٹھتی ہے بہار ہی بہار آجاتی ہے اور اِس نظر کی موج میں آنے والا ہر لمحہ اپنے اوپر ناز کرتا ہے اور ہر فنا اپنی بقاء دیکھتی ہے۔

اِس سے زمین میں زرخیزی آتی ہے بالفاظِ دیگر اِس خودی (Self) کا کیا کہنا کہ جو لذتِ آشنائی سے لبریز ہے اور ہم اِس کا تذکرہ قرآن کریم سے دیکھتے ہیں۔ سورۃ الکہف (آیت 60 تا 86) جہاں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ میں، کس شان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کا تذکرہ کیا ہے جسے اللہ نے اپنا فضل اور علم بخشا ہے۔ (آیت 79 تا 86) دیکھیں کس طرح سے (بندے کی) میں سے ہم اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا تعلق بیان کیا گیا ہے (میں نے چاہا، ہم نے چاہا اور تیرے اللہ نے چاہا) حالانکہ اِس واقعہ میں جو بیان کیا گیا ہے سارے کے سارے واقعات ایک بندہ کے ہاتھ سے سرزد ہورہے ہیں مگر اِن کی توجیہہ میں ''میں'' سے اللہ تک کی رسائی کا پتہ ملتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ اِس واقعہ میں شریعت اور طریقت کا شاندار امتزاج بیان کیا گیا ہے اور ایک بندے کی ''میں'' کا اللہ سے تعلق بیان کیا گیا ہے اور آشنائی کی لذت سے مامور دیے تو ابد تک کیلئے روشنی بن جاتے ہیں اگر ایک طرف یہ روشنی دوسروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنتی ہے تو دوسری طرف انکے فیضِ نظر کے باعث زندگی کی راہیں روشن ہوتی ہیں، یہ فیضانِ نظر کا کمال ہے کہ زندگیاں سکون کی دولت سے مالا مال ہوتی ہیں'' جبکہ ہماری زندگیوں میں روشنی انہی چراغوں کے دم سے ہے، ورنہ کائنات کا ردِعمل ہر ظلم وزیادتی اور آہ پہ آندھی، طوفان اور زلزلوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، کیونکہ کائنات ہر کرب کا اور مظلوم کی آہ کا جواب ضرور دیتی ہے۔

اے زندگی تو احسان مان ان افراد کا، جن کے فیضِ نظر کے باعث تو اذیتوں اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرب سے نجات پاتی ہے اور اگر کوئی گمراہی کے گھپ اندھیرے میں بھٹک جاتا ہے تو یہ نظریں اسکی راہیں روشن کرتے ہوئے آگاہی کا پیش خیمہ بنتی ہیں، اگر آگاہی کے مراحل طے کرنا دشوار ہو تو اسکی منزل آسان کرتی ہیں اور اگر کوئی روشن چراغ بننا چاہے تو اسکی ٹمٹماتی لو کو درخشاں کرتی ہیں۔ مگر حیرت ہے اس پہ جو چاند کی تڑپ رکھتی ہوئی سمندر کی لہروں سے ،سونا اگلتی زمین کا سورج سے، شاندار نظارہ پیش کرتی قوس وقزح ،ور سرسبز ولہلاتے کھیتوں کا بارش سے جو ربط ہے، اس سے تو واقف ہیں مگر اک ''صاحب نظر'' کے ''حال'' سے ناواقف ہے۔

حمیدی

اشرف المخلوقات

اس خطہء زمین پہ ہم روزانہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ لادے ہوئے صبح کو آتے ہیں، دن گزارتے ہیں اور رات کو واپس چلے جاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ بعض اوقات اپنی تمام تر توانائیاں خواہ مخواہ کی مشقت اٹھانے میں لگا دیتے ہیں جیسا کہ ایک مختصر سے لمحے کو رہنے کی زندگی کیلئے شاندار محلات تعمیر کرتے ہیں اور اس کی حفاظت اور ملکیت کو قائم رکھنے میں ہی زندگی تمام ہو جاتی ہے اور جاتے ہوئے خالی ہاتھ، اور کبھی اپنی آن بان قائم رکھنے کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں اور خوامخوہ کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ شانِ طولانی دیکھئے کہ انا (خود پسندی) کی ملمع کاری بھی سمندر میں اُٹھتی ہوئی لہر کی طرح ہے جو اپنے ہی شور میں یہ بھول گئی ہے کہ آخر اسے پھر واپس اسی سمندر میں مل جانا ہے تو پھر اتنا طلاطم کیسا؟ اور اتنا بپھرنا بھی کیا؟ آخر سر اُٹھاتی ہوئی موجیں (لہریں) ہی کناروں سے اپنا سر پھوڑتی ہیں وگرنہ گہرے سمندر تو ازلوں سے خاموش اور ساکن رہے ہیں۔ ہمارے رشتے اور ناطے آپس میں کچھ اس طرح سے ہیں کہ جیسے ریل کے ایک ڈبے میں چند لوگ بیٹھے سفر کر رہے ہوں اور ان کو اپنی اپنی نامعلوم منزل پر پہنچنا ہے اور جیسے ہی کسی کی منزل آ گئی وہ اُتر گیا اور پھر یہ رخت سفر جاری رہا اور آخر ایک وقت آتا ہے کہ تمام کے تمام لوگ عدم سدھار جاتے ہیں تو پھر آپس میں نفرتیں، عداوتیں اور محبتیں کیسی؟

میں (Self) جو کہ اس کائنات سے ہمارا رابطہ (Channel) بنتی ہے اس تک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رسائی کیلئے پہلے ہمیں اپنے قلوب کے زنگ کو اُتارنا ہوگا جبکہ یہ زنگ وہ بدعملیاں اور منفی جذبے و رویے ہیں جو ہمارے من (قلب) پہ زنگ کی ملمع کاری کی طرح تہہ در تہہ چڑھتے رہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ باہر کی روشنی اندر دکھائی نہیں دیتی اکثر اوقات خوشبختی، سکون اور راحت باہر سے دستک دیتے ہیں اور اندر آنے کا راستہ تلاش کرتے ہیں مگر اندر کے یہ دُشمن اِنہیں گھسنے نہیں دیتے۔ ہمارے تمام یہ منفی رویے جذبے (حسد، لالچ، مکر، فریب، دھوکہ دہی، نفرت وغیرہ) اور خوامخواہ کے خوف جو ہم نے اپنے اندر بیج (تخم، Seed) کی طرح بو دیئے ہیں آخر کچھ تو پھل دیں گے؟

قدرت کے بچھائے ہوئے سبز مخملی قالین (گھاس) پہ چلتے ہوئے ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ رنگ برنگے پھل و پھول اور پودے اور تنا ور درخت سب کے سب ایک ہی زمین سے نکلے ہیں مگر ہر ایک کا ثمر (پھل) اور خاصیت دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ گلاب کے پودے پر گلاب کا پھول مگر نرگس کے پودے پر نرگس کا پھول اور دونوں کی رنگت اور خوشبو جداگانہ حالانکہ ایک ہی زمین سے نکلی ہوئی یہ نباتات جو کہ جبلت کی باندھی ہوئی ہے (یعنی نشونما تو ہے مگر نقل مکانی نہیں اور نہ ہی سمجھ بوجھ) اس کو بھی معلوم ہے کہ گلاب کے پودے کے ساتھ گلاب کا پھول لگے گا نہ کہ چنبیلی یا نرگس کا۔ اب اگر ہم آم کا بیج بو کر سیب کے پھل کی دُعا مانگیں تو کیا خیال ہے کہ دُعا قبول ہوگی یا کونسا پھل ملے گا؟ قدرت تو قدرت ہے ہر چیز کی طاقت رکھتی ہے اور اُس کیلئے سب کچھ ممکن ہے مگر ہمیں سنت خداوندی بھی تو معلوم ہونی چاہیے کہ جس کا قدرت بھی خیال رکھتی ہے یہاں قدرت کے شاہکاروں میں سے ایک شاہکار قانون ہمیں پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ جیسا بوء گے ویسا کاٹو گے (یعنی جیسا تخم ہوگا ویسا ہی پھل ہوگا) یہاں بیج (Seed) وہ رابطہ (Channel) ہے جو زمین کے ساتھ ایک پودہ اور درخت رکھتا ہے اور اس کی خاصیت کی وجہ سے مخصوص پھل اور پھول حاصل کرتا ہے۔

جمادات (Minerals, Stone بے حرکت کوئی نشونما نہیں، کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ ہی کوئی سمجھ بوجھ)، نباتات (Plant نشونما تو ہے مگر کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ

ہی کوئی سمجھ بوجھ) اور حیوانات (Animal سب کچھ ہے مگر محدود سمجھ بوجھ اور جبلت کے باندھے ہوئے) اور ایک ہم اللہ تعالیٰ کی شاندار مخلوق جسے اِرادہ (Freedom of Choice) اور خودمختاری دی گئی ہے اور ہم جبلت کے بھی غلام نہیں جبکہ ہمیں عقل جیسے اِنعام سے نوازا گیا ہے کہ جو علم کی روشنی میں دیکھتی ہے اور علم وہ نور ہے جو ہمارا رابطہ ہماری خودی (میں، Self) سے کروا دیتا ہے حالانکہ ہمارے منفی جذبے، رویے اور غلط نقطہ نظر وہ گرداب ہیں جن میں پھنس کر اکثر ہم سمجھتے ہیں کہ بہت خوب گزر رہی ہے حالانکہ ہم ایک دائرے میں سفر کر رہے ہوتے ہیں جہاں منزل کی طرف کوئی پیش رفت نہیں اور بعض اوقات ہمارے چور دروازے پستی کی طرف کھلے ہوتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم دوڑ رہے ہیں مگر جتنا تیز دوڑتے ہیں اتنا ہی پستی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ بلندی و ندرتِ خیال اور کھلے آسمانوں کا سفر تو قدرت کے حسین و جمیل تحفوں میں سے ایک تحفہ ہے وہ اِنہیں کو ملتا ہے جو اپنا قلب اِن تمام ملاوٹوں (منفی جذبے، رویے اور خواہ مخواہ کے خوف) سے پاک رکھتے ہیں یہ آئینہ جلا کا کام دیتا ہے اور ہمیں اپنی خودی (میں Self) کے تمام زاویے اور ثمرات ملتے ہیں جس کے ہم حقدار ہیں۔ اِسی خودی (Self) کا سفر بھی کیسا کہ نڈر اور بے پرواہ کوئی خوف نہیں نہ کوئی ملمع کاری خوشی کے وقت ہنسنا اور حقیقی خوشی اور تکلیف کے وقت رونا کوئی دکھلاوا نہیں اور کوئی غرض نہیں اور نہ ہی کسی کیلئے دھوکہ دہی کہ یہ ہمارا وہ بچپن ہے کہ جہاں خودی (Self) اپنی موج میں رواں دواں ہے۔ اب زندگی کے رنگ بدلتے ہیں اور نفرتوں، خواہشوں کے گرداب میں پھنس کر اور کبھی خود پسندی کے فریب میں ہم اپنی خودی (Self) سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہمارے درمیان یہ پردوں کی طرح حائل ہوتے جاتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ہمارا رشتہ ہمارے ازل سے کٹ جاتا ہے۔

جس طرح ہمارا رابطہ اپنے ازل (اصل) اور کائنات سے اپنے اندر سے خودی (Self) کے ذریعے ہوتا ہے اِسی طرح ہمارا بیرونی دُنیا سے رابطہ ہمارے ذہن (Mind) کے مرہونِ منت ہے اور انسان کے سوچنے کی صلاحیت اس کو کائنات پر دراندازی (مداخلت) کا موقع فراہم کرتی ہے اب جس طرف بھی نظر دوڑائیں گے آپ کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک طرف قدرت کے شاہکار نظر آئیں گے اور دوسری طرف لوگوں کے جمے ہوئے خیالات بھی نظر آئیں گے یعنی یہ ہماری تعمیر کردہ دُنیا (اشیاء)، تعمیرات اور ایجادات۔ اب اگر ایک لکڑی کی میز کو دیکھا جائے اس کا خاکہ پہلے کسی انسان کے ذہن میں تیار ہوا پھر ان خیالات نے حقیقت کا رُوپ دھارا اور وہ ہمیں لکڑی کے میز کی شکل میں منجمد نظر آئے اسی طرح آپ تعمیرات کو دیکھیں اور ایجادات کو دیکھیں تو یہ سب کے سب لوگوں کے خیالات کا انجماد ہی تو ہے کہ پہلے یہ خیال ذہن میں نقشہ کی طرح بنا اور پھر ٹھوس (منجمد) شکل اختیار کر گیا جسے ہم انسانی سوچ کا شاہکار بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ خودی (Self) انسان کے اندر سے رابطے کیلئے کسی واسطے کی محتاج نہیں جبکہ ذہن حواسِ خمسہ کا محتاج ہے یعنی ہمارے اندر معلومات ذخیرہ کرنے کیلئے پانچ حواس ہوتے ہیں جن کے باعث یہ معلومات ذہن اپنے پاس ذخیرہ کرتا ہے (چکھنا، چھونا، سونگنا، دیکھنا اور سُننا) یہ وہ صلاحیتیں ہیں کہ جن کے بل بوتے پر ایک انسان اپنا ذہن Mind بناتا اور اپنی اندر کی دُنیا تعمیر کرتا ہے۔

حمیدی

روشن چراغ

زندگی کے لمحے نہ گنو بلکہ لمحوں میں زندگی تلاش کرو کیونکہ یہ تو وہ شمع ہے جو اِک بار جل جائے تو بجھتی نہیں بلکہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ دیے سے دیا جلائے بتی (Travel) چلی جاتی ہے۔ یہ روشن چراغ اگرچہ تمام دنیا کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے مگر اپنے اردگرد اندھیرا بھی نہیں ہونے دیتے۔ خودی (میں، Self) کا دیا تو عاجزی کی لو سے روشن ہوتا ہے۔ بلند و بالا پہاڑیوں کی کھوکھ سے جنم لینے والے ہزاروں، لاکھوں چشمے، ندیاں، نالے اور دریا آخر سمندر کی گود میں اپنا وجود کھو دیتے ہیں کیونکہ سمندر ان کے مقابلے میں ہمیشہ پستی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

ہم سیل رواں پر بہتے ہوئے کائی کے تنکے نہیں کہ حالات کی موجوں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پہ رہیں اور جانے کب کوئی انجانی موج اُڑے اور اُٹھا کر کہیں پھینک دے یا پھر حالات کے گرداب میں پھنس کے اپنا وجود کھو بیٹھیں بلکہ ہم تو کامیابی اور سکون کے وہ سفینے ہیں جو عافیت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم موت کے منہ میں ایک اور نوالہ نہیں ہیں بلکہ ہم تو وہ جلتی شمعیں ہیں جو دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشنی بانٹتی چلی جارہی ہیں اور جہالت کی تاریکی کے سامنے ہم تو وہ چراغ ہیں جو دُنیا کو سورج کی طرح روشن نہ کر سکے مگر اپنے اردگرد کو تو روشن رکھتے ہیں اور ہم تو وہ ٹھنڈی چھاؤں ہیں جو تپتی دھوپ میں سایہ بنتے ہیں۔ ہم وہ جوہڑ نہیں ہیں جو زندگی کو فنا کا درس دیتے ہیں اور بقا کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاتمہ کرتے ہیں بلکہ ہم تو علم وفن کے وہ چشمے ہیں جو زندگی کو بقاء کا درس دیتے ہیں جہاں سے ہر کوئی سیراب ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہمارے اندر خودی (میں،Self) کا دیا جلتا ہے اور ہمارا رابطہ ازل سے جڑ جاتا ہے۔

اس کائنات میں کوئی شے بے مقصد پیدا نہیں کی گئی اور نہ ہی کوئی واقعہ حادثہ ہوتا ہے بلکہ ہر شے خاص مقصد کیلئے ہے اور ہر واقعہ پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے جبکہ ہماری سوچنے کی طاقت ہمارے معاملاتِ زندگی کے لیے ہدایتکار (Director) کا درجہ رکھتی ہے اور جو خیال ذہن میں ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا جبکہ وہ اپنی قوت اور مماثلت کے حساب سے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ قلم جس سے میں لکھ رہا ہوں اور یہ پنکھا جس کی ہوا میں میں بیٹھا ہوں اور وہ کرسی جس نے مجھے بیٹھنے کی سہولت دی ہے اور وہ میز جس کے مرہونِ منت اِس تحریر کو لکھنے کی معاونت مل رہی ہے اور وہ بلب جس کی روشنی میں مجھے سب کچھ دکھائی دے رہا ہے اور یہ کاغذ جس پہ میں لکھ رہا ہوں اِن میں سے کوئی بھی بے مقصد نہیں بلکہ ہر شے اپنا مقصد پورا کر رہی ہے۔ اِن میں سے اگر کوئی بھی ایک شے اپنا مقصد پورا نہ کرے تو ہم فوراً اِس کو ردی کی ٹوکری یا کوڑے کے ڈبے میں پھینک دیں گے کیونکہ جو اپنے مقصد سے ہٹ جائے وہ ہمارے لیے بے کار ہے۔ اب اگر قلم (Pen) میں سیاہی ختم ہو جائے یا میز کی ٹانگ ٹوٹ جائے یا پھر پنکھا ہوا دینا بند کر دے یا بلب روشنی دینا بند کر دے (Fuse) تو کیا خیال ہے اِن کو ہم ایک لمحہ مزید برداشت کریں گے؟ جی ہاں ایک لمحہ بھی نہیں کیونکہ اِس سے ہماری روانی میں خلل آتا ہے اور ہمارے معاملات خراب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو بھی چیز (چاہے وہ بے جان ہی کیوں نہ ہو) اگر اپنے کام اور مقصد سے ہٹ جائے گی تو وہ بالکل بے کار اور بے مقصد ہو جائے گی اور ہم اِسے ضائع کر دینا پسند کرتے ہیں، تو کیا خیال ہے ہم بغیر کسی مقصد کے پیدا ہوئے ہیں؟ ہم جو اِس کارخانہ قدرت کے عظیم شاہکار ہیں، کس کام پر لگے ہوئے ہیں، آیا ہم کارآمد ہیں یا بے کار ہو چکے ہیں؟ اگر بے کار ہو چکے ہیں تو قدرت نے ابھی تک ہمیں ردی کی ٹوکری میں کیوں نہیں پھینکا؟

قدرت نے کائنات کی ہر شے ہمارے لیے تخلیق کی ہے جس طرف بھی نظر دوڑائیں کائنات کی ہر شے آپ کو اپنے لیے نظر آئے گی اور اپنے وجود کے ہونے کا مقصد کو پورا کر رہی ہوگی۔ پھولوں میں خوشبو ہمارے لیے ہے اور پھلوں میں رس ہمارے لیے ہیں، آبشاروں کے گیت ہمارے لیے ہیں، سرسبز و شاداب پہاڑوں کی بلند چوٹیاں جو دلفریب نظارہ پیش کرتی ہیں وہ بھی ہمارے لیے ہیں حتیٰ کہ کائنات کی سب مخلوق (Creature) ہمارے لیے مسخر کر دی گئی ہے مگر ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کس کے لیے ہیں۔ کائنات کی ہر شے دوسروں کے فائدے کیلئے ہے (نہ کہ اپنے لیے) جبکہ ہر چیز دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے اور ہمیں درس دیتی ہے کہ ہم اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ ازل سے ادیانِ عالم اِس کا درس دیتے آئے ہیں کہ ہمیں دوسروں سے روابط کس طرح رکھنا ہے اور انکے لئے کس طرح فائدہ مند ہونا ہے اور لوگوں میں رہتے ہوئے زندگی کس طرح سے گزارنی ہے، وگرنہ اگر انسان نے اکیلئے جنگل میں رہنا ہوتا پھر اس سب کی کیا ضرورت تھی؟ ہم نے سب کے ساتھ اِن روابط سے رہنا ہے جن کے باعث ایک صحت مند معاشرہ جنم لے اور زندگی کے ثمرات بحیثیت مجموعی حاصل کرنے ہیں ورنہ ایک شخص کی زندگی کے ثمرات اُس کیلئے بے معنی ہیں جب تک کہ وہ دوسروں کو اِس میں شامل نہ کرے۔ ہم کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں؟

طوفاں سے لڑو تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

آپ اگر گھڑی کو سامنے رکھ کر بیٹھ جائیں اور وقت کا گزرنا ملاحظہ کریں تو یقیناً آپ گھنٹوں بھی بیٹھیں رہیں گے مگر آپ کو گھنٹوں اور منٹوں والی سوئیاں ساکن نظر آئیں گی جبکہ وقت گزرتا رہے گا یہ برف کی طرح پگھلتی زندگی کے ماہ و سال صرف کسی اچھے وقت کے انتظار میں نہ گزار دیں بلکہ وہ لمحہ جو ہمیں بیدار کرتا ہے دراصل اِسی میں زندگی ہے اور باقی وہ لمحے اور پل ہیں جو ہمیں نیم خوابیدہ کرتے ہیں اور یہ وہ خودرو سلسلہ زندگی ہے کہ جہاں ہم وقت کو ضائع کر رہے ہیں، وقت کو ہم اِسی طرح قید (Save) کر سکتے ہیں کہ اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پل زندگی کے بیدار لمحوں سے سیراب کر دیں۔

ہم اس کارخانہ قدرت کے شاہکار ہیں اس کائنات کی تمام مخلوق ہمارے لیے سربستہ ہاتھ باندھے (مسخر ہونے کو) کھڑی ہے کہ جیسے الہ دین کے چراغ والا جن اپنے آقا کے سامنے سر جھکائے کھڑا اس کے کسی بھی حکم کو بجالانے کیلئے تیار ہے۔ مگر ہمارے اندر اتنی سکت کہاں کہ ہم اس ''جن'' کو قابو میں کر لیں۔ ان تمام طاقتوں پہ حاوی ہونے کی کنجی (Key) کسی بھی جن یا دیو کے پاس نہیں بلکہ ایک انسان کی دسترس میں ہے جو ''لذت آشنائی'' سے سرشار ہے۔ قدرت نے تمام کی تمام کائنات ہمارے تسخیر کرنے کیلئے بنائی ہے مگر ہم لذت کے جھوٹے اور چھوٹے چھوٹے کھلونوں سے دل بہلا رہے ہیں۔

ایک دفعہ ایک چرواہے کو جنگل سے شیر کا شیر خوار بچہ ملا اس نے اس کو اپنے بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رکھ لیا یہ بچہ انہیں میں پل کر بڑا ہوا مگر وہ بکریوں کے ساتھ رہ کر انہی کی طرح کا ہو کر رہ گیا تھا، ایک دفعہ جنگل میں ایک بوڑھے شیر نے دھاڑ ماری اور بکریوں کے ریوڑ کی طرف لپکا اس بوڑھے شیر کو دیکھتے ہی سب بکریاں بھاگنا شروع ہو گئیں جس کو دیکھ کر وہ شیر بچہ (جو اب جوان ہو چکا تھا) نے بھی بھاگنا شروع کر دیا مگر اچانک اس کا آمنا سامنا اس بوڑھے شیر سے ہو گیا اور اسے دیکھ کر معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی طرح کا ہے تو اب اس نے بکریوں کی طرح ممیانہ بند کر دیا اور ایک گرجدار دھاڑ ماری کہ بوڑھا شیر ڈر کے بھاگ گیا اب یہ شیر بچہ جو کہ بکریوں میں پل کر جوان ہوا تھا اس نے اپنی حقیقت کو جانا اور بکریوں کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لی کہ میں تو جنگل کا بادشاہ ہوں (میرا مقام یہ نہیں ہے کہ میں ان چھوٹے کھلونوں سے دل بہلاؤں)۔ اس نظر نے وہ زاویہ دیکھا جو حقیقت شناسا تھا اور اس آمنے سامنے (Face to Face) کے زاویہ نے شیر کو اُس کی اصلیت اور اُس کا مقام بتا دیا۔ ہم اپنا دل لذت کے جھوٹے کھلونوں سے بہلا رہے ہیں اور حقیقت کو 359 زاویوں میں تلاش کر رہے ہیں حالانکہ یہ ہمیں حقیقت سے دور لے جاتے ہیں۔ حقیقت شناس زاویہ (Face to Face) ہمیں میدان میں آنے کی دعوت دیتا ہے اس زاویہ کیلئے ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر تمام دوسرے غلط زاویوں کی نفی کرنا ہوگی۔

اپنے اندر کے کھیت میں ہل چلانا ہو گا اور اپنے ذہن کی زمین (Hard Disk) کو تیار (Format) کرنا ہو گا کیونکہ جب بھی کوئی عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو پہلے اسکی بنیادیں کھودی جاتی ہیں اور ہر نئی فصل اُگانے کیلئے ہل چلانا پڑتا ہے اور اگر سچ پوچھیں تو حقیقت کے چشمے سے سیراب ہونے کیلئے ''لا'' (No) یعنی نفی اور ہر شے سے انکار (Reset) کرنا توازل سے سلامتی کے مذاہب کی اساس رہی ہے کیونکہ تمام خودرو جنگلات چاہے کتنے ہی بھلے معلوم کیوں نہ ہوں مگر اصل حسن تو ان باغات میں ہے جو انسان نے زمین پہ محنت کر کے اُگائے ہیں جیسے پانی اپنی حدوں سے باہر نکل جائے تو سیلاب بن جاتا ہے اسی طرح ہمارے اندر کی لامحدود طاقت انسان کو درندہ بھی بنا سکتی ہے اور یہ معصوم صورت درندہ زندگیوں کیلئے فنا بن جاتا ہے۔ انسان کے اندر (ذہن) کی طاقت صرف اور صرف ''خیال'' (Thought) میں پنہاں ہے اور یہ اس پانی کی طرح ہے جو لطیف (ہلکا) ہو جائے تو عرش (آسمانوں) کا رُخ کرتا ہے اور اگر بے قابو ہو جائے تو تباہی و بربادی (خون خرابہ) کا باعث بنتا ہے اور اگر کسی جگہ رُک جائے تو بے چینی (Tension) اور ڈپریشن کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ کائنات کی تسخیر کی کنجی (Key) بھی اسی خیال کی طاقت کے مرہون منت ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قوتِ خیال

قدرت ہمیں معاملاتِ زندگی میں سے گزرنے پر مجبور کرتی ہے گرچہ ہم جتنا مرضی جمود میں رہنے کی کوشش کریں۔ ہر مثبت اور صحیح سوچ رکھنے والا شخص نہ صرف معاملاتِ زندگی میں پرجوش اور متحرک (Dynamic) ہے بلکہ اپنی ترقی، کامرانی اور ذہنی پیش رفت کو بھی قدرتی انداز میں رکھنا پسند کرتا ہے جبکہ پیش رفت صرف اور صرف تصورات، خیالات، عوامل اور حالاتِ زندگی کی بہتری کے مرہونِ منت ہے جو کہ نتیجتاً ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا تخیل (خیال، Thought) کے تخلیقی مراحل کا مطالعہ اور ان کا زندگی کے اعلیٰ مقاصد کا استعمال ہمارے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ خیالات (دقیق تا ارفع Alpha and the Omega) کا ابجد (Alphabat) بنانے کے لیے الہامی اور فلسفیانہ ذرائع ہمارے لیے عظیم سچائی (حقیقت) تک رسائی کا موجب بنتے ہیں جبکہ انسانیت اِس اکیسویں صدی میں بڑے زور و شور سے ''حقیقت کی تلاش'' میں ہر وہ راستہ افشا کرنے پر تلی ہوئی ہے جو کہ کسی بھی طرح سے اس تک پہنچنے کا موجب بنے۔ خیال کے بارے میں علم وہ طریقہ کار واضح کرتا ہے جس کے باعث انسانی زندگی کے ارتقائی اور تسلسل کے عمل میں بلندی اور تیزی آتی ہے۔

؎ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

جب انسانی سوچ کسی بند گلی میں جا کر رک جاتی ہے اور کوئی راستہ نہیں ملتا تو

انجام خاتمہ! علم ہی انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے یہ انسانی شرف و معراج صرف علم کی وجہ سے ہے۔ علم کی روشنی جہاں آجائے وہاں تاریکی ختم ہو جاتی ہے، ذہن انسانی جس کی حیثیت انسانی سلطنت میں بادشاہ سلامت کی ہے، اسکی مرغوب غذا ہی علم ہے جسکی بدولت وہ پھلتا پھولتا ہے اور سلطنت کے معاملات کو چلاتا ہے۔ اگر حضرت انسان اپنے ذہن کو علم سے محروم رکھے گا تو یہ کسطرح سے ممکن ہے کہ وہ معاملات زندگی پر اپنی گرفت کر سکے؟ علم کی بہت سی شاخیں ہیں جو انسان کی زندگی میں عروج و ترقی کا باعث بنتی ہیں، اگر اچھا کاروبار کرنا ایک فن ہے تو اچھا لکھنا اور اچھا بولنا بھی ایک فن ہے اسی طرح اگر تعلیم و تربیت میں شاندار کامیابی بھی ایک فن ہے تو اچھا کھیلنا بھی ایک فن ہے۔ اب اگر ہم زندگی کے سارے علم و فنون کو حاصل کر لیں جو کامیابی و کامرانی کی طرف لے جاتے ہیں مگر زندہ رہنے کا فن نہ سیکھیں تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟ جمادات (Minerals, Stone بے حرکت کوئی نشونما نہیں، کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ ہی کوئی سمجھ بوجھ)، نباتات (Plant نشونما تو ہے مگر کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ ہی کوئی سمجھ بوجھ) اور حیوانات (Animal سب کچھ ہے مگر محدود سمجھ بوجھ اور جبلت کے باندھے ہوئے) اور ایک ہم اللہ تعالیٰ کی شاندار مخلوق جسے ارادہ (Freedom of Choice) اور خود مختاری دی گئی ہے اور ہم جبلت کے بھی غلام نہیں جبکہ ہمیں عقل جیسے انعام سے نوازا گیا ہے کہ جو علم کی روشنی میں دیکھتی ہے اور علم وہ نور ہے جو ہمارا رابطہ ہماری خودی (میں، Self) اور کائنات کی حقیقت سے کروا دیتا ہے۔

تخیل ہمارے لیے بہتے پانی کی مانند ہے اگر حدوں میں رہے تو لازوال طاقت ہے اور اگر حدوں کو توڑ دے تو طوفان جبکہ یہ طوفان ناقابل تسخیر معلوم ہوتا ہے لیکن اگر آپ اس کا راستہ تبدیل کرنے کا طریقہ جانتے ہیں تو آپ اس کا رُخ موڑ سکتے ہیں اور اس کو کارخانوں میں لے جا کر وہاں اس کی قوت کو حرکت، حرارت اور بجلی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ آپ تخیل (خیال) کو گھر بیٹھا دیوانہ بھی کہہ سکتے ہیں یا پھر بے سدھ گھوڑے سے بھی وابستہ کر سکتے ہیں جس کی نہ لگام اور نہ ہی باگیں، ایسی صورت میں سوار اس کے رحم و کرم پہ ہے کہ جہاں وہ چاہے اس کو کسی کھائی میں گرا کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے لیکن اگر سوار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھوڑے کو لگام دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو حالات بدل سکتے ہیں۔ اب یہ گھوڑا (تخیل) اپنی مرضی سے کہیں نہیں جاتا بلکہ سوار جہاں چاہے گھوڑے کو وہاں لے جانے پر مجبور کردیتا ہے۔

مائنڈ سائنس (Mind Science) اکیسویں صدی کی اختراع ہے جبکہ تخیل (Thought) کو اب ایک بالیدہ شعور سے پالا پڑا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب ہر خیال آپ سے پوچھ کے آپ کے پردہ اسکرین پر ظاہر ہوگا اور یہی انسانی ذہن کا کمال ہے کہ وہ اپنے تخیل پہ حکمرانی کرے۔ حقیقت شناس زاویہ (Face to Face) ہمیں میدان عمل میں آنے کی دعوت دیتا ہے اس زاویہ کیلئے ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر تمام دوسرے غلط زاویوں کی نفی کرنا ہوگی۔ اپنے اندر کے کھیت میں ہل چلانا ہوگا اور اپنے ذہن کی زمین (Hard Disk) کو تیار کرنا ہوگا کیونکہ جب بھی کوئی عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو پہلے اسکی بنیادیں کھودی جاتیں ہیں اور ہر نئی فصل اُگانے کیلئے ہل چلانا پڑتا ہے اور اگر سچ پوچھیں تو حقیقت کے چشمے سے سیراب ہونے کیلئے ''لا'' وہ صرف ہمارے خیالات (تخیل) ہیں اور انکو اپنی مرضی کے مطابق کردار ادا کرنے کا پابند کرنے میں ہی آپ کی لازوال طاقت پنہاں ہے مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آپ اپنے بارے میں مکمل معلومات نہ رکھتے ہوں۔

اگر ایک طرف مراقبہ کے عمل سے تخیل منظم (Organized) شفاف (Refined) ہوتا ہے اور تقویت (Amplify) پکڑتا ہے تو دوسری طرف (اس عمل سے پیشتر) ذہن کو اس تمام آلودگی اور بے سروسامانی کے ماحول سے پاک کرنا بھی ضروری ہے تا کہ زمینِ ذہن پہ اُگی ہوئی تمام جڑی بوٹیاں (بے لگام خیالات) وقت کے سورج کی روشنی میں خود بخود دفنا ہو جائیں۔ جیسے آپ نیا کمپیوٹر تیار کر رہے ہوتے ہیں تو سب سے پہلے ایک ہارڈ ڈسک (Hard Disk) کو تیار (Format) کرتے ہیں تا کہ وہ کسی بھی نئے پروگرام کو ذخیرہ (Save) کرنے کے قابل ہو جائے اور پھر سب سے پہلے Operating System (قاعدہ وقانون) کا پروگرام انسٹال کرتے ہیں تا کہ [illegible] Application

پروگراموں کو چلانے کی قابلیت ہو جائے۔ تحلیل نفسی (Psychothrapy) بھی اِسی عمل کا تسلسل ہے یا پھر محاسبہ ذات بھی یہی طریقہ کار وضع کرتا ہے جبکہ ندامت (Repent) بھی ایک ایسا ہی عمل ہے جو نہ صرف گناہوں کی دھلائی کا کام کرتا ہے بلکہ انسانی ذہن کی غلاظتوں کا بھی قلع قمع کرتا ہے اور کبھی کبھی Confession (اقرار گناہ) اور آزاد گوئی (Free Speaking) کے ثمرات بھی کسی طرح بھی اِس معاملہ میں پیچھے نہیں۔

میں آپ کو ایک انتہائی آسان دلچسپ اور اچھوتا طریقہ کار بتاتا ہوں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے ذہن میں خیالات کی بھرمار یا پھر اشتعال ودیگر تمام عوامل سے نہ صرف پرے رکھے گا بلکہ ذہن کو جلا بھی بخشے گا۔ اس چھوٹی سے مشق (Exercise) کے بعد آپ نہ صرف اپنے آپ کو انتہائی مختلف پائیں گے بلکہ آپ کے شعور کی بہتی ہوئی رو کی طاقت کا آپ کو اندازہ بھی ہوگا اور اس کے ثمرات سے استفادہ بھی حاصل کر سکیں گے، علاوہ ازیں یہ مشق آپکے اندر کے تمام دشمن جو آپ کو بھی سانپ کیطرح ڈستے ہیں (جسمانی بیماریاں) تو کبھی دیمک کی طرح چاٹتے ہیں (ذہنی بیماریاں)، انکو جڑ سے نکال باہر پھینکے گی جیسے اگر آپ کسی بند کمرے میں داخل ہوں اور اندھیرے میں آپکا ہاتھ کسے لٹکتی ہوئی رسی سے چھو جائے تو آپ کو فوراً سانپ کا تصور ہوگا اور ڈر جایں، دہشت زدہ ہو جائیں گے مگر کمرے میں روشنی ہوتے ہی آپ کو اپنے آپ پہ ہنسی آئے گی کہ جسکو میں سانپ سمجھتا رہا وہ تو صرف ایک بے ضرر رسی ہے، یہ کچھ اسی طرح کا عمل ہے جبکہ اس مشق کے فوائد تو بے شمار ہیں مگر آزمائش شرط ہے، اگر آپ میں فیصلہ کرنے کی طاقت کا فقدان ہے یا پھر کسی واقعہ کو بھولنا چاہتے ہیں مگر بھول نہیں پاتے، اور یا پھر ذہن کی ہنڈیا میں تخیل کا جوش آتا ہے (ہائی بلڈ پریشر) اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، یا ذہانت کی کمی ہے اور سستی کا شکار ہیں، غرض معاملہ ہو کوئی بھی، صرف دس منٹ روزانہ (تسلسل کے ساتھ) آپ آزادانہ لکھیں یعنی ایک کاغذ اور پنسل لے لیں اور بغیر سوچے سمجھے لکھنا شروع کر دیں مگر یاد رہے کہ اپنے ذہن کی بہتی رو کو روکنے کی کوشش نہ کریں بلکہ جو کچھ بھی ذہن میں آئے بلا سوچے سمجھے لکھتے چلے جائیں اور اگر لکھنے کو دل نہ چاہ رہا ہو تو آڑھی ترچھی لکیریں ہی کھینچتے چلے جائیں۔ لکھائی خود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بخود ہی شروع ہو جائے گی۔غرض کچھ نہ کچھ لکھتے جائیں خواہ اس میں لکھی ہوئی باتیں آپ کو شرمندہ ہی کیوں نہ کریں اپنے ذہن کے بے ہنگم شور کو کاغذ پر منتقل کریں اور صرف تین سے چار ہفتے کی مشق کے بعد انقلابی تبدیلی آپ کو ہستی کے نئے میدان میں لے آئے گی جبکہ آپ کا ذہن خیالات کی بھرمار اور بے ہنگم بہاؤ سے پاک ہو چکا ہوگا اور آپ کے ذہن کی زمین ذرخیز ہو چکی ہوگی۔اس ساری مشق کے تسلسل میں جو تحریر آپ لکھیں برائے مہربانی اس کو ساتھ ساتھ پڑھتے بھی جائیں اور ایک جگہ جمع کرتے رہیں مگر کسی دوسرے کو پڑھنے کی ہرگز اجازت نہ دیں کیونکہ ان تحریروں میں آپ کا ذہن کھلی کتاب کی طرح موجود ہے جس کو کوئی بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے صرف آپ اُن کو ملاحظہ کریں اور آخر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں یا دریا برد کر دیں البتہ اگر آپ اپنے لیے کسی شخص کو شفیق اور رہنما سمجھتے ہیں تو اسکو دکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس سے آپ کو اپنے بارے میں جاننے اور بہتری لانے کا موقع ملے گا جبکہ ان مشقوں کے باعث آپ اپنا ذہنی ماحول (Mind Set) تو تبدیل کر ہی چکے ہیں اور اب آپ کا ذہن شعور کی حد (Focus) میں آچکا ہے۔مراقبہ سے قبل اس مشق کا کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا کسی کھیت میں بیج لگانے سے پہلے ہل چلانا ،اگر آپ کسی طرح کی رہنمائی کے خواہشمند ہیں،تو آپ رابطہ کر سکتے ہیں۔

مائنڈ سائنس اور اسماء الحسنیٰ

راز جو ازلوں سے پنہاں رہا اور ہر دور کے دانشور اسکی تلاش میں سرگرداں رہے مگر اس کی حقیقت سے پردہ اٹھانے والے بہت کم لوگ ہوئے۔وہ راز اگر کسی دنیا کے متلاشی نے حاصل کیا تو اس کو دفن کر گیا، کسی نے اس کی حرص کی اور کوئی اس پر طاقت سے غلبہ پانے کا خواہشمند رہا اور وہ سربستہ راز صدیوں سے عالم انسانیت کیلئے موضوع تجسس بنا رہا۔اس کو پانے کی تگ و دو میں انسان نے نہ جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھائیں مگر ماسوائے چند ایک خوش نصیبوں کے کسی پہ بھی آشکارہ نہ ہو سکا۔حیرت کی بات ہے کہ اس راز کے کرشمے اکثر انسانی زندگی کا حصہ بنتے رہے مگر انسان آج تک اس گتھی کو سلجھا نہ پایا۔اس تگ و دو میں نہ جانے کتنی زندگیاں صرف ہوئیں؟

اگر کسی کو اسکا ادراک نا آشنائی کے دور میں ہوا تو وہ حیرت کے سمندر میں غرق ہو گیا اور کوئی نظارہء جاناں سمجھ بیٹھا مگر آشنائی کی لذت کا کیا کہنا جسکی منزل بھی واضح اور سفر بھی خوب کہ ہر شے کی حقیقت کی سوجھ بوجھ بھی آسان ،اس پہ آشکارہ ہوا تو اس نے دلوں پر بلکہ زندگیوں پر حکومت کا سماں باندھ دیا اور باقی خالی ہاتھ رہ گئے۔کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس حقیقت کا اظہار ازل سے ادیان سلامتی کرتے آئے ہیں مگر انکو اہمیت دینا اور زندگیوں میں شامل کرنا تو کجا، بند اک مقدس طاق میں رکھ دیا اور کھول کر سمجھنا گوارہ نہ کیا گیا۔اس راز کو سمجھنا ہی اس کے آشکار ہونے کیلئے کافی ہے۔اس تیز رفتار زندگی کی دوڑ جسکی منزل اسکے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھاگنے والے خود کو بھی معلوم نہیں کیا ہے؟ اگر اسے ستانے کے کچھ لمحے ملیں تو کسی اور طرف بھی توجہ دے۔ اس حقیقت سے نا آشنا لوگ ناکامیوں اور نفرتوں کے سانپوں میں گھرے رہے، کبھی صبح ڈسے جاتے اور کبھی شام کو مگر پھر بھی نہیں سمجھ سکے۔

اب جبکہ سائنسی انکشافات نے ذہن کے بند دریچے کھولنے شروع کر دیئے اور ذہنی پستی کی آنکھیں چکاچوند کر دیں مگر عقل سے عاری پھر بھی اپنی زندگی کے راستے متعین کرنے سے قاصر رہے۔ کوانٹم فزکس، میٹا فزکس اور روحانیت کے موضوعات اب قلابیں ملانی شروع کر چکے کیونکہ سچائی ازلوں سے ایک ہے، ہر سچائی کے متلاشی کی منزل ایک ہوتی ہے مگر اصل راستہ تو وہی اچھا ہے جو کم از کم وقت میں طے ہو؟ آج کا دور پتھروں کا دور نہیں مگر پھر بھی کچھ پتھر موجود ہیں جو سچائی سمجھنا نہیں چاہتے، ایک انسان کی نظر اب محدود نہیں رہی بلکہ لامحدود ہے حتیٰ کہ وہ گھر بیٹھے نہ صرف اس کی رسائی کرہ ارض تک محیط ہے بلکہ کہکشاؤں کی خبر رکھتا ہے اور سارے یہ کمالات اس کی دسترس میں ہیں جو علم نافع سے فیض یاب ہے۔ انسانی کمالات کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس نے قوانین قدرت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اپنی سوچوں کی نہج کو ان سے ہمکنار بھی کیا اور انسانیت کیلئے عظیم راہنما اور محسن ثابت ہوئے۔ اگر آج ہم کسی تپتی اور آگ برساتی دھوپ میں ایک راحتوں، سہولتوں سے بھرے ٹھنڈے کمرے میں بیٹھے ہیں تو کس کے باعث؟ آج اگر ہم صدیوں پر محیط فاصلے چند گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں تو کیسے؟ آج اگر اذیت میں مبتلا کوئی فرد اپنی تکلیف سے بچ کر صحت کی طرف لوٹتا ہے تو کیسے؟ اس مسیحائی کا صلہ کس کیلئے؟

آیئے آج اس رازِ عظیم کے گل فشانیوں سے پردہ اٹھائیں اور زندگیوں کو اس لذت آشنائی کی مہک سے لبریز کر دیں۔ اس پنہاں راز کو آشکار کرنے میں لاتعداد انسانی زندگیاں صرف ہو گئیں مگر کبھی تو معمولات زندگی نے اسے نظروں سے اوجھل رکھا اور کبھی تفکرات بے معنی اس پر چھائے رہے۔ یہ ایسا راز ہے کہ اسکا افشاں ہونا انسانی زندگی میں ایک نئی کھڑکی، ایک نیا چینل کھلنے کے مترادف ہے۔ یہ ایسا بیج ہے اگر انسانی ذہن میں بو دیا جائے تو کائنات کی تمام خوبصورتیاں اور کامیابیاں ہاتھ باندھے استقبال کیلئے کھڑی ہوں۔

ایک طرف اگر انسانیت اذیت کے دور سے گزر رہی ہے اور تو دوسری طرف کچھ لوگ سکون کی لذتوں سے مالا مال بھی ہیں، جنکو اپنی حاصل کی ہوئی دولت کو انسانیت کی خدمت کیلئے پیش کر دینا چاہیئے، اور یہی طریقہ ہے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا کہ دوسروں کو بھی ان میں شامل کرے۔ ورنہ اکثر اوقات حقیقت کے متلاشی اپنی کم علمی کے باعث مافیا کی بھینٹ چڑھ جاتے جو ازلوں سے انسانیت کا دشمن اور شیطانیت کا دوست رہا ہے اور ایک ایسے راستے پہ چلا دیتا ہے جسکی منزل سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔ میری تحریروں کے موضوعات بھی زیادہ تر ایسی کٹھن راہوں پہ چراغ جلانے کی ایک کوشش ہے۔

ایک اور طبقہ بھی انسانیت کی جڑوں میں زہر گھول رہا ہے جسکا محور صرف ناکامیوں اور دکھوں کو لذیذ بنا کر پیش کرنا اور اس چنگل میں پھانسنا ہے جبکہ اس مکتبہ فکر کی راہ مایوسیوں کا گرداب ہے اور بے نشان منزل کا شاخسانہ ہے اور نتیجہ میں حاصل بھی کچھ نہیں۔ جبکہ اچھے نصیب کے متلاشی لوگ ناکامیوں اور نفرتوں کی شاموں میں اپنے آپ کو ایسے گرداب میں پھنسا لیتے ہیں اور جب اس سے نکلنے کیلئے جتنے ہاتھ پاوں مارتے ہیں اور اتنا گہرا دھنستے چلے جاتے ہیں اور اپنے قیمتی آنسو کسی فضولیت کی راہ میں بہاتے ہیں۔ ناکام زندگی سے ہمکنار رہبر اپنی ناکامیوں کا خوبصورت جواز بناتے ہوئے اسے شیشے کے محل میں بٹھا کر کبھی شعر اور کبھی نثر میں الفاظ کے کھیل کھلواڑ کرتے انسانیت کو ڈس رہے ہیں، مگر ان کے اس چنگل سے دوری کیلئے لذت آشنائی ایک نسخہ کیمیا سے کم نہیں۔ آیئے ایک ایسی لذت سے آشکار ہوں جو صدیوں پر محیط ہے۔ بیشمار آفاقی حقیقتوں سے ہمکنار ہونے کیلئے اپنے ذہن کے دریچے کھول دیں اور اپنی توانائیاں خوامخواہ ضائع ہونے سے بچانے کیلئے اپنی راہوں کو روشنی کے قمقموں سیراب کر لیں تاکہ کوئی بھٹکا مسافر بھی ان راہوں پہ آ جائے تو اسے اپنی منزل کے نشاں مل جائیں۔ اور ان قمقموں کی روشنی میں شعوری پستی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسکو پچھاڑ دیں کہ کبھی بھولے سے بھی ان راہوں کی مسافر نہ بنے۔ پوری طرح متوجہ ہوں اور چند لمحوں کیلئے زندگی کی دوڑ کو ٹھہرا دیں کہ اک مقام آگاہی کا گزر ہے اور سیراب ہونا ہے۔ اگر کہیں بے خبری سے گزر گئے تو اس کی تلافی ممکن نہیں۔ جی!!! اچھی طرح سے سمجھیں اور ذہن میں نقش کر لیں کہ ہم روزانہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جانتے نا جانتے ہوئے کسی بھی کمپیوٹر کی طرح پروگرام ہوتے رہتے ہیں اور ہر وہ بات جو سمجھ آجائے وہ ذہن انسانی کا حصہ بن جاتی ہے اور یہی وہ لمحے ہیں جو محفوظ ہو رہے ہوتے ہیں جبکہ اکثر ہم اس سے نا آشنا رہتے ہیں۔ اب آپ پوچھیں گے کہ ہمارے ذہن کونسے قانون اور قاعدے کے تحت یہ اثرات قبول کرتے ہیں یا پروگرام ہوتے ہیں؟ تو اسکا جواب ہے ہمارے عقائد اور یقین ہیں جنکے بل بوتے ہمارے ذہن تیار ہوتے ہیں یعنی جو کچھ ہم اخذ کرتے ہیں اسکا دارومدار ان پہ ہوتا ہے۔ مگر آج آپکو ایک نئے زاویئے سے اس پہلو سے آشنا کرتا ہوں۔ وہ پہلو کہ جسے آج جدید سائنس کے حوالے سے بھی دیکھا جا رہا ہے، جسے زندگی کی کامیابیوں سے ہمکنار لوگوں کی زندگی پہ لکھے گئے حالات میں سے بھی تلاش کیا جا رہا ہے، جسے صرف خواص کے سوچنے کے انداز میں بھی تلاش کیا جا رہا ہے، کتابوں پہ کتابیں لکھی جا رہی ہیں مگر اسکی بھول بلیاں کبھی کبھی شعوریت کے دائرے میں محدود رہتی ہیں۔

اس فطرت کا حسین شہکار اور راز جو آشکار ہونے کو ہے، وہ ہے قدرت کا قانون جاذبیت، قانون کشش، قانون مقناطیسیت، جس کا عمل دخل نہ صرف انسانی زندگی کے ہر لمحہ پر محیط ہے بلکہ اس کائنات کے کا ذرہ ذرہ اس میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے ذہن جو کچھ ہمارے لئے محفوظ کرتے رہتے ہیں ہماری زندگی اس سے براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ یعنی ہم اپنی زندگی کو یا تو کامیابیوں کے راستے پہ ڈالتے ہیں یا پھر ناکامیوں کے جو صرف اسی کے باعث ہے جو ہم پہلے سے ہی ذہن کا حصہ بنا چکے ہوتے ہیں۔ یعنی ہمارے ذہن میں بسے رہنے والے وہ خیالات جو ہم فراموش نہیں کر سکتے وہی چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے ہماری زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ قدرت کا قانون کشش اس طرح سے کام کرتا ہے جیسے بہتے پانی کو معلوم ہے کہ بلندی سے نیچے کیطرف بہنا ہے، جیسے سیب کی بیج کو معلوم ہے کہ میرے ساتھ آم نہیں لگ سکتا۔ آج اگر آپ کو یہ راز معلوم ہو گیا تو یقین جانے زندگی کسی سایہ دار درخت کی گھنی چھاؤں میں آجائے گی۔ ہماری انفرادی زندگیاں اکثر مسائل میں الجھی رہتی ہیں اور ہم سمجھ نہیں پاتے کہ الجھنیں سلجھ کیوں نہیں رہیں، اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ مسائل اور پریشانیوں کا حل کس طرح سے ہو سکتا ہے تو یقیناً ہم لذت بیکراں سے ہمکنار

ہو جائیں گے۔ کوشش کروں گا کہ ان کیفیتوں کو الفاظ کے احاطہ میں لے آؤں جن کے باعث زندگی قرار پائے۔ آج دنیا کے بہت سے خطوں میں انتہائی خاص اور مہنگے سیمینار میں اگر شمولیت کا موقع ملے تو پتہ چلے گا کہ اس قانون قدرت کو کس طرح سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے طریقے بتلائے جاتے ہیں، اگر دولت مند ہونا چاہتے ہیں تو اپنے اندر ذہن کا دولت مندی کا تھرموسٹیٹ بحال کریں اور اسکو سو درجہ پہ لیجائیں۔ اگر لوگ آپ سے نفرت کرتے ہیں تو اپنے اندر محبت کا بیج بو دیں کیونکہ اندر کے خیالات کسی بھی مقناطیس کی خصوصیت سے کم نہیں۔ ہماری زندگیوں کے راستے ہمارے ذہن میں بیٹھے ہوئے خیالات کے مرہون منت ہیں، جیسی سوچ ہوگی ویسے ہی حالات سے واسطہ رہے گا۔ اور اگر کوئی اپنے اندر نفرت، کدورت، کینہ اور لالچ پالے ہوئے ہے تو کیا خیال ہے اسکے اثرات بدل سکتے ہیں؟ اور پھر شکوہ کریں کہ ہماری قسمت ہی ایسی تو کیا خیال ہے کی ہم صحیح کر رہے ہیں؟ مائنڈ سائنس کی تحقیقات اور طریقہ کار میں جو عوامل شامل ہیں ان میں بھی اس بات کو اہمیت حاصل ہے کہ انسانی ذہن ایک مقناطیس کیطرح سے کام کرتا ہے اور ہر وہ شے اپنی طرف کھینچتا ہے جس کا عکس پہلے سے ہی اس کے اندر موجود ہو۔ لہٰذا آپ پہلے اس سے آگاہ ہوں کہ آپ کے ذہن میں کونسی ہنڈیا پکتی رہتی ہے کیونکہ اسی کا پکا آپ نے کھانا ہے!!!!

ایک چھوٹی سی مشق حاضر ہے جو پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ کر دے گی اور صرف چند لمحوں میں حقیقت کھل جائے گی مگر کچھ نئی حقیقتوں سے بھی آشکار کر دے گی کہ اس وقت آپ کس ڈگر پہ چل رہے ہیں، آیا اپنے لیے خوشیاں اکٹھی کر رہے ہیں یا پھر مسائل بڑھا رہے ہیں۔

ایک کاغذ لے کر اس کے درمیاں میں ایک متوازی، عمودی لکیر کھینچیں اب دو کالم کے اس کاغذ پر دائیں طرف وہ کچھ لکھیں جو آپکو ناپسند ہو، ناپسند خیالات، ناپسند باتیں جن سے آپ اپنی زندگی کو دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بائیں کالم میں وہ باتیں، خیالات جو آپ کو پسند ہیں اور آپ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ لکھنے کے بعد دیانت داری سے موازنہ کریں کہ سارا دن، یا عموی طور پر، یا غیر ارادی طور پر کونسی باتیں، خیالات آپکے ذہن پر محیط رہتے ہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب موازنہ کریں کہ قدرت کا کشش کا قانون ہماری زندگیوں پہ کسطرح سے محیط ہے؟ اگر ہم ہر وقت وہ باتیں اور خیالات اپنے ذہن پہ طاری رکھتے ہیں جن کو ہم اپنے لئے پسند نہیں کرتے یا پھرنا چاہتے ہوئے ان میں الجھے رہتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے لئے خوشحالی، صحت اور سکون تلاش کرسکیں جو کہ ہمارے پاس آنے کیلئے ایک طریقہ کار سے وضع ہوچکا؟

یعنی جیسی سوچ وفکر میں مگن ہونگے ویسے ہی حالات سے پالا پڑے گا، لہٰذا اپنے آپ کو محبت، ہمدردی، الفتوں اور مثبت سوچوں سے سیراب کردیں تا کہ وہی کچھ ہمیں زندگی واپس لوٹا سکے۔ یہی وہ بیج ہیں جو اپنا پھل دیئے بغیر رہ نہیں سکتے۔ جایئے اور کسی بھی چمن کی راہ لیجئے اور ذرا دیدہ دل وا کرکے چمن کا نظارہ کیجئے جو قدرت کے اس شہکار کا شاندار نظارہ پیش کررہا ہے۔ ایک ہی جیسی زمین پر ایک ہی جیسے ماحول میں کہیں گلاب ہے تو کہیں نرگس اور کہیں موتیا، اور کہیں آم، اور کہیں سیب اس بات کی گواہی سے رہے ہیں کہ ہم تو صرف اک اظہار ہیں اپنے اس بیج کا جو اس زمیں میں بویا گیا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ گلاب کے ساتھ نرگس لگے اور موتیے کے ساتھ سورج مکھی، تو ہم کس راہ کی تلاش میں ہیں؟

آج اگر کوانٹم فزکس، میٹا فزکس شعوریت کی جھل ملوں میں کامیابی، صحت اور سکون تلاش کرنے میں سرگرداں ہوکر آشکار کرتی ہے کہ انسان جس سوچ کو ذہن میں بٹھا کر زندگی کی تگ ودو کرے گا نتیجہ میں وہی حاصل ہوگا جس سوچ کا بیج بوچکا ہوگا، تو اللہ کی رحمت اور مہربانی کا اندازہ کریں کہ اس نے ہمیں سوچنے کے انتہائی اعلیٰ رستے بتا دیئے کہ درحقیقت تمام توانائیوں، کامیابیوں، صحت اور سکون کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے، وہیں سے ہر شے کی بازگشت آتی ہے۔ جبکہ اللہ نے اپنے بہت سے خوبصورت نام بھی بتائے ہیں یعنی اس ذات تک رسائی کیلئے اسکے پہلو، اب اگر ایک انسان محبت کے چینل کو اپنے لیے کھولنا چاہتا ہے تو ''الودود'' کے چینل سے اپنا ناطہ جوڑ لے، اور اگر صحت وسلامتی کا متلاشی ہے تو اسکے لئے ''السلام'' کا راستہ اپنا لے۔ سبحان اللہ!!! یعنی ایک مرکز سے فیض یاب ہونے کے مختلف زاویئے بتائے ہیں پھر ایک بار اللہ کا شکر ادا کریں جو ''الرزاق'' بھی ہے ''التواب'' بھی ہے اور ''الرحمٰن'' بھی۔

مراقبہ اور لذت آشنائی

مراقبہ دراصل اپنی ذات سے شناسائی کا عمل ہے، مراقبہ اپنے ذہن کی نفی کا نام ہے کہ جب انسان اپنے ذہن اور علم کی نفی کرتا ہے، "لا" کہتا ہے تو اسکی توجہ اپنی میں، یعنی خودی سے ہمکنار ہوتی ہے؛ جبکہ میں اور شعوریت کے احساس کی نفی پر اسکی توجہ اپنے معبود کی طرف جاتی ہے اس طرح اپنی ذات سے آگاہی اور رب کی پہچان کیطرف گامزن ہوتی ہے۔ آج کوانٹم نظریات اور مائنڈ سائنس کے دور میں تجربات سے یہ اخذ کرلیا گیا ہے کہ یہ زندگی توانائی کے تسلسل سے بہاو کا نتیجہ ہے جبکہ انسانی توجہ کے ساتھ اسکا گہرا تعلق ہے۔

مراقبہ، جس کی انگریزی عام طور پر meditation کی جاتی ہے اور اگر اس متبادل کو ہم پلہ برائے لفظِ مروجہ عربی، فارسی اور اردو تسلیم کرلیا جائے تو پھر مراقبہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ؛ مراقبہ ایک ایسی عقلی تادیب (discipline) کا نام ہے کہ جس میں کوئی شخصیت ماحول کے روابطِ حیات سے ماوراء ہوکر افکارِ عمیق کی حالت میں چلی جائے اور اندیشہ ہائے دُورودراز سے الگ ہوکر سکون وفہم (awareness) کی جستجو کرے، یعنی یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فکرِ آلودہ سے دور ہوکر فکرِ خالص کا حصول مراقبہ کہلاتا ہے۔

اصطلاح میں مراقبہ، عربی لفظ رقب کی اصل الکلمہ سے مشتق لفظ ہے جس کے معنی عادی طور پر دیکھنے، توجہ دینے وغیرہ کے آتے ہیں اور اسی سے اردو میں راقب اور رقیب کے الفاظ بھی ماخوذ کیے جاتے ہیں۔ مراقبہ کا لفظ اس اصل الکلمہ کے اعتبار سے اپنے ذہن کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گہرائیوں میں دیکھنے یا اپنی عقل کو دیکھنے کے قابل بنانے کے تصور میں لیا جا سکتا ہے۔

وضاحت:

مراقبہ انسان کا اپنی حقیقی خودی (Self-مَیں-ذات) کی طرف ایک گہرا سفر ہے جس میں ایک انسان اپنے اندر (باطن) میں اپنا اصلی گھر تلاش کر لیتا ہے آپ چاہے کسی بھی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے ہوں پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ۔ کسی بھی مذہب اور روحانی سلسلہ سے منسلک ہوں مراقبہ سب کے لئے ایک جیسا عمل ہے مراقبہ آپکی توجہ، آپ کے باطن کی طرف لے جانے کا موجب بنتا ہے جس کے باعث آپ کا ذہن سکون پہ مقیم ہو جاتا ہے اور اس طرح آپکی توجہ بھٹکے ہوئے شعور کی حدود سے نکل کر حقیقی مرکز سے مربوط ہو جاتی ہے۔ مراقبہ ذہن کی وہ طاقت ہے جو اسکو نورانی پہلو کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ باندھ دیتی ہے اس پہلو سے ذہن زندگی کا اعلیٰ مقصد آشکار ہوتا ہے مراقبہ کو آپ "نورانی علم" سے تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ یہ نور کے چشمہ سے کام کرتا ہے۔ حقیقی مراقبہ کا راز صرف ذہنی تصور کے ساتھ منسلک ہے جو اسکی ابتدائی اور انتہائی سطحوں پر کام کرتا ہے۔ مراقبہ علم کی وہ قسم ہے جو آپکی شخصیت، روح اور ذات کو آپس میں یکجا کر دے اور سب کو ایک نقطہ سے مربوط کر کے کثرت و دوئی سے آزادی کا احساس پیدا کر دے۔ مراقبہ ایک علمی تجربہ ہے جو ذہنی کشمکش سے خالی پن اور ظاہری زندگی کے مستقل نہ ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے۔ مراقبہ ایک عملی نمونہ ہے زندگی کو قریب سے دیکھنے پر اسکے ظاہری ناپائداری کے احساس کا۔ مراقبہ کو آپ ایک ذہنی ورزش کا نام دے سکتے ہیں۔ جس کے باعث وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اثرات نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جتنا زیادہ اس عمل کو کیا جائے گا اتنی زیادہ اس میں مہارت حاصل ہوگی۔ یہ اس طرح کا عمل ہے جیسے ایک باڈی بلڈر یا پہلوان جسمانی ورزش کے باعث اپنے جسم کو مضبوط و خوبصورت بناتا ہے۔ مراقبہ کرنے کی عادت سے باطنی اعضاء کی ورزش ہوتی ہے اور وہ قابل استعمال ہو جاتے ہیں۔

مراقبہ کا عمل اور تاریخ انسانی

اس زمین پر ظہور انسانی سے ہر دور کے لوگوں کا چند ایک سوالات سے واسطہ پڑتا

رہا ہے جیسا کہ اس کائنات کا بنانے والا کون ہے۔؟ زمین پر زندگی کا آغاز کیسے ہوا۔؟ زندگی کا مقصد کیا ہے۔؟ ہم کیوں پیدا ہوئے اور کیوں مر جاتے ہیں۔؟ آیا ان سب معاملات کے پس پردہ کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی ہے یا پھر سارا عمل خود بخود ہو رہا ہے۔ ہر دور کے لوگوں میں کائنات کے خالق کو جاننے کا جوش خروش پایا جاتا ہے۔

اکثر اوقات دیانتداری سے مسئلہ کو حل کرنے کی کاوش خود بخود ہی مسئلہ کو آسان بنا دیتی ہے۔ لہٰذا انہی خطوط پر چلتے ہوئے لوگوں میں معاملات زندگی کو سمجھنے کی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی۔ یہ جاننے کیلئے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے، لوگوں نے اس کائنات (آفاق) کی تخلیق سے متعلق تحقیق کرنا شروع کر دی اور کائنات کے راز کو جاننے کیلئے مختلف روش اختیار کی گیں۔ لوگوں کے ایک گروہ نے بجائے اس کے کہ زندگی کی حقانیت کو آفاق میں تلاش کیا جائے خود انہوں نے ایک دوسری روش اختیار کی۔ ان لوگوں کی سوچ تھی کہ اگر اس ظاہری کائنات کا کوئی خالق ہے تو انکے وجود (جسم) کا بھی کوئی خالق ہوگا؟ لہٰذا اس سوچ سے وہ بھی اس تخلیق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہیں، انہوں نے اپنی توجہ کائنات کے ظاہری وجود سے ہٹا کر اپنے وجود (نفس) کے اسرار کی کھوج میں لگا دی۔ اس طرح انہوں نے آفاق سے ہٹ کر مطالعہ نفس میں دلچسپی لی اور اپنی ذات پہ تجربات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا تا کہ اپنے اندر کے رازِ حقیقت کو سمجھا جائے اس طرح سے علم نورانی کے سلسلے نے وجود پکڑا یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ تمام تجربات انسان کے اپنے (Software) یعنی ذہن (MIND) پہ کئے گئے نہ کہ جسم پہ۔

انہوں نے اپنی توجہ اپنے اندر مرکوز کر دی جسکے نتیجہ میں نفوذ کرنے کے بہت سے طریقہ کار دریافت کیے تا کہ اپنے اندر کا سفر کر کے اس اکائی (جز) کو تلاش کیا جا سکے جو کہ ان کو اس کائناتی حقیقت سے مربوط کرتا ہے۔ اس کوشش نے علم نورانی (علم مراقبہ) کے عمل کو تقویت دی اور تمام طریقہ کار جو کہ مختلف طرح سے مراقبہ کے عمل میں نظر آتے ہیں وجود پائے، جس کا عمل دخل کم و بیش ہر مذہب کی اساس معلوم ہوتا ہے۔ آج مراقبہ کے عمل میں جو جدت اور انواع و اقسام کے طریقہ کار نظر آتے ہیں انہی لوگوں کے مرہون منت ہے جنہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اپنے نفس کو تحقیق کیلیے چنا۔ ان تحقیقات اور مراقبہ کی مختلف حالتوں میں لوگوں نے محسوس کیا کہ اس سارے نظام عالم وجود میں شعوری توانائی کا نفوذ اور منسلکہ رشتہ ہے۔ مراقبہ کی گہری حالتوں میں اب ہر فرد واحد کا واسطہ ایک اہم گہرا احساس دلانے والے وجود یعنی خودی (میں SELF) سے پڑا اور یہ اخذ کیا گیا کہ یہ جو سلسلہ کائنات میں توانائی کا عمل دخل نظر آتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک اعلیٰ حس آگاہی (Supreme Consciousness) ہے جس کا اس کائنات میں نفوذ ہے۔ اب ان تحقیقات مراقبہ او سائنس میں کبھی کبھی ہم آہنگی ہونے کے ممکنات موجود ہیں۔ اس فطرت کی ہر شے کچھ نہیں سوائے ایک مطلق حس آگاہی کے، یہ ایک اعلیٰ مطلق خبر آگاہی ہے جسکا ہر طرف نفوذ ہے۔ (یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ اس درجہ کے احساس خود شناسی پہ وحدت الوجود کا مغالطہ نہ ہو، اگلی کسی تحریر میں اس فلسفہ بھی بیان کردوں گا)۔ مراقبہ ایک عمل ہے جو اپنی گہری حالتوں میں کسی بھی شخص کیلیے وجود حقیقی سے روابط کا ذریعہ بنتا ہے۔

علم نورانی (مراقبہ)

مدتوں سے لوگ مراقبہ کو ایک انتہائی پراسرار اور مشکل موضوع سمجھتے رہے ہیں ہمیشہ بڑے بوڑھے اور فارغ لوگوں کو اس کا حقدار سمجھا جاتا رہا ہے۔ اب مراقبہ پر پوری دنیا میں سائنسی طریقہ کار کے تحت تجربات کر کے اخذ کر لیا گیا ہے کہ اس عمل سے انسانی ذہن اور جسم پر انتہائی اعلیٰ مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں جس میں تعلیم و عمر کی کوئی قید نہیں اب کوئی بوڑھا ہو یا جوان سب ہی مراقبہ کی کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں مزید برآں اب تو سکول و کالج میں مراقبہ کی تعلیم کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہوتی جارہی ہے کم و بیش پوری دنیا میں مراقبہ کی تربیتی کلاسز کا اجراء ہو چکا ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر اور صحتی ادارے اپنے مریضوں کو روزانہ مراقبہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مراقبہ جو کہ پہلے وقتوں میں صرف مذہب کا حصہ سمجھا جاتا تھا اب دنیاوی پیش قدمی کے علاوہ روزمرہ مسائل کے حل کے لئے بھی مرکزی حیثیت اختیار کر گیا ہے آج پوری دنیا میں ذہنی دباو کو کم کرنے اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے مراقبہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور اس کو آج کے وقت میں

انتہائی میسر آلہ قرار دے دیا گیا ہے جوں جوں معاشرہ میں اسکی آگاہی بڑھتی جارہی ہے نتیجہ میں انسانی بھائی چارہ اور عالمی اتحاد میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے جب زیادہ لوگ مراقبہ کی بدولت ذاتی شناسائی حاصل کرتے جائیں گے ان کو کائنات کی سچائی اور اصلیت کا قرب حاصل ہوگا اور نتیجتاً عالمی بھائی چارہ وجود میں آئے گا۔

عبادت اور مراقبہ میں فرق

عبادات میں اللہ سے بات کی جاتی ہے اور اپنا رابطہ ازل سے جوڑا جاتا ہے مگر مراقبہ میں اپنے باطن کی اتھاہ گہرائیوں میں جا کر اپنے اللہ کو سنا جاتا ہے اور کائنات کی حقیقت سے نا صرف شناسا ہوا جاتا ہے بلکہ مشاہدہ قدرت بھی کیا جاتا ہے۔ مراقبہ کا نصب العین (مقصد) صرف اور صرف آپ کے جسم، جذبات، اور ذہن کو یکجا کرتا ہے اور اس اعلیٰ درجے کی یکسوئی کا مقصد صرف اپنے باطن میں موجزن آگہی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہونا ہے یہیں سے کشف و وجدان کے دھارے پھوٹتے ہیں۔ اس طرح ایک انسان کا رابطہ کائنات کی اصل سے جڑ جاتا ہے اور علم و عرفان کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ کامیابیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور انسان پستی کے گرداب سے نکل کر ہستی کے نئے میدان میں آجاتا ہے جہاں ہر طرف بہار ہی بہار ہے۔ بہار بھی ایسی کہ خزاں نہیں ہوتی اور سوچ انسانی آسمان کی بلندی کو چھوتی ہے اور لذت بھی ایسی

؎ کہ جیسے روح ستاروں کے درمیاں گزرے

یہی زندگی کا موسم بہار ہے جسکے آجانے کے بعد ہر طرف کامیابیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور انسانی سوچ کا سفر ایک نئی سمت گامزن ہو جاتا ہے۔ جسکے سامنے ایک وسیع و عریض میدان عمل ہے اور یہاں کی سلطنت میں صرف آج کی حکمرانی جبکہ گذشتہ کل کی کسی تلخی کا دکھ نہیں اور آنے والے کل کی خوشیوں کا دور دورہ ہے۔ یہاں لذت و سرور کا وہ سماں ہے جو کہ دنیا کے کسی نشے میں نہیں اور خواب حقیقت کے روپ میں بدل جاتے ہیں جبکہ زندگی سوچوں کی تنگ و تاریک گلیوں میں دھکے کھانے کے بجائے روشن اور وسیع میدانوں میں سفر کرتی ہے۔ اب اس کا سفر کوئی سڑاند والا جوہڑ نہیں کہ جس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں وہ غوطے کھائے بلکہ ایک بحر بیکراں ہے جس کے سفینے صرف کامیابی، خشحالی اور سکون کی منزل تک لے جاتے ہیں۔

نفس، میں (مثلاً Egol,Self) اور مراقبہ

درحقیقت آپ صرف ایک احساس خودی (Self) ہیں اور یہ حس آگاہی ہے نہ کے آپکا ذہن، جسم یا پھر خیالات بلکہ اس مکمل شعوریت (خودآگاہی) ہیں جو کہ محسوس کرتی ہے اور شاہد بنی ہوئی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں کیا رول ادا کر رہے ہیں۔ یہ احساس خودی اپنی خاصیت کے اعتبار سے انتہائی پرسکون، ٹھہراؤ والا اور از سرنو زندگی بخشنے والا ہے۔ مراقبہ ایک خودی (Self) کو اپنے اندر جاننے کا عمل ہے، اس موقع پہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک فرد یہ کس طرح جان سکتا ہے کہ اس کے اندر خودی (Self) موجود ہے جو ان تمام واقعات و حالات کا مشاہدہ کر رہی ہے جو کہ ہمارا ذہن یا جسم اس زندگی میں کر رہا ہے۔ یہ بات یہاں تک واضح ہوگئی کہ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جو ہمیں اپنے اندر موجود خودی (Self) سے ملانے کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ خودی اپنی خاصیت کے اعتبار سے انتہائی پرسکون، ٹھہراؤ والی اور از سرنو زندگی بخشنے والی ہے، لہٰذا ہم چاہیں گے کہ مراقبہ کو سمجھنے کیلئے ہم سب سے پہلے اپنے اندر موجود خودی (Self) کو جانیں، آپ اس خودی کو اور بھی نام دے سکتے ہیں۔ مثلاً نفس، میں (مثلاً Ego,I,Self) وغیرہ آیئے اب ایک چھوٹا سا تجربہ کرتے ہیں جو انتہائی دلچسپی کا حامل ہے اور آپ کے لئے اس (میں) سے شناسائی کا ذریعہ بنے گا۔

میں (Self) کا انسانی وجود سے تعلق

''آپ اپنی آنکھیں بند کر کے کوئی ایک لفظ، کسی کا نام یا اللہ کا نام 25 مرتبہ اپنے ذہن میں دہرائیں مگر گنتی دل ہی دل میں ہونی چاہیے مگر گنتی کرتے ہوئے ذہن میں کوئی اور خیال نہیں آنا چاہیئے اور اگر گنتی میں کوئی غلطی ہو جائے تو دوبارہ سے شروع کر دیں۔ البتہ گنتی ذہن میں ہی رہے نا کہ ہاتھوں یا انگلیوں پہ'' اس تجربہ کے کرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ آپ کامیابی کے ساتھ 25 مرتبہ ایک لفظ اپنے ذہن میں گنتے رہے ہونگے اور خیال بھی ذہن

میں آتا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے کہ چند خیالات ذہن سے گزر رہے ہوں، یا پھر پہلی کوشش ناکام ہو گئی ہو اور کئی مرتبہ اس تجربہ کو کرنا پڑا ہو تو پھر جا کر 25 مرتبہ کی گنتی پوری ہوئی ہو یا پھر خیالات بھی آ رہے ہوں اور گنتی بھی جاری رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کامیابی کے ساتھ یہ تجربہ نہ کر پائے ہوں کہ آپ 25 مرتبہ کوئی ایک لفظ دہرائیں اور کوئی خیال بھی ذہن میں نہ آئے۔

مراقبہ اور ذات (Self) سے شناسائی

معاملہ کچھ بھی، تجربہ کچھ بھی ہو، بات حقیقت ہے کہ آپ اپنے اندر خودی (Self) کے وجود کا انکار نہ کر پائیں گے، کیونکہ جب آپکا ذہن گنتی میں مصروف تھا تو وہ کون تھا جو مشاہدہ کر رہا تھا کہ ذہن سے خیالات گزر رہے ہیں؟ وہ کون تھا جو ایک ہی وقت میں مشاہدہ کر رہا تھا کہ ذہن میں خیالات بھی آ رہے ہیں اور گنتی بھی ہو رہی ہے؟ کیونکہ آپ کا ذہن تو یقیناً گنتی میں مصروف تھا۔ یقیناً آپ کہیں گے کہ وہ میں تھا جو دیکھ رہا تھا کہ کوئی خیال ذہن میں آ رہا ہے اور گنتی بھی صحیح ہو رہی ہے۔ وہ کون تھا جو مشاہدہ کر رہا تھا؟ آپ کا جسم یا پھر آپ کا ذہن؟ یا پھر آپ خود؟ اگر آپ یہ سارا عمل دیکھ رہے تھے تو آپ کو اپنے ذہن اور جسم سے علیحدہ ہونا چاہیے۔ جی ہاں! دراصل یہ حس آگاہی ہی تو خودی (I-Self) ہے جو آپ کو اپنے خیالات تصورات سے آگاہ کرتی ہے اور صرف اور صرف خودی (me-Self) ہی ہے جو آپ کو بتلاتی ہے کہ اپکے اندر اور باہر کیا ہو رہا ہے؟ کہاں ہو رہا ہے؟ و دیگر سے آگاہی کا سبب بنتی، اس جاننے والے کو جاننے کا عمل ہی مراقبہ ہے یعنی مراقبہ دراصل اپنی ذات سے شناسائی کا عمل ہے۔

(یہ تحریر روزنامہ نوائے وقت میں 10 اکتوبر 2008 اشاعت خاص؛ چند اقساط میں شائع ہوئی۔ اسکے بعد وکیپیڈیا کی زینت بنی جبکہ وکیپیڈیا کی ایڈمن کے اپنے خیالات بھی اس میں بشمول ہیں جن سے میرا اختلاف وضاحت سے شامل ہے؛ حقیقت سو پردوں میں بھی حقیقت ہی رہتی ہے البتہ اس کے بیان کرنے والے اپنے اپنے درجے پر علم کے مطابق وضاحت کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں جبکہ میری تحاریر زیادہ تر عملی اور متحرک زندگی کیطرف نشاندہی ہے نا کہ فقط علمی بحث اور فلسفہ جو کہ کسی بھی نتیجہ پر لیجانے کی بجائے الجھنیں پیدا کرے)

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محبت، رقص اور عبادت

خیر اگر ایک سانس لیتی ہے تو شر (Evil) ایک سانس چھوڑتا ہے، جبکہ ان کا جنگ و جدل ازل سے جاری ہے، البتہ لمحے انکے درمیاں انکے ہوئے رہتے ہیں، مگر زندگی کے متوازی اور کندھے سے کندھا ملائے کبھی خیر کے دامن میں پناہ لیتے ہیں تو کبھی شر کے، لمحوں کو اپنا سفر جاری رکھنے کیلئے اک سواری کی احتیاج ہے لہٰذا وہ کبھی خیر کے دامن میں اور کبھی شر کا بازوؤں میں سمٹے رہتے ہیں۔

زندگی کی کلی نے محبت کی گود میں جنم لیا تو اسکی مہک سلامتی و بقا کا پیغام لے کر ہر سو پھیل گئی جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ نا صرف اس سے مامور ہوا بلکہ محورقص (Vibrating) ہوگیا۔ لمحوں نے بھی رخت سفر باندھا، مگر نا آشنائی کا دور دورہ ہے اور آگاہی سے بھی قربت نہیں لہٰذا کبھی خوابیدگی کا عالم ہے اور کبھی آشنائی کا۔ جبکہ بقا کی لذت سے سرشار لمحوں نے قیام (Saved) کیا اور خوابیدہ لمحے سیل رواں کے تھپیڑوں میں بہتے کسی کائی کیطرح عدم سدھار گئے۔

میں (Self) کا بار عزیز اٹھائے ہوئے خیر و شر کی راہوں پہ چلتے ہوئے لمحے اکثر اس کے لازوال حسن سے نا آشنا رہے، کبھی تو اس گراں قدر میں (Self) کا جلوہ معاملات کی تنگ و دو میں پنہاں رہا اور کبھی نیم خوابی کے عالم میں یہ جلوہ اک رنگیں خواب کیطرح سراب بن کے رہ گیا، اور جب کبھی بے خبر لمحوں کو میں (Self) کی قدروں (Values) کا

ادراک ہوا، تو وہ آشنائی کی لذت میں محو ہو کر قیام پذیر ہو گئے جبکہ زندگی بھی اپنا سفر تبدیل کر کے اسکے گرد رقص کرنے لگی۔

معاملات کی تنگ و دو اپنے اختتام کو پہنچی اور زندگی نے اپنی خواہ مخواہ کی دوڑ ختم کر کے اپنا سر محبت چوکھٹ پہ رکھ دیا اور کائنات کے دائمی رقص کا حصہ بن گئی۔ اگر پھولوں میں خوشبو، پھلوں میں رس، موسم میں انگڑائی، ہواؤں کی اٹکھیلیاں، زمین میں جاری چشمے اور سبزہ، آسمانوں پہ بادل اور چہروں پہ انجان مسرت ہے تو محبت کے مرہون منت ہے۔ جبکہ معاملات زندگی میں محبت کا جذبہ انسانیت کیلئے سب سے عظیم تحفہ ہے، جس کے باعث تمام دراڑیں اور خلا پر ہو جاتے ہیں اور خیر و شر کی جنگ جو کہ ازل سے ابد کی طرف گامزن ہے، اس میں بھی اعتدال واقع ہوتا ہے، یہی وہ منزل ہے جہاں لذت بیکراں کا وصل حاصل ہوتا ہے اور کائنات سے مربوط ایک دائمی رقص سے شناسائی ہو جاتی ہے۔

خیر و شر کے سوار زندگی کے ہمسفر لمحے معاملات پر دو اقسام کی رسائی رکھتے ہیں، مثبت (Optimistic) اور منفی (Pasimistic) اگر یہ کسی شے تک منفی زاویہ Angle یا رویہ way سے پہنچ کرتے ہیں تو یہ عمل میں (Self) لئے ایک بُرا بیج (Seed) ثابت ہوتا ہے اور اگر اس کو ختم نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ ایک تنا آور درخت بن کر انسان کو پریشانی کے تاریک غار میں دھکیل دیتا ہے جبکہ بدعملیاں، منفی جذبے اور رویے (حسد، لالچ، مکر، فریب، دھوکہ دہی، نفرت اور خواہ مخواہ کے خوف وغیرہ) وہ زنگ ہیں جو قلوب پہ ملمع کاری کی طرح تہہ در تہہ چڑھتے رہتے ہیں جبکہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ باہر کی روشنی اندر دکھائی نہیں دیتی اکثر اوقات خوش بختی، سکون اور راحت باہر سے دستک دیتے ہیں اور اندر آنے کا راستہ تلاش کرتے ہیں مگر اندر کے یہ دشمن انہیں گھسنے نہیں دیتے۔

لمحوں کو محفوظ کرنے کا عمل اس بات پر انحصار کرتا ہے کہ آپ کا علم کتنا ہے؟ یعنی جتنا علم زیادہ ہوگا اتنی دنیا بڑی ہوگی اور علم کے مطابق عمل پذیر ہوگا۔ البتہ اگر علم نافع ہو تو عمل صالح ہوگا اور اگر علم اس کے تضاد میں ہوگا تو عمل بھی بدعملی کی شکل اختیار کر جائے گا۔ تمام وہ بداعمال جو ایک انسان سے وقوع پذیر ہوتے ہیں ان سے وہ طرح طرح کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔ عبادات میں دراصل میں (Self) اپنے گذشتہ لمحات کے اندر Write/ Read کے عمل گزر رہی ہوتی ہے، اگر ایک طرف توبہ گناہوں اور بدعملیوں کے اثرات کا قلع قمع کر رہی ہوتی ہے تو دوسری طرف مثبت جذبے اور رویے اپنے اعلیٰ درجوں پہ (Optimum Level) پہ قیام پذیر ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کے ثمرات ہماری زندگی کو حالت مثبت (Optimism) کی طرف لے جا رہے ہوتے ہیں۔ انسان کی تمام پریشانیاں اور تکالیف اسکے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں جبکہ عبادت ایک ایسا عمل ہے جو کہ انسان کو واپسی کی طرف لانے کا موجب بنتا ہے جس کے باعث ایک انسان اپنے قلب وسوچ کو شفاف کرتا ہے جو کہ منفی سوچ اور عمل کے باعث زنگ آلودہ ہو چکا ہوتا ہے۔ جب زندگی کے تسلسل کا عمل چلتا ہے تو انسان خیر وشر دونوں کے درمیان زندگی گزارتا ہے اور عبادات جو کہ اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں ایک انسان کو اس کے زندگی کے تسلسل کو قدرتی انداز میں رکھنے کا باعث بنتی ہیں. جبکہ بندہ اپنے ربّ کے سامنے عجز وانکساری کر رہا ہوتا ہے اور اس کے اندر کی حالت بھی تبدیل ہو رہی ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اللہ بندے کے گناہوں کو بخش دے، صالحین میں شامل کرے اور دنیا میں خاتمہ ایمان پہ ہو اور آخرت میں بخشش عطا فرما دے۔

ایک بار دیکھا ہے، بار بار دیکھنے کی خواہش ہے

زندگی میں پہلی بار ایک ندائے غیبی سے شناسا ہوا تو حیرت کی انتہا نہ رہی، دریا کنارے پانی کی چھنکار سن رہا تھا کہ اچانک ایک نسوانی آواز سنائی دی، اِدھر اُدھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، پھر ایک مدھر دھن جیسی کھنک محسوس ہوئی تو اچنبھے سے ہر طرف نظر دوڑائی مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس بار خوف اور حیرانی جیسے ملے جلتے تاثرات تھے، مگر میں پانی سے پاؤں باہر نکال کر اٹھ کھڑا ہوا کہ دیکھوں یہ دل کے تار چھیڑنے والی آواز کہاں سے آ رہی ہے، مگر لا حاصل، دور دور تک کوئی نظر نہ آیا تو سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ایسے ہی کچھ گماں ہوگا، ورنہ کوئی دکھائی تو دیتا۔

جب دوسرے روز اسی مقام پر دریا کنارے موجوں کی اٹھان دیکھ رہا تھا کہ پھر وہ سہانی آواز سنائی دی مگر اس بار خوف وحیرت کی بجائے تلاش شروع ہوئی کہ آخر یہ آواز کس کی ہے؟ یہ میٹھی اور دلربا نسوانی آواز اتنی صاف سنائی دے رہی تھی کہ جیسے کوئی بہت قریب موجود ہو مگر نظر کوئی نہیں آ رہا تھا۔ آخر ہمت کر کے پوچھا کون ہو؟ تو جواب ملا ''پیار''، مگر نظر کیوں نہیں آتی ''تو جوب ملا ''پری زاد'' ہوں اس بے چین کر دینے والی آواز کی کھنک اب اور بھی سریلی ہو گئی تھی۔ پوچھا، کس کا پیار ہو؟ ''تو جواب ملا صدیوں کی پیاسی تھی مگر تیری قربت پا کر تشنہ ہوئی اور لب آزاد ہو گئے کہ اظہار کر دوں۔''

اس ان دیکھے پیار کی صدا سے الفت بندھ گئی اور روزانہ کالج سے آتے ہی کھانا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھاتا اور دریا کنارے کی راہ باندھ لیتا اور اس غیبی آواز سے جب تک بات نہ ہو جاتی چین نہ آتا، نہ جانے اس میں کونسا جادو تھا کہ مجھے الجھا کہ رکھ دیا، رفتہ رفتہ جب شناسائی بڑھی تو اک شام کی گھنی چھاؤں میں جب سورج کی کرنیں پانی پر تیرنے لگیں کہ بس اب دن ڈھل چکا تو اسے کہا کہ اب رہا نہیں جاتا، اپنا جلوہ دکھا دو؟ تو جواب ملا" جدا نہ کر پاؤ گے"، آہ واقعی آج تک جدائی کا قلق رہتا ہے کہ وہ میری روح وقلب تک اتر چکی تھی!!!

ایک روز صبح سویرے جب دریا کنارے جوگنگ کرتے ہوئے اسی مقام سے گزرا تو لگا جیسے کوئی ساتھ ساتھ چل رہا ہے، مگر یہ سوچ کر ہنسی آئی کہ اس وقت پر بھی شام کی پرچھائیاں پڑ چکیں، کیا سماعت کی ساتھ ساتھ بصارت پر بھی" پیار" کی مہر لگ چکی؟ اور اس روز کالج سے چھٹی کر لی، وقت تھا کہ گزر نہ رہا تھا، بڑی مشکل سے پچھلا پہر آیا تو" پیار" کی پیاس میں دریا کنارے پہنچ گیا اور" مقام یار" پہ رک کر پانی کی موج مستی بھری لہروں پر نظر ٹکا دی، اک شگفتہ بادِ صبا محو رقص تھی جبکہ کہیں دور پرندوں کی چہچہاہٹ نے بھی نئی دھن اور موسیقی کا ساماں پیدا کر دیا تھا، مگر اس خوبصورت منظر وسماں میں اگر کمی تھی تو اس آواز کی کہ جس کی مدھر دھن سننے کو ہر کام چھوڑ کر اس" مقام یار" کی راہ لیتا۔ انتظار کرنا محال تھا کہ اک کھنک سنائی دی" آج رات دیدار کی رات ہوگی......"

واقعی آج کی رات دیدار کی رات ہوگی؟ مجھے اپنی سماعت پر شک ہونے لگا اور والہانہ انداز میں پوچھا، تو جواب میں ایک مہکتا خوشبو کا جھونکا میری سانسوں کو گرماتا ہوا اور بادِ صبا کی لے پر تھرکتا دریا کی مست موجوں کا ہمراہی ہو گیا۔ ایک ہلکی سی سرگوشی میں جواب ملا" ہاں، آج کی رات دیدار کی رات ہوگی"، اس مدھر آواز نے، جو ابھی کسی نام اور رشتے کی ڈوری سے نہ بندھی تھی، مجھے چونکا دیا۔ اک انجانی خوشی کے احساس سے میرے خوابوں کا آنگن لبریز ہو گیا۔

وقت تو جیسے تھم گیا تھا اور ایک ایک پل گھنٹوں پر بھاری لگ رہا تھا، ابھی تو شام نہیں ہوئی رات کب ہوگی؟ انہی سوچوں میں مگن تھا کہ اچانک اک سرگوشی نے چونکا دیا" کیا میرا انتظار کرو گے؟" کیوں نہیں! اسے کیا بتلاتا کہ انتظار کی کشتی پر تو کب کا سوار ہو

چکا تھا" ضرور کروں گا"۔ پھر ایک خاموشی سی چھا گئی ایک طویل وقفے کے بعد میں گویا ہوا" چلتا ہوں" آج کی شام بہت بوجھل ہے، پل پل بھاری ہو گیا ہے، اب مجھے چلنا چاہیے، اور اس طرح شام سے پہلے ہی گھر کی راہ لی۔

رات کے کھانے پر بے چین طبیعت نے سیر ہو کر کھانے بھی نہ دیا جبکہ نیند تو کوسوں دور بھاگ چکی تھی اور ہر آہٹ پر آنکھ کھول کر بے تاب نظریں نظارہ جاناں کیلئے تڑپ جاتیں، البتہ بے قرار قلب کو پہلی بار انتظار کی لذت کا احساس ہوا اور دھڑکن تھی کہ بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ رات کا پہلا پہر ہوا جبکہ اس نئی کیفیت سے پہلی بار شناسائی ہوئی اور بے قراری کے عالم میں بستر چھوڑ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور صحن میں آ گیا، گھر کے آنگن کو موتیا، گلاب اور رات کی رانی نے مہکایا ہوا تھا اور کھلے آسمان پر چاند اپنی پوری آب وتاب سے دمک رہا تھا۔

انتظار کی گھڑیاں طویل ہوا چاہ رہی تھیں مگر نہ کوئی صبا اور نہ کوئی سرگوشی، یہ کیسا امتحان ہے؟ وقت پر لگا کر اڑ کیوں نہیں جاتا؟ وہ کب آئے گی؟ رات تو بیتی جا رہی ہے، دیدار کب ہوگا؟ نہ جانے کس کس طرح خدشات پانی پر کسی بلبلے کی طرح ظاہر ہوتے اور خود ہی دم توڑ جاتے، اگر ایک طرف فضا میں چاندنی نے اک جال سا تان رکھا تھا تو دوسری طرف خشبو کے جھونکے مجھے نیند کی وادیوں کیطرف دھکیل رہے تھے۔ آخر نیند نے آلیا اور شب کے بیتنے کا ملال ہونا شروع ہو گیا، کیا اس نے دھوکا دیا؟ اگر نہیں آنا تھا تو مجھے کیوں کہا تھا" آج کی رات دیدار کی رات ہے؟"، انہی سوچوں میں گم مایوسی سے اداسی کا رخت سفر باندھا

؎ اے چاند ڈوب جا کہ طبیعت اداس ہے

آخر اس انتظار کی طوالت کو راہ میں چھوڑ کر نیند کے جھونکوں کی ہمراہی کی اور بستر پر دراز ہو گیا کہ" اب وہ نہیں آئے گی"، ابھی سوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ تقریباً رات اڑھائی بجے اچانک آنکھ کھل گئی، حیرت ہوئی کہ اتنی گہری نیند بھک سے کیسے اڑ گئی؟ اندھیرے کمرے میں اک روشنی کا احساس ہوا، اور آنکھیں ملتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اچانک جیسے اک بجلی سی کوند گئی ہو اور اک روشن، حسن و جمال کا پیکر چہرہ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا، اس حسن کی تمازت نا قابل برداشت لگ رہی تھی، ہمت کر کے پوچھا کون ہو؟ تو صرف اک مسکراہٹ نے مجھے مبہوت کر دیا، "خود ہی بلاتے ہو اور خود ہی پہچانتے نہیں؟" بے تکلف سا جواب ملا، اوہ، یہ تو ہی آواز ہے جس نے میری زندگی کو محو رقص کر رکھا ہے، اور والہانہ انداز میں گویا ہوا، "تم وہی ہو جو ہر شام کو میرے ساتھ ہوتی ہو"؟ "ہاں میں "وہی ہوں"" "تیری شاموں کی گہنانے والی، تیرے دل میں اترنے والے لب لہجے کی دیوانی، تیری گہری آنکھوں کی مستی کے اس پار جانے کی تمنا رکھنے والی"، میں گم سم حیرت کے سمندر میں ڈوبا سن رہا تھا اور اس حسن کے پیکر کے سامنے قوت گویائی جیسے جواب دے گئی تھی، اس مدھر آواز کا جادو تو پہلے سے ہی مجھے غلام کر چکا تھا اور اس جلوے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی کہ زبان گنگ سی ہو گئی۔

وصل کی ہوائیں چلنے لگیں اور الفتوں نے سارے جام انڈیل دیئے، دھڑکنیں تھمنے لگیں، دنیا و مافیہا سے بیگانگی نے باہیں پھیلا دیں اور قربتوں کی گھٹائیں برسنے لگیں، سانسیں خوشبو سے معطر ہو گئیں، مگر کیا ہوا؟ ہم کہاں ہیں؟ حواس کو بحال کر کے دیکھا تو پاؤں کے نیچے زمین نظر نہ آئی، نہ خواب تھا نہ خیال تھا، فضاؤں میں معلق کسی نئی دنیا کی آغوش میں محو سفر......

یہ ماجرا کیا ہو گیا؟ یہ میں کہاں آ گیا؟ نہ ہی زمیں یہ اور نہ آسماں ہے؟ وصل کے گہرے سمندر میں ڈوب کر اگر ایک طرف وقت گزرنے کا احساس دم توڑ چکا تھا تو دوسری طرف الفت کی وادیوں میں محو پرواز تھا، جبکہ قربت اپنی تمام تر رعنائیاں نچھاور کر رہی تھی۔ زمیں کی گرفت سے آزاد فضاؤں میں محو پرواز، کبھی خوف کے سائے اور کبھی حیرت کا سماں بندھ رہا تھا کہ میری سوچوں کا تسلسل اس آواز پہ ٹوٹا "کہاں کھو گئے ہو؟" "اک پری زاد کے محبوب ہو، فضائیں اب تیرے قدموں کی دھول ہوں گی"، واقعی جس بات کا نظارہ ہو رہا تھا کہ اس میں کوئی شک والی بات نہ رہی۔

کیا مجھے اپنی طاقت دکھا رہی ہو؟ میں نے پوچھا، تو مسکرا کر بولی "ایسے مت کہو،

تجھے محبت کی وادیوں تک لے جا رہی ہوں" "انسانوں میں بسنے والی محبت نے اپنی ناقدری کے باعث زمین سے دور اپنا ایک علیحدہ گلستان بسا رکھا ہے، جہاں پیار کے پنچھی اپنی اپنی میٹھی دھن میں نغمے گاتے ہیں، جہاں الفت کی گھنی چھاؤں میں وصل اپنی شامیں بھول جاتی ہے، جہاں خوشیوں کی تتلیاں مروت کی پھولوں پر چہکتی ہیں، جہاں نفرت کے کانٹوں کی کوئی جگہ نہیں" "ان وادیوں کی ملکہ پاکیزگی کے جڑے موتیوں کا تاج سجائے جب لذت لاثانی کے تخت پر براجمان ہوتی ہے تو کبھی آفتاب اور کبھی مہتاب اپنی تمام رعنائیوں کو اسکے قدموں پر نچھاور کرتے ہیں۔"

میں مدتوں سے ان وادیوں کی دیوانی ہوں، پہلی بار جب ان سے شناسا ہوئی تو بسیرا کر لیا، مگر اک روز زمین کا رخت سفر باندھا جب آکاش پر گھنگور گھٹا چھائی ہوئی تھی، رم جھم ہوا چاہتی تھی، قدرت کے لازوال نظاروں میں کھوئی ہوئی اک دریا کنارے کسی کو تن تنہا پانی میں پاؤں ڈالے موج مستی کے سمندر میں غرق دیکھا تو جھٹ فضاؤں کو پھلانگا اور وہاں جا پہنچی، دیکھا کہ اک دریا باہر بہہ رہا ہے اور ایک جھیل سی گہری آنکھوں کے پیچھے ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس کے پاس سے گزرتے پانی کا نغمہ تو میں نے محبت کی وادیوں میں سنا تھا، اور یہاں کا منظر بھی وہی تھا، حیرت ہوئی اور سکوت کیا اور جب تم اپنی محویت کی کشتی میں سوار تھے تو انتظار کیا، چند روز کی قربت نے محبت کی وادی بھلا دی تو تیرے غلامی کے سوا چارہ نہ ہوا، بہت مجبور ہوئی تو مخاطب کیا اور اب کہ جدائی کا تصور محال ہے۔"

"آج میں محبت کے گلستان کو تجھ سے شناسائی کرانا چاہتی ہوں کہ ابھی بھی انسانوں کی بستی میں نم ہے، اے میرے محبوب تیری قربت کے لمحات میری زندگی کا حاصل ہیں اور تیرے ساتھ گزرتے لمحے میری روح تک کو سیراب کئے ہوئے ہیں۔"

باتوں باتوں میں مجھے اس پری زاد نے محبت کی وادیوں کی سیر کروائی اور جب "عشق" کے چشمے پر پہنچے تو دونوں نے خوب سیر ہو کر پیاس بجھائی اور اس وادی کے پاس "شوق" کے ٹیلے کی طرف محو پرواز ہوئے، پری زاد نے بہت کوشش کی مگر "شوق" کی بلندی سے عاجز ہو کر ہمت ہار دی اور واپسی کا ارادہ کیا، جب میں گھر پہنچا تو ابھی رات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جواں تھی، حیرت ہوئی کہ اتنا سفر کیا مگر وقت جیسے رک گیا؟ پری زاد نے اجازت مانگی اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

حیرت کے سمندر میں غرق کہ یہ کیا ہوگیا، زمین و آسمان اب دو قدم کے فاصلے پہ آ گئے اور ایک سلسلہ پھر کچھ یوں چل پڑا کہ کبھی آدھی رات کو اور کبھی رات کے آخری پہر زمین و آسمان میں ہم اپنی قربتیں بانٹنے لگے، جبکہ معمولاتِ زندگی میں بھی تبدیلی آنے لگی، اب کالج جانے میں اور پڑھنے میں دل نہ لگتا تھا، دن تھا کہ گزارنا مشکل تھا، پچھلے پہر دریا کنارے پانی کی مچلتی موجوں کا نظارہ کرنا اور دیدہ دل وا کر کے قدرت کے شہکار مناظر کی دلربائی میں کھویا رہنا، جبکہ پچھلی رات کو پیار کی رعنائیاں سمیٹنا ایک معمول بن گیا، حالانکہ معمولات میں کالج کی پڑھائی، کرکٹ کھیل کود، لائبریری، رات کو کلب میں بیڈمنٹن وغیرہ شامل تھے جو کہ اب بالکل سراب بن کر رہ گئے تھے کیونکہ زندگی کے اس نئے رنگ نے باقی سب رنگ ڈھنگ بدل کے رکھ دیئے۔

زندگی پیار کے نغموں سے لبریز ہوئی تو ہر آواز سماعت کو مہکانے لگی، درختوں پر بیٹھے پنچھی، پتوں سے لدی شاخیں، پانی پہ اٹھتی موجیں، گھاس پر شبنمی موتی دلربائی کا شہکار نظر آنے لگے، آہ و قاہ مسرتوں سے شناسا ہوئے جبکہ ہر طرف بہار کا دور دورہ تھا کہ اِک روز رات گزر گئی مگر پری زاد نہ آیا، وہ صیاد نہ آیا......

آخر کیا بات ہے؟ نہ جانے آج کی رات ''دیدارِ یار'' سے دوری کیوں ہوئی، ملال بھی اور انتظار بھی، اس گوں مگوں کیفیت نے دن بھر بے چین کئے رکھا، پچھلے پہر پھر دریا کی راہ لی تو سڑک کنارے پراگندہ بال دمکتا چہرہ ایک نوجوان محوِ رقص نظر آیا، میں نے اس کے رقص میں عجب محویت دیکھی وہ کسی انجانے سرور میں مگن لوگوں سے بے پرواہ اپنے ہی اندر ڈوبا ہوا جھوم رہا تھا۔ میں نے اسکا ہاتھ پکڑ کے پوچھا، دیوانہ لگتا ہے؟ تو وہ آنکھیں کھول کر مسکرایا اور بولا ''کیا تو اپنے محبوب کے تصور میں محوِ رقص نہیں؟'' اس کائنات میں کون محوِ رقص نہیں ہے؟

واقعی یہ رقص و ارتعاش واقعی ہماری زندگی کی بقا ہے۔ اگر زمین اپنے محور کے گرد

گھوم رہی ہے تو چاند زمین کے گرد اور دونوں سورج کے گرد گھوم رہے ہیں، جبکہ سورج اور دیگر ستاروں کے جھرمٹ میں محوِ ارتعاش ہیں۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ رقص ہے جبکہ ریاضی اور طبعیات کے قوانین تو قوانینِ حرکت ہیں؛ ایٹم کے اندر الیکٹران نیوکلیئس کے گرد اور ان سب کو محبت کی طاقت نے باندھ رکھا ہے۔ تمام قوتیں، اجسام اور توانائیاں جبکہ زندگی خود بھی ارتعاشی عمل کی سرگرمی اور فعالیت ہے۔ یہ ارتعاشی عمل اپنے بنیادی اور انتہائی درجہ پر سیاروں، ستاروں، نظامِ شمسی، برقی، آسمانی و علوی، حرارتی، صوتی اور رنگ کی دنیا میں جاری و ساری ہے جبکہ ذہن بھی اس ارتعاشی عمل سے خارج از امکان نہیں جس کے باعث انسانی زندگی کا جذبات، جاذب و طلسمی، تصوراتی پہلو کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔

انہی خیالات میں ڈوبا ہوا میں دریا کنارے پہنچا اور موج مستی میں اٹکھیلیاں کرتی پانی کی موجوں کا رقص دیکھنے لگا، ایک تو آج طبعیت اداس تھی دوسرا رات کا فراق بھی مدتوں کی دوری کی طرح ڈس رہا تھا۔ دریا کنارے گھاس کے مخملی قالین پر بیٹھا انتظار میں ڈوبا ہوا تھا مگر ابھی تک کوئی بھی صدا سنائی نہ دی، نہ ہی فضا میں صبا کا رقص دیکھنے کا ملا، اس عالم میں دیدۂ دل وا کیا اور تصورِ جاناں میں کھو گیا؛

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ من کو چھونے والی آواز سنائی دی ''ناراض ہو گیا''؟ تو جھٹ سے آنکھیں کھول دیں، وصال کے ایک جھونکے نے انگڑائی لی اور میرے لبوں سے چھوتا دریا برد ہو گیا، ''کہاں رہ گئی تھی میری راتوں کی نیند چرانے والی؟'' میں نے پوچھا، تو جواب ملا ''تیری رات تجھے لوٹانے کی خاطر نہ آئی، مت پوچھ کہ کس کرب سے گزری ہوں اس رات، دوری کا تو اب تصور بھی محال ہے'' ''تیری الفت کے راہ میں سب کچھ بھول چکی، زندگی کے پھول نے جب محبت کی زمین سے جنم لیا تو اسکی مہک بقا کا پیغام لیکر ہر سو پھیل گئی جبکہ کائنات کا ذرہ ذرہ نہ صرف مامور ہوا بلکہ محوِ رقص ہو گیا۔ پھولوں میں خوشبو، پھلوں میں رس، موسم میں انگڑائی، ہواؤں کی اٹکھیلیاں، زمین میں جاری چشمے اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سبزہ، آسمانوں پہ بادل اور چہروں پہ انجان مسرت محبت کی مرہون منت ہے''۔ ''محبت کا ہی اعجاز ہے کہ ہر طرف سے مسحور کن نظارہ محبوب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ خوابوں و خیالوں میں بسنے والا تصور کبھی فضاؤں میں نظر آتا ہے اور پھر کبھی اس کے تصور سے لذت بند جاتی ہے جبکہ اس تجربہء زندگی کا بھی عجب سماں ہے، وصل ہو کہ فراق دونوں میں لذت آتی ہے۔''

واقعی! میں نے اسکی بات کے اثبات میں سر ہلا دیا، اور گویا ہوا'' جب کوئی انسان جذبہء محبت کی لذت سرشار رہتا ہے تو یہی اسکی زندگی کا موسم بہار ہے، یہ سماں بھی کتنا دلربا ہے کہ لمحاتِ زندگی مسرتوں سے لبریز ہو جاتے ہیں اور لذت کا چشمہ قلب سے جاری ہو جاتا ہے جسکا ادراک صرف اور صرف اس تجربہ سے گزرنے والوں کو ہو سکتا ہے۔ ہر آواز موسیقی کی طرح پردہ سماعت پر وارد ہوتی ہے، زندگی اٹھکھیلیاں کرتی نظر آتی ہے، خوشبو کی طرح فضاؤں میں بکھر جانے کو جی چاہتا ہے جبکہ آہ و تاہ بھی لذت سے معمور ہوتے ہیں۔''

انہی باتوں میں شام نے ہمیں اپنی آغوش میں لینے کیلئے بانہیں پھیلا دیں، خورشید نے پہاڑوں کے دامن میں چھپنا شروع کر دیا، دریا میں موجوں کی اٹھان ماند پڑنے لگی، درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے اور پرندوں نے بھی اپنے گھونسلوں کا رخ کیا، دریا کے پار دن کی سپیدی نے شام کے اندھیرے کا استقبال کیا، اور دن تھا ڈوبا ہی چاہتا تھا مگر ہمارے پیار کی ترنگ اپنے جوبن پر تھی جہاں ایک پل کی دوری بھی ناگن کیطرح ڈسنے لگتی تھی۔

ہر دوپہر، شام کی گود میں اپنا سر رکھ کر رات کا انتظار کرتی اور ہر رات اپنا چہرہ میرے محبوب کے چہرے کے پیچھے چھپائے گزر جاتی، وقت جست لگا کر ہماری قربتوں کے ہمراہ اڑنے لگا، اگر دوپہر وصال کی چھاؤں میں گزرتی تو رات قربتوں کی مہک سے [illegible] ہوتی جبکہ زمین و آسماں ہمارے لیئے دو قدم کی مسافت پہ آ گئے۔ ہر رات پری زاد مجھے اپنی آغوش میں لیئے آسمانوں میں محو پرواز ہوتا، جبکہ صبح تکان کی باعث آرام البتہ کالج و پڑھائی کا سلسلہ تقریباً منقطع ہونا شروع ہو گیا اور کھیل کود سے بھی بیزاری محسوس ہونے لگی، ہر رات اک نئی دنیا دریافت ہوتی اور ہر صبح اک نئے انتظار سے ہمکنار ہوتا۔ محبت کے تمام

رنگ جلوہ افروز ہوئے، اگر ہوائیں شادمانی کے راگ چھیڑتیں تو فضائیں محبت کے نغمے گاتیں اور بہتا پانی الفت کی پرچھائیوں میں مچلتا، لہلہاتا کسی مست ناگن کیطرح جھومتا جاتا اور اس پر جھکی شاخوں کے پتے پانی کو بوسے دیتے تو بادلوں کی اوٹ سے خورشید اپنی کرنیں نچھاور کرتا۔ دریائے جہلم سے جدا ہوتی نہر میرے گھر کے پاس سے گزرتی تھی اور اسکے کنارے گھنٹوں بیٹھے سردار گنگناتے پانی پہ نظر ڈالو تو مجھے صرف اپنے محبوب کی جھلک دکھائی دیتی۔ یہ نہر کچھ فاصلہ طے کر کے ایک دوسری نہر میں مدغم ہو جاتی جبکہ دونوں نہروں کا سنگم رفتہ رفتہ سفر طے کر کے ''کھڑی شریف'' میں میاں محمد بخش صاحب کی چوکھٹ پہ بوسے دیتا گزر جاتا۔

؎ جس دل اندر عشق سمانا ہوتے اوس نی فر جانا
بڑے سونے ملن ہزاراں اساں نی او یار وناناں

؎ عشق کیا میں بن بن کھڑیاں دودھ تھیں پلیاں پلیاں
ماھی بابل پٹ پٹ تھکے تے واہاں مول نا چلیاں

اک رات پری زاد مجھے کہنے لگا'' کیا تجھے معلوم ہے کہ انسان چاہے تو کسی کی مدد کے بغیر زمین و آسمان دو قدم کر سکتا ہے''، میں نے حیرت سے پوچھا کیسے، تو گویا ہوا'' اس کائنات کی تمام مخلوقات کی طاقت انسان کی قوتوں کے سامنے ہیچ ہیں، مگر جب وہ اپنی اصلیت کو پا لیتا ہے''، مجھے کچھ بات سمجھ نہ آئی تو پوچھا'' کہنا کیا چاہتے ہو؟'' تو مسکرا کر گویا ہوا'' تم میرے بغیر بھی فضاؤں اور ہواؤں کی ہمراہی کر سکتے ہو''، وہ کیسے، میں نے فوراً حیرت سے پوچھا، تو کہنے لگا'' انسان جب رات کو سو جاتا ہے تو اسکی لطافت، روح اپنی کثافت، جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور جاگنے پر دوبارہ پھر آ موجود ہوتی ہے'' اس بات نے مجھے حیرت کے سمندر میں گم کر دیا۔

'' اب تم اپنی طاقت سے میرے ہمراہی بنو گے''، اور یہ کہہ کر اس نے مجھے اک نئے تجربے سے گزرنے پر مجبور کر دیا، '' مگر میں کیسے یہ سب کچھ کر سکتا ہوں''؟ میں نے پوچھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو پری زاد پھر مسکرا کر بولا ’’آنکھیں بند کر کے دیدۂ دل وا کرو اور مجھے تلاش کرو‘‘ میں کسی بچے کیطرح ہر حکم مان رہا تھا، ’’جب کھلی آنکھوں تم میرے پاس ہو تو آنکھیں بند کیوں کروں‘‘؟ ،تو گویا ہوا، جو کہا ہے اس پر عمل کرو، میں آنکھیں بند کر کے ’’تصور جاناں‘‘ میں کھو گیا، اچانک کمر میں اک حرارت سی اٹھی اور ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی کندھوں کے درمیان گردن تک جا پہنچی اور پھر ایسے محسوس ہوا کہ ایک طوفانی شور ہے اور خوف کے مارے ماتھے پر پسینہ سا آ گیا، اچانک ایک جھٹکے سے میں اٹھ کھڑا ہوا، میں اپنے جسم سے جدا ہو چکا تھا اب مجھے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ پری زاد میرے پاس کھڑے انتظار کر رہا تھا، گویا ہوا ’’آو چلیں‘‘، مگر کیسے، تو بولا ’’صرف سوچو تو وہاں جا پہنچیں گے، اب دنیائیں تیرے اک تصور اور سوچ کے فاصلے پر آ گیں ہیں‘‘ اور واقعی جہاں چاہ وہاں راہ۔ اس رات اگر نئی دنیائیں دریافت کیں تو اسی رات میرے محبوب نے اپنی اداؤں کی چادر سمیٹ لی، مجھے نئی دنیائیں دکھا کر چلا گیا۔

اس موسم بہار کی رتیں اچانک بدل گیں، پیار کا لیل ونہار نقطۂ عروج پر تھا کہ وہ صیاد فراق کی سولی پر لٹکا کر اور نئی راہیں دکھا کر چلا گیا، ہر دن کاٹنے کو دوڑتا تو رات ڈسنے کو تیار ہوتی اگر دیدہ دل وا کرتا تو ہواؤں کا ہمراہی ہوتا، کیا زمین و آسمان وسعتوں نے اسے سمیٹ لیا یا پھر مجھے بھول چکا؟ اسکے فراق کا عالم تھا اور تنہائی تھی، اس نے میرے من کی دنیا جو جوت جگائی تھی اسکی وسعتوں کو ماپنا ناممکن لگتا، چاندنی کے جمال میں کھوئی موجیں اب طوفان بن کر کناروں سے سر ٹکرانے لگیں، اور پیار کی شمع سلگتے ہوئے موتیوں کی مالائیں جپنے لگیں۔

تے پاٹی لیر پرانی وانگوں ٹنگ گیاں وچ ککراں
جناں تنا عشق سمانا ہوتے روتا کم اناں

فراق کی وادیاں اب میری قربت کی ہمراز ہوئیں اور زندگی نے موسم خزاں کی راہ تکنی شروع کر دی، آہ و واہ مسرتوں سے نا آشنا ہوئے اور ہجر کی تپتی دھوپ اب سائے کو ترسنے لگی، درختوں پر پتے اب اپنا چہرہ زردی میں چھپانے لگے اور دریا کی گھاٹیاں اب پانی کی بوندوں کو ترسنے لگیں، موجوں کی جگہ اب ریت کے ننگے ٹیلوں نے لے لی اور ہواؤں

کے دوش محو رقص ہونے لگے۔

اور تو پاس مرے ہجر میں کیا رکھا ہے
اک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے

ایک پری زاد اور ایک انسان، کیا یہ محبت کی راہوں کے ہمراہی رہ سکتے ہیں؟ پیار کا کشتی میں سوار کر کے عشق کی تند و تیز موجوں کے رحم و کرم پر مجھے چھوڑ کر میری راتوں کی نیند چرانے والی نہ جانے کہاں چلی گئی؟ ہجر کی ظلمتیں، کالی گھٹاؤں کیطرح برس رہی تھیں اور پیار کے سمندر میں عشق کے مدو جزر اٹھنے لگے تو صبر نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔ جب آنکھوں نے جان و دل سے نظارہ جاناں کیا تھا وہ موتی پرونے ختم کیئے، اب ہجر کا طوفان تھما تو معاملات معمول پر آنے لگے، وہی معمولات اور وہی سلسلہ تعلیم مگر اب طبعیت میں ایک ٹھہراؤ سا آ چکا تھا جیسے کسی سمندر میں مدو جزر آنے کے بعد خاموشی چھا جاتی ہے۔

سلسلہ زندگی اپنی موج میں مگن تھا کہ اک روز ’’تذکرہ غوثیہ‘‘ پڑھنے کا اتفاق ہوا جس میں ایک قلندر کو کسی نازنین سے الفت ہوئی تو اسکی تصویر لیکر حجرے میں ایک ہفتہ کیلیئے بند ہو گئے اور آخر محبوب حاضر خدمت ہوا، دل نے ایک تجربہ کرنا چاہا اور صرف چند ساعات کیلیئے تصور میں ’’محبت‘‘ کو اک پیکر حسن و جمال سے تراشا اور پھر لمحوں کے آبگینے میں سمو دیا کہ ’’یہ مقید لمحے خود ہی آشکار ہوں‘‘۔

اس سلسلہ کے دوران مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ کوئی اور میری طرف متوجہ بھی ہے، میں اپنے آپ میں کھویا رہتا تھا لہذا کچھ احساس نہ ہوا کہ تم ایک ’’خاموش محبت‘‘ بن کر میرے سامنے آئی اور مجھے جھنجھوڑ کے رکھ دیا، ان آنکھوں میں اپنے لئے تیرتا پیار دیکھ کر میری سوچیں تھم گیں، تیری گہری نیلی آنکھوں نے میرے اندر محبت کی بجھتی چنگاریوں کو سلگا دیا اور پیار کا دریا اپنی آن و شان میں پھر سے موجزن ہو گیا۔ پیار اور محبت کا یہ رنگ پہلے رنگوں سے جدا تھا، الفت کی زرد مرجھاتی پتیاں اب پھر سے ہری ہونے لگیں، مروت کی کونپلیں پھوٹنے لگیں اور مسرت کی تتلیاں پھر سے وصل کے گلوں پر آنے لگیں اور فضائیں تیرے سانسوں کی مہک سے لبریز ہونے لگیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیری آنکھوں میں جھانکا تو محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آیا، مروت کی سر اٹھاتی لہروں کا اک طوفان تھا اور تیرے سانسوں کی خوشبو نے سارا ماحول معطر کر رکھا تھا مگر ترے چہرے کی چمک تھی کہ آنکھیں تھکتی نہیں، تو ہر پل دل کے پاس رہنے لگی کہ ہواؤں میں، فضاؤں میں میری نگاہوں کی پرچھاؤں میں تیری مہر ثبت ہو چکی، کتنی حیرت کی بات ہے کہ جب میرے من نے اک تجربہ کرنا چاہا اور تجھے تصور کے آبگینے میں طلسمی مجسم پیکر نما تراشا اور لمحوں کی نظر کر دیا اور گزرے لمحوں کے ساتھ فراموش بھی کر دیا۔ اچانک اک روز میرے در پہ دستک ہوئی اور تو موجود تھی، مرا اندازہ نہ تھا کہ یہ انہی لمحوں کی کارستانی ہے جو پیار کے آبگینوں میں سجائے جا چکے تھے۔

کائنات کی انتہا بلندیوں کا یہ راہی اچانک زمین بوس ہو گیا، اور انتظار کا مکمل مجسمہ بن کر رہ گیا، چند گھنٹوں کے اس ساتھ کا غلام ہو کر رہ گیا جو ترے پاس گزرتے گھنٹی کی سوئیاں جب دن گیارہ بجاتی تو میرے دروازے پہ تیرا آنچل الجھ رہا ہوتا، کیا میں آ سکتی ہوں؟ اور یہ نگاہیں وہ لمحات محفوظ کرتیں کہ کہیں دیر نہ ہو جائے، سر آپ مجھے "Mady" کہہ سکتے ہیں، یہ کہہ کر تو خاموش ہو گئی، اس روز اچانک محسوس ہوا کہ تیری آنکھوں سے نیند جدا ہو چکی ہے، بوجھل آنکھوں نے وہ سب کچھ بتلا دیا جو لب نہ کہہ سکے، وقت جیسے تھم جاتا اور لمحے وصل کی ساری رعنائیاں کی منظر کشی کرتے ہوئے نہ تھکتے، اس قرب کے رنگ میرے چہرے پہ بھی عیاں ہونے لگے، چاند بھی ترے چہرے کے سامنے ماند پڑ جائے، معصومیت بھی جہاں اپنی راہ بدل لے لگتا تھا کہ جیسے بہاریں سبز چادر اوڑھے سفید چاندنی راتوں میں نکل پڑیں، نہ رہتے ہوئے بھی شریک حیات سے ترا تذکرہ کر دیا کہ اک تجربہ دل نے جان بلب کر دی ہے تو جواب ملا اظہار محبت کر دو، یقیناً تو ناقابل فراموش ہے۔

زندگی کا مشکل ترین مرحلہ آیا کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہو گیا، کھیل ہی کھیل میں یہ کیا ہو گیا، اگر کامیابی ہوئی تو اور اگر ناکامی ہوئی تو؟ کیا تیری پھول بکھیرتی مسکراہٹ کو گنوا تو نہیں بیٹھوں گا؟ تری چند گھنٹوں کی قربت لمحوں میں تو نہیں بدل جائے گی؟ کہیں وصل کی اس موج کو کوئی اچک نہ لے اور کمر ہمت باندھی، یقیناً تو ناقابل فراموش ہے۔ الفاظ تو جیسے

کوسوں دور بھاگ گئے کہ آج جرات اظہار کا ارادہ کیا مگر یہ بھی سوچ تھی کہ اگر ناکامی ہوئی تو نہ جانے کیا طوفان اٹھ کھڑے ہونگے اور زندگی میں پہلی بار کسی سے بمشکل یہ کہہ پایا "آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"، جی مجھے معلوم ہے، تو نے فوراً جواب دیا، "نہیں آپ مجھے بہت ہی اچھی لگتی ہیں"، "یہ بھی مجھے معلوم ہے"، اور تیرے الفاظ سیسہ کی طرح میرے کانوں میں اتر گئے "اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتی" اور پھر اک ایسا دور چلا کہ وصل کی برسات رک گئی، اور پیار کی رتیں بدل گئیں، ایکدم کھڑکیاں اور دروازے بجنے لگے کہ طوفان اور کالی آندھیاں امڈ پڑیں کہ اک فون بجا، "طوفان باد و باراں سے لگتا ہے تجھے انکار محبت ہو چکا"، یقیناً، اس کم سن کو محبت کی قدروں کا احساس نہ ہوا، طوفان تھا کہ تھمتا نہ تھا، درختوں نے ہلکان ہو کر گردنیں کٹوانی شروع کر دیں اور سڑکوں پر گرنے لگے، اور یہ نظر جس طرف جاتی بربادیاں ہونے لگیں۔

نہ اندر کا طوفان تھمتا اور نہ باہر کا، ان تڑپتی آشکار نظروں کو بہت سمیٹنا چاہا مگر لاچار ہو چکا تو سمندروں کو طوفانوں میں بدل دیا، پانی کا ایک سیلاب کناروں کیطرف امڈ آیا مگر اندر کا طوفان پھر بھی نہ تھمتا تھا، اس کرب کو سمیٹنا ناممکن ہو چکا کہ اب صرف اک سمجھوتا ہو سکتا تھا مگر تجھ سے وعدہ بھی تھا کہ "اس دنیا میں میری لامحدود قوتوں کے سامنے کچھ ناممکن نہیں مگر ایک پیار پانے کی خاطر انکو نہ آزماؤں گا"، مگر "تیرے جانے کے بعد بھی کبھی دیدہ دل وا نہ کیا کہ صرف اک تجربہ دل تھا سو ہو چکا مگر قلق تو تھا کہ وہ بھولی صورت کسطرح سے بھلا دوں، اور مجبوراً چند لمحات تیری یاد کے نام لگا دیے، پھر اچانک تیرے جانے کے بعد کبھی کبھی آ جانا اور میرے سامنے بیٹھے مجھے خاموش نگاہوں سے دیکھتے رہنا، میرے لئے اچنبے کا باعث بنا رہا، آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت کچھ کہہ دینا جو لب کہہ نہیں پاتے، میری بھولی بسری یادوں کو نئے جذبوں کی حرارت سے ہمکنار کرنا کچھ عجب لگا، مگر تیری کم سنی اور جذبہ محبت سے ناآشنائی کے باعث میں کچھ کہنے سے رک گیا، کبھی کسی بہانے کبھی کسی بہانے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہا اور تو اور حیرت نا کی اس بات کی کہ تیری جرات کو داد دیتا ہوں جب گھر کی پابندیوں کو تو نے ٹھکرا دیا اور خاموش قربتوں کا سلسلہ جاری رکھا، تیرے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قرب و جوار سے، تیرے ہر ملنے والے سے جب اپنا تذکرہ سنا تو پھر دلِ ناداں محبت کی چنگاری سے سلگنے لگا،

ع رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

نہ جانے تو نے اچانک یہ خود رو سلسلہ آپ ہی ختم کر دیا اور پھر کسی مرغ بسمل کی طرح چھوڑ دیا کہ سوچا یہ تری عادت اور کم سنی کا شاخسانہ ہے، اک روز اچانک جب کسی شناسا نے تجھے حالتِ بیماری میں ایک کلینک پر دیکھا تو ترے لبوں پر میرا نام ہے اور غشی ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا اور تیری تلاش میں سرگرداں ہو گیا، تو مجھے اس قدر ملال ہو کہ تو اس حالت کو پہنچی مگر لب آزاد نہ ہوئے، تجھے کہاں سے تلاش کروں تیری صحت تجھے بیماری دل سے کیسے بچا سکے گی؟ تیرے معصومیت بھرے سوال جواب، تیرے خاموش لبوں کے پیچھے چھپے الفاظ کہاں سے تلاش کروں؟ اگر تصور کے آبگینے نہ سموئے ہوتے تو یہ فصل محبت نہ کاٹنی پڑتی۔

جذبہ محبت کے ماخذ

محبت کو دو حصوں میں منقسم کروں گا۔

ایک وہ محبت جو انسانی فطری تقاضا اور صحت مند جذبے کا عمل ہے اور غیر ارادی طور پر ہو جاتی ہے۔

دوسری وہ محبت ہے جو کسی کو پسند کرنا، چاہنا اور پھر اس کو شریک حیات بنانے کی تمنا کرنا سے متعلق ہوتی ہے۔

یہ دونوں تقاضے فطری ہیں اور دونوں کے ماخذ جدا ہیں۔

پہلا عمل تو ایک روحانی جذبے سے سرشار ہے اور جب وقوع پاتا ہے تو مجاز سے حقیقت کی طرف لوٹتا ہے، جبکہ دوسرا عمل ایک انسانی ضرورت اور بھوک ہے جو اسے جسمانی تعلق، قربت کی طرف لے جاتی ہے اور نتیجہ میں انسانی نسل کی نشوونما واقع ہوتی ہے، لہٰذا دونوں کو مدغم نہیں کرنا چاہیے، اب اکثر ایسے بھی ہوتا ہے کہ جسے ہم محبت کا نام دیتے ہیں بعض اوقات صرف ایک جنسی جذبے کی تسکین تک اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے جبکہ جذبہ قلبی

اور روحانی نشوونما کے ضمن میں محبت اپنا سفر کرتی ہے اور محبوب مجازی سے حقیقی کی طرف گامزن ہو جاتی ہے، یہاں میرا محبت کے بارے میں لکھنے کا نقطہ نظر ایک سچائی کو تسلسل میں لانا اور انسانی صحت مند جذبے کو آشکار کرنا ہے جس میں اس دنیا کے بے جان، جاندار ذرات کو بھی جکڑے ہوئے ہے، محبت کا جذبہ منازل سلوک میں ”تصور شیخ“ سے ابتدا کرتا ہے، جبکہ غیر ارادی طور پر کسی بھی مجاز سے شروع ہو جاتا ہے اور اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے حقیقت میں کھو جاتا ہے، یہ ایک ایسا ہی عمل ہے جیسے چشمہ ایک بار نکل پڑے پانی تو اپنا سفر شروع کر دیتا ہے اور آخر سمندر میں جا کر اپنا وجود کھو دیتا ہے، البتہ ہر فرد اس طبیعت کا نہیں کہ اس محبت سے عشق کا سفر کرے بلکہ بعض تو اسے خلل ذہنی سے بھی پکارتے ہیں، البتہ اگر کسی شے کی حقیقت کو جاننا مقصود ہو تو اسے کر گزرو جو کہ ایسا عمل جیسے پہلی بار پانی کا نام سننا اور اسکی لذت کو مان لینا یا نہ ماننا، دوسرے مرحلے میں پانی کو دیکھ لینا اور اسکی لذت کو ماننا یا نہ ماننا اور تیسرے مرحلہ میں پانی کو پی لینا۔

بقول میاں محمد بخش صاحب:

ع عشق باجھ محمد بخشا کیا آدم کیا گئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فنا اور بقا

آنکھوں میں چھپا ہوا انتظار اور یاسیت کا عالم، لگتا ہے زندگی یہاں سے سسکتی ہوئی گزر رہی ہے۔ مکمل سکوت اور ہو کا عالم ہے، جیسے پت جھڑ کے موسم میں کچھ باقی ماندہ پتے ہلکی سی ہوا چلے تو اپنا دامن شاخوں میں چھپا لیتے ہیں، مگر یہ سرد و خشک ہوا پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور اپنی لپیٹ میں سب کچھ اڑا لیجاتی ہے۔

ان نیم واوں آنکھوں میں کونسا انتظار چھپا ہے؟ زندگی کتنے رنگ و زاویے بدلتی ہے، کبھی مثلث بناتی ہے تو کبھی دائرہ مگر انجام سے بے خبر نہیں اور اپنی انتہا کو ضرور چھوتی ہے، جبکہ ہر اک ابتدا کا ایک انجام مقدر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ اگر یہ زندگی مثلث میں سفر کرتی ہے تو اک اٹھان سے شناسا ہوتی ہے اور عروج کا مقام دیکھتی ہے مگر اچانک اسے ڈھلان کا احساس ہوتا ہے اور آخر زوال سے ناطہ جوڑ لیتی ہے۔ اور جب کبھی دائرہ میں سفر کرتی ہے تو پھر ہر لحظہ کروٹیں بدلتی ہے اور وہی سفر دوہراتی ہے اور آخر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ ہر بہار پت جھڑ کو چھوتی ہے اور اپنا انجام خزاں میں دیکھتی ہے یہ صرف اور صرف قدرت کا نظام ہے جو ازل سے رواں دواں اور فنا و بقا کا تسلسل ہے۔

شجر پہ آخری لٹکتا پتہ بھی اس امید میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بہار آ جائے اور وہ پھر سے ہرا بھرا ہو جاوں، مگر فنا اسے اپنی اٹل حقیقت سے روشناس کرواتی ہے جو کہ اسکی اصل منزل اور انجام ہے۔ کیا فنا اتنی ظالم ہے کہ اسکا ہر درس تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں؟

ایسا نہیں ہے! بلکہ حقیقت شناس زاویہ تو ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ہر فنا اک نئی بقا کا نقطہ آغاز ہے۔ ایک ایسا لاثانی آغاز کہ جیسے ہر نئے روز کا چڑھتا ہوا سورج اک نئے دن کی نوید سناتا ہے اور گزشتہ رات کی فنا کا شاندار نظارہ پیش کرتا ہے۔ مگر اکثر ہم اس گزشتہ رات کے دامن میں لپٹی ہوئی نئی صبح کی صدا سننے سے قاصر رہتے ہیں اور رات کی گمنامی میں گم ہو جاتے ہیں۔

زندگی اپنا سفر کبھی نہیں روکتی، کبھی سسکتے صحراوں سے گزرتی ہے تو خزاں کا نظارہ پیش کرتی ہے اور کبھی سرسبز و شاداب وادیوں سے گزرتی ہے تو لطف و کرم کا منظر پیش کرتی ہے اور بہار کا سماں بندھ جاتا ہے یہ سماں بھی کتنا دلربا ہے کہ لحات مسرتوں سے لبریز ہو جاتے ہیں اور لذت کا چشمہ قلب سے جاری ہو جاتا ہے جسکا ادراک صرف اور صرف اس تجربہ سے گزرنے والوں کو ہو سکتا ہے۔ ہر آواز موسیقی کی طرح پردہ سماعت پر وارد ہوتی ہے، زندگی اٹھکیلیاں کرتی نظر آتی ہے، خوشبو کی طرح فضاؤں میں بکھر جانے کو جی چاہتا ہے۔ ممکنات کے دروازے کھلے نظر آتے ہیں جبکہ واہ اور آہ بھی لذت سے معمور ہوتے ہیں۔

اور کبھی زندگی کا گزر سنگلاخ چٹانوں سے ہو تو نئی امنگوں اور توانائیوں کو جنم دیتی ہے اور کبھی ریتلے اور تپتے صحراوں سے ہو تو ہر طرف ہو کا عالم چھا جاتا ہے اور کبھی اسکا گزر گاتی ہوئی آبشاروں سے ہو تو لطف و کرم کے جام انڈیلتی ہے اور کبھی برفیلے پہاڑوں کا سفر درپیش ہو تو سست روی اور تکان کا منظر دکھائی دیتا ہے اور ہر حال میں اپنا سفر جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔

مگر ایک بار تو اسے تپتی دھوپ میں اک سایہ دار درخت کے نیچے رکا دیکھا!!!! کہیں آنکھوں کا دھوکا تو نہیں!!!! وقت بھی رک چکا تھا!!!! یہاں زندگی کو وصل و قربت کی لاثانی لذتوں سے سرشار ہوتے اور الفتوں کے جام انڈیلتے دیکھا۔ لمحوں کو اس لذت آشنائی کے صدف میں گوہر ہوتے دیکھا۔ صدیوں بعد وقت کو ستانے کا موقع حاصل ہوتے دیکھا۔ اجنبی راہوں نے مدت بعد اک شناسا چہرہ دیکھا جبکہ ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ لمحے اپنی موج میں غرق تھے کہ اچانک زندگی نے رخت سفر باندھ لیا اور پھر کبھی نفرتوں کی شاموں میں اور کبھی خوشیوں کے ہنگاموں میں اپنا سفر جاری رکھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ لمحے جو زندگی کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے چلتے ہیں، وہ بھی کب تک؟ آخر کہیں تو انکا سفر ختم ہونا ہے۔ کبھی تو یہ لمحے مسرتوں سے لبریز ہوتے ہیں اور کبھی دکھوں اور اذیت کا مزہ چکھتے ہیں، تو کبھی لطف و کرم کا!!! کیا یہ لمحے پانی کی سطح پہ تیرتے بلبلے کیطرح اپنا وجود ختم کر دیں گے؟ نہیں!! یہ تو جلتی شمعیں ہیں جو دیئے سے دیا جلائے رکھتی ہیں، یہ تو بدلتی رتیں ہیں! اور جو بہاروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ توڑ دو ذہن کی ان حدوں کو جو فنا میں لپٹی بقا کا تصور کرنے سے قاصر ہیں!!! توڑ دوں ان خود ساختہ حد بندیوں کو جو اس آشنائی کے دور میں بھی شناسا ہونے سے روکتی ہیں۔

اس موڑ سے آگے منزل ہے، مایوس نا ہو درتا جا

ایک نوید سحر، اک نئی کونپل آخر کس طرح ممکن ہے؟ اگر زندگی اپنا سفر جاری نہ رکھے تو کچھ بھی ممکن نہیں۔ اگر اک نئی صبح کی آمد آمد ہے تو اک رات بھی اپنے انجام کو پہنچ چکی۔ ہر رات اک نئی صبح دیکھتی ہے اور ہر اندھیرا روشنی کا منہ چومتا ہے۔ ہر لمحہ اک نئی کروٹ بدلتا ہے کیونکہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور ہم ہر لمحہ اک نئی جگہ پہ دریافت ہوتے ہیں۔ ہر ماضی اک نئے حال سے روشناس ہوتا اور ہر حال ایک مستقبل کا ادراک کرتا ہے، ہر بقا اپنی فنا دیکھتی ہے اور ہر فنا کے دامن سے اک بقا کا نمو ہوتا ہے، یہی قانون قدرت ہے اور یہی درس کائنات کے ذرے ذرے کو معلوم ہے۔

بندگی

بندگی یا عبادت سے مراد آخری درجے کی عاجزی و انکساری ہے یعنی بندہ اپنے رب کے سامنے جس عاجزی و تعظیم کی آخری حد کو چھو جاتا ہے اسکا نام بندگی ہے جو کہ تمام جن و انس کا مقصد حیات بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔"

(الذریٰت 51، آیت 56)

انسان کا مقصدِ حیات

اس کائنات میں جو بھی مخلوقات موجود ہیں وہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں اور ہر ایک کو اپنی عبادت کا طریقہ معلوم ہے اور اس میں غرق ہے۔ جمادات (Minerals, Stone بے حرکت کوئی نشونما نہیں، کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ ہی کوئی سمجھ بوجھ)، نباتات (Plant نشونما تو ہے مگر کوئی نقل مکانی نہیں اور نہ ہی کوئی سمجھ بوجھ) اور حیوانات (Animal سب کچھ ہے مگر محدود سمجھ بوجھ اور جبلت کے پابند) اور ایک ہم اللہ تعالیٰ کی شاندار مخلوق جسے ارادہ (Freedom of Choice) اور خود مختاری دی گئی ہے اور ہم جبلت کے بھی غلام نہیں جبکہ ہمیں عقل جیسے انعام سے نوازا گیا ہے کہ جو علم کی روشنی میں دیکھتی ہے اور علم وہ نور ہے جو ہمارا رابطہ کائنات کی اصل سے کروا دیتا ہے۔ اور یہ علم کا ہی کمال ..... کہ ہم اپنی دنیا کی حد بندی کرتے ہیں۔ اسی علم کی بدولت انسان عروج و کمال کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس منزل تک جا پہنچتا ہے جہاں اللہ کا نائب کہلانے کا حق دار کہلاتا ہے۔ جبکہ اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بھی انسان کے پاس ہے۔

مخلوقات اور بندگی

دوسری مخلوقات جو اس کائنات میں موجود ہیں ان کے بارے میں ربّ العزت فرماتے ہیں۔

☆ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور پر پھیلاتے ہوئے پرندے بھی (اسکی تسبیح کرتے ہیں) اور ہر ایک (اللہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو وہ انجام دیتے ہیں'' (نور 24، آیت 41)

☆ ''سورج اور چاند (اسی کے) مقررہ حساب سے چل رہے ہے۔''
(الرحمٰن 55، آیت 5)

☆ ''اور زمین پر پھیلنے والی بوٹیاں اور سب درخت (اسی کو) سجدہ کررہے ہیں۔''
(الرحمٰن 55، آیت 6)

ربّ العزت کو بندے سے عبادت کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اگر ایک طرف دُعا مانگنا عبادت ہے تو دوسری طرف نماز، روزہ، حج، عمرہ، ذکر، قربانی، جہاد، تبلیغ، ہجرت بھی عبادات کے زمرے میں آتے ہیں۔ عبادات ظاہری ہوں یا باطنی مقصد ایک ہے جبکہ دونوں طرح کی عبادت کے جداگانہ ضرورت بھی اہم ہے یعنی ظاہری عبادت کے اپنے ثمرات ہیں اور باطنی کے اپنے اب یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ آیا ربّ العزت کو بندے سے عبادت کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی حالانکہ ربّ العزت کو اس کی ضرورت نہیں۔ اس کائنات میں جاری اللہ کی سنت کو سمجھتے ہوئے زندگی گزارنے کا عمل ہی عبادت کی روح ہے، جبکہ بندہ اپنے ربّ کے سامنے عاجزی و انکساری کرتے وقت اس کیفیت سے گزر رہا ہوتا ہے کہ جیسے گویا اپنے آپ کو تروتازہ

(Neutralise) کررہا ہوتا ہے۔ کیونکہ معاملاتِ زندگی میں سے گزرتے وقت ہم حالات واقعات پر دو اقسام کی رسائی (Approach) رکھتے ہیں یعنی مثبت (Optimistic) اور منفی (Pasimistic) اور اگر ہم کسی شے تک منفی نقطہ نظر یا رویہ سے پہنچ کرتے ہیں تو یہ عمل ہمارے لئے ایک بُرا بیج (Seed) ثابت ہوتا ہے اور اگر اس کو ختم نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ ایک تنا آور درخت بن کر ساری زندگی پر محیط پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ ہماری بد عملیاں اور منفی جذبے اور رویے (حسد، لالچ، مکر، فریب، دھوکہ دہی، نفرت اور خوامخواہ کے خوف وغیرہ) وہ زنگ ہیں جو ہمارے من (قلب) پہ زنگ کی ملمع کاری کی طرح تہہ در تہہ چڑھتے رہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ باہر کی روشنی اندر دکھائی نہیں دیتی اکثر اوقات خوش بختی، سکون اور راحت باہر سے دستک دیتے ہیں اور اندر آنے کا راستہ تلاش کرتے ہیں مگر اندر کے یہ دشمن انہیں گھسنے نہیں دیتے۔

ہر فرد کی اپنی دنیا اور اپنا زندگی کا تجربہ ہے مگر یہ اس بات پر انحصار کرتا ہے کہ آپ کا علم کتنا ہے؟ یعنی جتنا علم زیادہ ہوگا اتنی دنیا بڑی ہوگی اور علم کے مطابق عمل پذیر ہوگا۔ البتہ اگر علمِ نافع ہو تو عمل صالح ہوگا اور اگر علم اس کے تضاد میں ہوگا تو عمل بھی بدعملی کی شکل اختیار کر جائے گا۔ تمام وہ بداعمال جو ایک انسان سے وقوع پذیر ہوتے ہیں ان سے وہ طرح طرح کی پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔ جو کہ نتیجہ میں زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان ملاوٹوں (Impurities) سے چھٹکارا پانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے طرح طرح کے عبادات کے انعامات (Gifts) بھیجے ہیں کہ میرا بندہ اگر انجانے میں مشکلات میں گھر گیا ہے تو وہ اپنی اصلیت اور نارمل حالت میں واپس آجائے۔ جبکہ عبادات وہ اچھے بیج، زاویے اور رابطے ہیں جو ہمیں خوشبختی کی نئی دنیاؤں سے روشناس کرواتے ہیں اور یہ بیج ہمارے اپنے اعمال کے باعث اپنا وجود پاتے ہیں۔ دراصل عبادت میں انسان اپنے اندر کے کل (Thermostat) کو درست کررہا ہوتا ہے۔ اگر ایک طرف نفرت کے کل کو درجہ صفر (ValueZero) پہ لا رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف محبت کو 100 کے درجے پہ لاگو (Set) کررہا ہوتا ہے۔ اسی طرح غم کو اگر صفر درجہ پہ باندھ (Fix) رہا ہوتا ہے تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسری طرف خوشی کو 100 کے درجہ پہ لیجا رہا ہوتا ہے اور اس طرح جذبوں اور رویوں کے Thermostat اپنی اعلیٰ حیثیت پہ قائم ہو جاتے ہیں۔

جدید سائنس اور عبادات

آج کی جدید سائنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انسانی ذہن ایک مقناطیس (Magnet) کی طرح سے کام کرتا ہے اور ہر وہ شئے اپنی طرف کھینچتا ہے جس کے بارے میں انسان سوچ رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ خوشی کے مواقع پر انسان کو ہر طرف خوشی نظر آتی ہے جبکہ غم و پریشانی کے عالم میں دنیا بھر میں کرب اور تکلیف دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ دراصل اسی قانون کے مطابق ہے کہ انسانی ذہن جس سوچ و فکر میں مگن ہے وہ اپنے اردگرد اسی طرح کے حالات و واقعات اکٹھا کرتا جا رہا ہے۔ آپ اسکو ایک ایسا ہی عمل کہہ سکتے ہیں جیسے آپ انٹرنیٹ پر سرچ انجن جیسے Google میں جا کر کچھ تلاش کرنا چاہیں تو سرچ انجن ویب سائٹ آپکو لاکھوں نئی ویب سائٹس لا کر آپ کے سامنے رکھ دے گا مگر یہ تمام ویب سائٹس اس سے ملتے جلتے ہوں گے۔ جو کچھ آپ سرچ باکس میں لکھیں گے اور ملتی جلتی معلومات کا ڈھیر لگ جائے گا۔ اس کو تلازمہ (Like Attracts Like) بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلازمہ خیال اس وقت کام کرتا ہے جب کسی بات، لفظ، فکر کو ذہن میں تصور (Visualize, Imagine) کر کے بے خیال (Free Mind) ہو جائیں یا پھر اسکی تکرار کرتے ہیں اور نتیجہ میں اسکے ثمرات حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک صفاتی نام ''السلام'' (The Source of Peace) جب کسی زبان سے ادا ہوتا ہے یا ذہن سے تصور کیا جاتا ہے تو کائنات سے سلامتی، امن کا رجوع اس انسان کی طرف رابطہ (Channel) بنتا ہے جبکہ اس کے ثمرات صحت و سلامتی کے باعث بنتے ہیں۔

بندگی کے ثمرات

عبادات میں دراصل انسان کے اندر Write / Read کا عمل وقوع پذیر ہو رہا ہوتا ہے اگر ایک طرف توبہ گناہوں اور بدعملیوں کے اثرات کا قلع قمع کر رہی ہوتی ہے تو

دوسری طرف مثبت جذبے اور رویے اپنے اعلیٰ درجوں پہ (Optimum Level) پہ قیام پذیر ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کے ثمرات ہماری زندگی کو حالت مثبت (Optimism) کی طرف لیجا رہے ہوتے ہیں۔ انسان کی تمام پریشانیاں اور تکالیف اسکے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں جبکہ عبادت ایک ایسا عمل ہے جو کہ انسان کو واپسی کی طرف لانے کا موجب بنتا ہے جس کے باعث ایک انسان اپنے قلب و سوچ کو شفاف کرتا ہے جو کہ منفی سوچ اور عمل کے باعث زنگ آلودہ ہو چکا ہوتا ہے۔ جب زندگی کے تسلسل کا عمل چلتا ہے تو انسان خیر و شر دونوں کے درمیان زندگی گزارتا ہے اور عبادات جو کہ اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہیں ایک انسان کو اس کے زندگی کے تسلسل کو قدرتی انداز میں رکھنے کا باعث بنتی ہیں۔ جبکہ بندہ اپنے ربّ کے سامنے عجز و انکساری کر رہا ہوتا ہے اور اس کے اندر کی حالت بھی تبدیل ہو رہی ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ انسان اپنے ربّ کی نعمتوں کا شکر ادا کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اللہ بندے کے گناہوں کو بخش دے، صالحین میں شامل کرے اور دنیا میں خاتمہ ایمان پہ ہو اور آخرت میں بخشش عطا فرمادے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدابِ دعا

اللہ کے سامنے بندہ جس عاجزی و تعظیم کی آخری حد کو چھو جاتا ہے اسکا نام بندگی ہے یا عبادت ہے جو کہ تمام جن وانس کا مقصد حیات بھی ہے؛ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے کہ ''دعا عبادات کا مغز ہے''۔ یہ بندہ اور رب کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا'' (المومن، آیت 60)

دعا صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے کیونکہ حاجت روائی اور کارسازی کے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور ساری مخلوق اسکی محتاج ہے جبکہ اس کے سوا کوئی نہیں جو بندوں کی پکار سنے اور انکی دعا قبول کرے۔ دعا نہ مانگنا تکبر کی علامات ہے کیونکہ یہ واضح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ دعا نہ مانگ کر تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہونگے جبکہ انسان کو اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کیلئے اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے کہ یا اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے' یا اللہ! تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما' بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال و دعا کرے، کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے

والا اور اس پر دباؤ ڈالنے والا نہیں۔'' (متفق علیہ)

''چاہئے کہ وہ (مانگنے والا) خوب رغبت اور توجہ کے ساتھ دعائیں کرے کیونکہ کوئی چیز عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔''

(صحیح مسلم)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دعا میں استثنا کی ممانعت ہے یعنی یوں نہیں کہنا چاہیئے کہ ''یا اللہ'' تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے۔

دعا انتہائی عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ مانگنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے سچے دل سے دعا کی جائے۔ اللہ ایسی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل اور بے پرواہ کے دل سے نکلی ہو۔''

جب کوئی ضرورت مند اللہ تعالیٰ سے اس نیت سے دعا مانگتا ہے کہ میری مصیبت کو ختم کرنے والا اور میری حاجتوں کو پورا کرنے والا صرف اللہ ہے جو رحیم و کریم ہے؛ وہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اور تمام جہانوں کے خزانے اس کے قبضے میں ہیں اور وہ جسے عطا کرنا چاہیئے عطا کرتا ہے؛ اور جس سے چھیننا چاہے اس سے چھین سکتا ہے؛ تو اس کی مراد ضرور پوری ہوتی ہے اور اگر نہیں بھی پوری ہوتی تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے دعا میں ہم وہ کچھ مانگ رہے ہوں جو ہمارے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہوں؛ البتہ دعا مانگنے کا اجر اس شخص کو آخرت میں ضرور ملتا ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔

اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔'' (القرآن)

دعا مانگتے وقت اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینا ایک اچھا عمل ہے جبکہ دعا میں اللہ کو اسکے اچھے اچھے ناموں سے بھی پکارو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اس کے ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں ان کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھوڑ دو: وہ جو کچھ کر رہے ہیں؛ عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔"

(الاعراف:180)

"کہہ دو کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے)
جس نام سے پکارو؛ اس کے سب نام اچھے ہیں۔" (الاسراء:110)

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں، دکھ سکھ میں، خوشی اور غم میں؛ صحت اور بیماری میں پریشانی اور خوش حالی میں؛ ہم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔ اپنے حالات میں سے ہم جس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اپنے حالات اور اپنی دلی کیفیات کے اعتبار سے اس کے "اسماء الحسنیٰ" میں سے کوئی اسم پاک بے اختیار ہماری زبان پر آ جاتا ہے۔ جو ہماری حالت و کیفیت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی رزق کی تنگی میں مبتلا ہے تو اس کی زبان پر بار بار اللہ کا اسم پاک "رزاق" ہی آئے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی نہیں جو رزق کی تنگی کو دور کر کے اسے رزق عطا فرمانے لگے۔ اس لیے کہ اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور مضبوط ہے۔" (الذاریات:85)

پیارے نبی رسول اللہ ﷺ کے حضور درود و سلام سے زبان کو تر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ رسول اللہ ﷺ کے طفیل اپنا کرم فرمائے اور امان میں رکھے۔

اور اپنے پیر و مرشد؛ یعنی اپنے والدین کی خدمت کریں اور انکے لیے دعا ضرور مانگیں، ان سے بڑا کوئی خیر خواہ نہیں، اپنے بچپن کی وہ خوبصورت یادیں جو صرف والدین کی مہربانیوں اور شفقت کے باعث تھیں صرف ایک بار انکا تصور ضرور کریں۔ اور اپنے رب سے وہ سب کچھ مانگ لیں جسکا کہ آپ تصور کر سکتے ہیں مگر اس یقین کے ساتھ اس سے بڑا دینے والا کوئی نہیں اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتا ہے؛ اور اپنی دعاؤں میں مجھے ضرور یاد رکھیں کہ رب العزت ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما دے!

بقول میاں محمد بخش صاحب:

جے ویکھاں اپنے عملاں ولے تے کجھ نئیں میرے پلے
جے ویکھاں تیری رحمت ولے تے بلے بلے بلے

نسبت اور لذت آشنائی

زندگی کے لمحے نہ گنو بلکہ لمحوں میں زندگی تلاش کرو کیونکہ یہ تو وہ شمع ہے جو اِک بار جل جائے تو بجھتی نہیں بلکہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ دیے سے دیا جلائے بٹتی چلی جاتی ہے۔ یہ روشن چراغ اگرچہ تمام دنیا کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے مگر اپنے اِردگرد اندھیرا بھی نہیں ہونے دیتے۔ خودی (میں، Self) کا دیا تو نسبت کی لو سے روشن ہوتا ہے۔

پھولوں کو خوشبو کی نسبت نے باقی کر دیا تو کانٹوں کو اذیت کی نسبت نے فانی بنا دیا؛ جبکہ لمحوں کو زندگی سے نسبت ہوئی تو دو ممکنہ راہوں کے مسافر بنے۔ کچھ نا آشنائی کے راہوں پہ چل کر بے نشاں منزل کی راہ میں گم ہو گئے؛ ناہموار؛ سنسان؛ غیر شفاف؛ بے ذائقہ؛ بے رنگ اور اذیتوں سے بھرپور گھاٹیوں کا پانی پیا اور بحرِ زندگی میں پرکاہ کی مانند بہتے طوفانوں کے تھپیڑے کھاتے کسی انجانے گرداب میں دھنستے اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہو کر فنا تک جا پہنچے۔ اور کچھ لمحے شناسائی کی لذت سے سرشار ہو کر محفوظ ہوئے اور اطمینان کی سرسبز و شاداب وادیوں کے راہی بنے؛ جبکہ ہموار؛ خوش ذائقہ؛ خوش رنگ "شفاف" مسرتوں سے لبریز گھاٹیوں کا پانی پیا اور بحرِ زندگی سے عافیت و کامیابی کے ساحل تک پہنچ کر باقی ہو گئے۔

کبھی پانی کی نسبت ہواؤں سے ہوئی تو بادل بنے؛ اور کبھی پانی کی نسبت دریا سے ہوئی تو موج نے جنم لیا؛ کبھی ہواؤں کی نسبت بادلوں سے ہوئی تو گھٹاؤں نے جنم لیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر روشنی کی نسبت خورشید سے ہوئی تو کرنوں نے جنم لیا اور کبھی روشنی کی نسبت ماہتاب سے ہوئی تو چاندنی بن گئی۔ اگر ہواؤں نے صبح سویرے کی نسبت حاصل کی تو نسیم سحر بن گئیں۔

نسبت بھی کیا رنگ بکھیرتی ہے؛ ایک ہی مقام کی مٹی کندن بن کر اگر خیر کی ہمسفر بنتی ہے تو باعث برکت بن جاتی ہے اور اگر شر کی ہمسفر بنتی ہے تو باعث زحمت بنتی ہے۔ اس نسبت کے کیا کہنے جسکے باعث ایک طرف پتھروں کو مقام رحمت بنا دیا تو دوسری طرف مقام ذلت؛ یہ سب کچھ نسبت کا ہی کمال ہے۔

زندگی کی کٹھن راہوں پر اور بھول بلیوں میں اگر نسبت کا عمل دخل نہ ہو تو منزل کسطرح معلوم ہوگی؟ یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بندوں کی زبان سے بیان کی ہے کہ

"تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ انکا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان کا راستہ
جن پر تیرا غضب ہوا؛ اور نہ ہی گمراہوں کا راستہ۔" (الفاتحہ 5،6،7)

یعنی اللہ کے انعام یافتہ بندوں کا راستہ اگر ہمیں مل جائے تو منزل مل جاتی ہے ورنہ گمراہی اور یہ نسبت کا ہی کمال ہے کہ راہی منزل پاتا ہے۔ جبکہ بندہ کی اپنے رب سے نسبت کلمہ کے باعث ہے۔

لا کہ ہر شے کی نفی اور ہر نسبت ناطہ توڑا یہ پہلا مقام؛ اور پھر اللہ سے نسبت جوڑی کہ وہی معبود برحق ہے یہ دوسرا مقام؛ اور اللہ سے نسبت جوڑنے کے بعد اگلا مقام......

دیدۂ دل واء کیجئے کہ مقام آگہی ہے اور کہیں بے خبری میں گزر نہ ہو جائے!!!
خیر یعنی اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی نسبت کا مقام بھی عجب ہے۔
اگر کتے کی نسبت خیر سے ہو تو جنت کا باسی بنتا ہے!
پانی کی نسبت خیر سے ہو جائے تو آب زم زم بن جاتا ہے!
پہاڑوں کی نسبت خیر سے ہو جائے تو کبھی صفا و مروا اور کبھی کوہ طور بن جاتے ہیں!
جن راہوں کی نسبت خیر سے ہو جائے تو وہ راہیں طواف بن جاتی ہیں!

مگر ایک اور بھی نسبت ہے کہ قلم میں اس کو بیان کرنے کی سکت نہیں۔ ان الفاظ کے موتیوں کو تحریر کی لڑیوں میں پرونے سے قبل گھنٹوں رقت طاری رہی اور پھر جا کر ہمت پیدا ہوئی۔ (اگر لکھنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے)

اگر لفظوں کی نسبت کالی کملی ﷺ والے سے ہوئی تو وہ قرآن بن گئے!
اگر خطہء زمیں کی نسبت آپ ﷺ سے ہوئی تو وہ مکہ اور مدینہ بن گئی!
وہ گنبد جو آپ ﷺ کی نسبت میں آ گیا وہ گنبد خضرا بن گیا!
اگر علی ◆ کی نسبت آپ ﷺ سے ہوئی تو علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ بن گئے!
اگر ابوبکر ◆ کی نسبت کالی کملی ﷺ والے سے ہوئی تو ابوبکر صدیق ◆ بن گئے!
وہ مقام جو کالی کملی ﷺ والے کو پسند آ جائے مقام مسجود، یعنی قبلہ بن جاتا ہے!
اور وہ بے ادب، جسکی آواز آپ ﷺ کو ناگوار گزرے، تو اسکا ایمان بھی غارت و برباد ہو جاتا ہے کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلتا! (سورت الحجرات: 2)

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

نسبتِ سرکار میسر ہو تو نہاں خانہء دل بھی منور ہو جاتا ہے، نسبت ہی دین ہے، نسبت نہیں تو دین بھی نہیں، نسبت کے بغیر تو نماز نماز نہیں بنتی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ "اقیموا الصلوۃ" نماز پڑھو اپنی عربی دانی پر نازاں فصحاءِ عرب متحیر کھڑے ہیں کہ حکم صلوہ کیسے بجا لائیں، نہ طریقِ صلوہ بتایا گیا اور نہ ہی تعدادِ رکعات بتائی گئیں، فصاحت و بلاغت دیارِ یار کی طرف دیکھ رہی ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں، نسبتِ محبوب کے بغیر فرض کی بجا آوری کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ سکوتِ محض میں بالآخر ایک نحیف آواز مرتعش ہوتی ہے، فصاحت و بلاغت سوالی بنکر مفہومِ لغت جاننا چاہتی ہے، سوال ہوتا ہے "کیف نصلی یارسول اللہ" آقا ہم کیسے نماز پڑھیں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ اس فریضہ کو کیسے ادا کریں۔ پورا قرآن خاموش ہے، الحمد سے والناس تک کہیں بھی ادائیگی کا طریقہ بیان نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا گیا۔ جواب آتا ہے ، " صلوا کما رایتمونی اصلی" مجھے دیکھو جس طرح میں پڑھتا ہوں ویسے ویسے تم بھی پڑھ لو۔

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یعنی میری اداؤں کی ترتیب کو یاد کرلو جس طرح میں کرتا ہوں ویسے ویسے کرتے چلے جاو تمھاری نماز بن جائے، لہٰذا نسبتِ محبوب کے بغیر نماز نماز ہی نہیں ہے، نماز تو محبوب کی اداوں کا نام ہے، جس محبوب کی ادائیں رب کی عبادت بن جائیں، اس محبوب کے خیال سے رب کی عبادت میں خلل کیونکر پڑ سکتا ہے؟ کسی عاشق سے پوچھو کہ یہ ماجرا کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ یہی نسبت ہے۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے ہوش کب تھا سجود کا
ترے نقشِ پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

نسبت کا مقام جاننا چاہتے ہو تو ذرا مناسک حج کی طرف بھی دیکھو، دورانِ حج کیا جانے والا ہر عمل کسی نہ کسی کی یاد کو زندہ رکھنے کی سعی ہے، ذرا صفا و مروہ کو دیکھو جن کے بارے میں ارشاد ہوا: "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" کہ صفا و مروہ میری نشانیاں ہیں۔ میری نشانیاں؟ مگر کیسے؟ باری تعالیٰ کیا کبھی تو ان پر اترا، کیا کبھی ان پر چلا؟ چڑھنا اترنا، یمین و یسار تو مخلوق کے لیے ہیں اور تو تو وراء الوراء۔ پھر یہ صفا و مروہ تیری نشانیاں کیونکر اور کیسے؟ جواب آیا میرے بندے یہی تو سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں ان علائق بشریہ سے پاک ہوں، مگر جہاں میرے محبوبوں کے قدم لگ جائیں، اس جگہ کو میں اپنی نشانیاں بنا دیتا ہوں۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ: والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ: کہ قربانی کے جانور جو تم اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو، اس نسبت کی وجہ سے وہ بھی اللہ کی نشانیاں بن جاتے ہیں۔ یہاں پر تو کرم کی یہ انتہا ہے کہ اگر جانور محبوب سے منسوب

ہو جائیں تو اللہ کی نشانیاں بن جاتے ہیں تو پھر کیا خیال ہے ان بندوں کے بارے میں کہ جنھیں دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے؟

حج کی تیاری کی تو خاص لباس کا حکم آ گیا کہ ان سلا لباس پہنوں؟ آخر کیوں؟ سلے ہوئے کپڑے میں زیادہ ہے حفاظت ہے، تو ان سلا کیوں؟ جواب آیا یہ میرے ابراہیم کی سنت اس کی نسبت کو نبھاو، آپ نے احرام باندھ لیا پھر کہا کہ خبردار "اضطباع" بھی کرنا، یعنی دایاں کندھا ننگا رکھنا، باری تعالیٰ میں تو بڑا امیر ہوں، مکمل جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا خرید سکتا ہوں، پھر کندھا کیوں ننگا کروں؟ جواب آتا ہے طواف کرتے ہوئے میرے ابراہیم کا کندھا بھی ننگا تھا، بس نسبتِ خلیل کو زندہ کرو۔ جناب طواف کرتے ہوئے پہلے تین چکر اکڑ کر، شانے ہلا ہلا کر تیزی کے ساتھ چلا جاتا ہے اسے "رمل" کہتے ہیں۔ جناب اکڑ کر چل رہے ہو اور وہ بھی خدا کے گھر میں؟ آخر کیوں؟ اسی خدا کا تو حکم ہے کہ "و لا تمش فی الارض مرحا" کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ یہ کیا ہے کہ خدا کو منانے کے لیے آنے والے آج اسی کے گھر میں، میزاب رحمت کے نیچے، حطیم کے اردگرد اکڑ کر چل رہے ہے، آخر وجہ کیا ہے؟ جواب آتا ہے ذرا میرے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فاتحانہ شان کیساتھ مکہ میں داخلہ تو دیکھو، جب کل کفار و مشرکین اردگرد کھڑے ہو کر جانثار صحابہ کو دیکھ رہے تھے تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ طواف کرتے ہوئے پہلے تین چکر اکڑ کر چلو تا کہ کفار کے دلوں پر تمھارا رعب و دبدبہ طاری ہو جائے، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان و ادا رب تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اب اکڑ کر چلنا حج کا حصہ بن گیا، آج بھی وہ نسبتِ یار زندہ ہو رہی ہے۔ ذرا آگے چلیے، طواف سے فارغ ہوئے تو حکم آ گیا کہ "وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقام نماز بنالو" مگر کیوں؟ جواب آیا مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو ابراہیم علیہ السلام نے مجھ سے میرے حبیب کو مانگا تھا، اس پتھر کی نسبت دعائے میلادِ محبوب کے ساتھ ہے، بس اس نسبت کو زندہ کرو۔ ذرا آگے چلے پھر حکم آ گیا کہ حجر اسود کو بوسہ دو۔ حجر اسود کو بوسہ؟ مگر کیوں؟ میں ایسا کیوں کروں، جواب آیا، یہ نسبت والا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پتھر ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ اے حجر اسود "انی اعلم انك حجر لن تضرنی ولا تنفع" میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ مجھے نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، " ماقبلتك " میں تمھیں ہرگز نہ چومتا، مگر پھر بھی چوم رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ " ولولانی رایت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقبلك ثم قبله" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمھیں چومتے ہوئے دیکھا تھا، پھر آپ نے بوسہ لیا۔

اس کائنات کی نسبت اک آواز سے ہے، جس سے ہم آواز ہو کر اس کائنات کا ذرہ ذرہ ارتعاش (Vibration) میں ہے، اور ایک محبت؛ نسبت کی طاقت ہے جو سب کو باندھے ہوئے ہے، آیئے اس آواز سے ہم آواز ہو کر اس نسبت لاثانی سے ہمکنار ہو جائیں اور اس کائنات کی آواز کو سمجھیں اور اس محبت میں غرق ہو کر لذت لاثانی سے سرشار ہو جائیں۔

ان اللّٰه و ملائکته یصلّون علی النبی یا ایها الذین آمنوا
صلّوا علیه وسلّموا تسلیما (القرآن)
"بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے بھی آپ ﷺ پر درود وسلام
بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجو۔"
اللهم صلی علی محمد النبی الامی وعلی آله واصحابه وبارك وسلم۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

رشتے چاہتوں کے

مذاہب عالم ہوں یا انسانیت کی نہج، ہر حال میں میاں بیوی کے رشتے کی قدروں اور اصولوں کی پاسداری کا تعین کیا جاتا ہے اور اگر ان کو عملی زندگی میں شامل رکھا جائے تو یہ رشتے کبھی بھی کسی کڑواہٹ کی بھینٹ نہیں چڑھتے۔ نہ صرف گھر کا سکون بلکہ روزمرہ کے معمولات بھی کسی بھی فرد کی گھریلو زندگی پر تکیہ کیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک مرد جب اپنے گھر سے صبح توانائی کے سو پیکٹ لیکر نکلتا ہے تو رات واپس آنے تک تقریباً سب خرچ کر چکا ہوتا ہے اور اگر اسکو گھر پر خوش آمدید کہنے والا نہ ہو، اسکی تکان اور راحت کا خیال رکھنے والا نہ ہو تو اگلے روز توانائی کی نئی امنگوں کا فقدان اسکے روزمرہ کو متاثر کرتا ہے کیونکہ اسے اگلے روز خالی ہاتھ جانا پڑتا ہے، جبکہ یہ سلسلہ اگر قائم رہے تو معاملات روزگار تو ایک طرف، ذہنی اور جسمانی صحت کے فقدان کا باعث بنتا ہے۔

اسلم لودھی صاحب کی تحریر "وفاؤں کا حصار" نظروں سے گزری جسے ایک مثالی، گھریلو زندگی کا حسین باب کہہ لیں تو بجا ہوگا۔ اس تحریر میں نہ صرف جناب کی زوجہ محترمہ کا انکے لئے پیار، خلوص اور ذمہ داری پہلو دیکھنے کو ملا بلکہ جناب کی مروت اور چاہت کا ایک حسین امتزاج دیکھنے کو نظر آیا، جبکہ انکی بصیرت اور غیر جانبداری کا پہلو بھی پیش پیش رہا۔ ایک مثالی بیوی کے ہوتے ہوئے گھر جنت کی نظیر ہوتا ہے اور ایسے شہکار جناب کی زندگی کے ہر موڑ پر انتظار فرما رہے ہوتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلاشبہ یہ تحریر اسلم لودھی صاحب کی گھریلو زندگی کے مثالی پن اور قابلِ تقلید پہلو کو سموئے ہوئے میاں بیوی کے خوبصورت بندھن کا ایک حسین شہکار پیش کر رہی ہے، اللہ انکا زورِ قلم اور زیادہ کرے۔ نوائے وقت کے کالم نویس جناب اسلم لودھی صاحب کی زیرِ طبع کتاب ''وفاؤں کا حصار'' کیلئے مجھ سے جناب نے آرا مانگی تو مجھے احساس ہوا کہ جناب کتنا اہم کام انجام دے رہے ہیں۔

رشتہ کوئی بھی ہو، چاہتوں اور کڑواہٹوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو پلہ ہمیشہ چاہتوں کا بھاری رہتا ہے، کیونکہ نفرت یا کڑواہٹ بھی محبت کا ہی دوسرا نام ہے۔ رشتے عموماً ردِعمل کی ڈوری سے بندھے ہوتے ہیں جو کہ ہمارا دوسروں کیلئے رویہ پیدا کرتا ہے اور آگے چل کر یہی ایک ربط ثابت ہوتا ہے جو رشتوں کو نفرت یا محبت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ رشتوں کی نزاکت کا احساس اس وقت جنم لیتا ہے جب کبھی وہ ہم سے دور ہو جاتے ہیں یا پھر روٹھ جاتے ہیں۔

اکثر دوسرے ہم سے چاہت کا اظہار کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں مگر ہماری لاپرواہی کی بھینٹ چڑھ کر نفرت میں بدل جاتے ہیں، اس مرحلے پر جذبے انگڑائی لیتے ہیں اور رشتوں کا تعین ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی عادت اپنا رنگ دکھاتی ہے اور انسان انجانے میں اپنے دوستوں یا دشمنوں کو بڑھا رہا ہوتا ہے۔ دوسروں کو اہمیت دینا، انکی ضرورتوں کا خیال رکھنا، انکے لئے وقت نکالنا، موقع مناسبت سے تحفے تحائف دینا، تکلیف کے وقت مدد کرنا اور بے لوث روابط رکھنا ایسی عادات ہیں کہ ان کو اپنانے والا انجانے میں دوسروں کے دل میں بھی جگہ بنا لیتا ہے جبکہ اسکے برعکس عادات کا شکار فرد ہمیشہ رشتوں کی کڑواہٹ کے بھینٹ چڑھا رہتا ہے مگر ناسمجھ کا ناسمجھ رہتا ہے۔

خوشیاں تو چھوٹی چھوٹی تتلیاں ہوتی ہیں جو محبتوں کے گلوں پر آسرا کرتی ہیں اگر نفرتوں کے کانٹوں سے گزر ہو تو کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہیں۔ جبکہ محبتوں اور چاہتوں کے آنگن سدا خوشیوں سے بھرے رہتے ہیں اور انکو جتنا بانٹا جائے بڑھتی جاتی ہیں۔ زندگی کبھی خوشیوں کے سائے میں اور کبھی نفرتوں کی شاموں میں سفر جاری رکھتی ہے۔ کئی بار تو ایسے بھی

ہوا ہے کہ رشتوں کی قدروں کو پامال کیا جائے تو خوشیاں روٹھ جاتی ہیں اور انسان انکو منانے کی تگ ودو میں زندگی کے ماہ وسال گنوا دیتا ہے۔ رشتوں کا تقدس انکی قدروں کی پاسداری ہے اور ہر رشتہ اپنی منفرد نوعیت کے باعث ایک جداگانہ اہمیت کا حامل ہے۔ ہر انفرادی رشتہ اپنی ایک علیحدہ پہچان رکھتا ہے اور یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں کہ ہر رشتے کو ایک جیسے رویے اور سلوک سے دوچار کیا جائے بلکہ ہر نوعیت ایک جداگانہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور خصوصی توجہ کی طلبگار رہتی ہے۔

افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا سکون اور راحت کا دارومدار باہمی چاہت پر منحصر ہے اور یہ صرف ایک ہی طور ممکن ہو سکتی ہے کہ دوسروں کو اہمیت دی جائے، مساوات، ایثار اور قربانی کے جذبے کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس نیٹ ورکنگ اور شیئرنگ کے دور میں ہم دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک افراد سے روابط پیدا کرتے ہیں مگر کئی بار اپنے اردگرد بسنے والوں کو نظرانداز کر جاتے ہیں جو جیتے جاگتے ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ بہت سے رشتے اس ماورائی دینا، انٹرنیٹ کے بھینٹ بھی چڑھ رہے ہیں۔ اس مصنوعی دنیا نے نہ صرف افراد کی جیتی جاگتی دنیا کی جگہ لے لی ہے بلکہ بہت سے قریبی روابط کو بھی دیمک کیطرح چاٹ رہی ہے۔ اس مہمل زندگی میں جب عہد وپیان کا سلسلہ چل رہا ہوتا ہے تو اسی اثناء کسی قربت کا جگر بھی چھلنی ہو رہا ہوتا ہے۔ تصویریں، آواز اور انٹر ایکٹیو ذرائع کیا اس ایک لمس کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو کبھی بادِ صبا بنتا ہے اور کبھی بادِ نسیم؟

جس طرح بہتا پانی شفاف اور تازہ رہتا ہے اسی طرح رشتے بھی روانگی مانگتے ہیں، اور تسلسل کا پانی انہیں شاداب رکھتا ہے۔ عمر، رنگ ونسل سے بالاتر ہر رشتہ ایک انمول موتی ہے جو رویوں کے مالا میں پرو کر الفت کے کھونٹی پر لٹکایا جاتا ہے اور کبھی کبھی لمحہ تنہائی میں گذشتہ ایام کو جیا جاتا ہے تو احساس کا آنگن یادوں کی مہک سے لبریز ہو جاتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامیابی یا ناکامی، کیا ایک عادت ہے؟

کچھ لوگ زندگی انتہائی کامیابی سے گزارتے ہیں اور کچھ اکثر ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں جبکہ بار بار ناکامی سے دوچار ہونے پر مایوسی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں جو کہ اگے چل کر انسانی ذہن کو نہ صرف محدود بلکہ مفلوج بھی کر دیتی ہے جبکہ اس بات کا دارومدار افراد کی عادات پر ہے، کیونکہ عادات ہی وہ مروجہ طریق کار ہیں جن کی روش پر افراد خود بخود بہتے چلے جاتے ہیں۔

انسانی عادات کردار اور رویوں کی وہ روزمرہ ہیں جو کہ تسلسل کے ساتھ دہرائی جاتی ہیں اور غیر ارادی طور پر وقوع پزیر ہوتی ہیں جبکہ انکے سرزد ہونے میں افراد شعوری طور شامل نہیں ہوتے۔ عموماً جو رویے عادتاً رونما ہوتے ہیں اکثر اوقات بے خبری کے باعث نظر انداز رہتے ہیں، کیونکہ یہ اکثر غیر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ روزمرہ کے کام کاج پر توجہ بھی شامل حال رہے۔

خوگیری (عادی ہونا) سیکھنے کے عمل کی انتہائی سادہ قسم ہے جس میں ایک جسمانی عضو محرک کے افشا ہونے پر اپنا ردعمل ترک کر دیتا ہے جبکہ عادت بعض اوقات جبری صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ عادات اپنی ساخت اور بناوٹ کے حوالے میں ایک ایسا عمل ہیں جنکے بل بوتے پر رویے ہمیشگی اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ رویے یکساں طور پر ایک ہی ماحول میں دہرائے جاتے ہیں لہذا اس ماحول اور عمل (عادت کا رونما ہونا) میں ایک اضافی

تعلق بڑھ جاتا ہے۔ اور یہی بڑھوتی آگے چل کر اسی جیسے ماحول میں رویوں کے خود بخود ہونے کے عمل کا باعث بنتی ہے۔ خود بخود رونما ہونے والے رویوں کی خصوصیات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو قابلیت، بے آگاہی، بلا ارادہ، اور غیر تنظیمی عوامل جنم لیتے ہیں۔

عادات کا تشکیل پانا دراصل ایک ایسا عمل ہے جسکے باعث یہ پختگی اختیار کرتی ہیں، جبکہ ایک نظریہ کے مطابق ایک فرد کیلئے کسی بھی عادت کو اپنانے یا ترک کرنے میں اکیس روز درکار ہیں۔ مثبت رویے اچھی جبکہ منفی رویے بری عادات کے نمونے ہیں البتہ بعض اوقات عادات ماضی کی کسی جستجو کا نقشِ قدم بھی ہو سکتی ہیں۔ بری عادات میں تاخیر، فضول خرچی، عجلت، بے قراری وغیرہ شامل ہیں۔

قوتِ ارادی ایک ایسا عنصر ہے جو بری عادت، نشہ اور ذہنی مرض میں تفریق پیدا کرتا ہے، لہٰذا اگر یہ دکھائی دے کہ ایک فرد اپنے رویے پہ قابو پا سکتا ہے تو یہ ایک عادت ہے ورنہ بیماری۔ زندگی کے بلند مقاصد قابل ستائش ہوتے ہیں جنکے باعث بری عادات کے اثرات پر قابو پایا جا سکتا ہے جبکہ زیادہ تر عادات مغلوب رہتی ہیں تا کہ مکمل اختتام پذیر ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسا ہی عمل ہی جیسے ایک لکڑی کے تختے پر جڑے ہوئے کیل کے سر پر ایک اور کیل ٹھونک دیا جائے، اور جیسے جیسے پہلا کیل باہر کو نکلتا ہے دوسرا اپنی جگہ بناتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ دوسرا کیل پہلے کی جگہ لے لیتا ہے۔

ویسے عادت کو شروع ہوتے ہی دبوچ لینا چاہیے تا کہ وہ پھل پھول نہ سکے، اسی لیے بچپن کا وقت عادات کو سلجھانے کیلئے بہترین خیال کیا جاتا ہے۔ مگر عمر کے کسی بھی حصے میں عادات سے نبٹا جا سکتا ہے کیونکہ آج کی مائنڈ سائنس نے کچھ نئے طریقہ کار وضع کئے ہیں جنکے باعث با آسانی کسی بھی بری عادت سے چھٹکارہ حاصل کیا جا سکتا ہے جن میں سے ان ایل پی کا طریقہ کار کافی مددگار ثابت ہوا ہے، البتہ خود تنویمی عمل کے فوائد بھی کسی طور کم نہیں ہیں، بہرحال کسی بھی طرح کی راہ نمائی کیلئے رابطہ کر سکتے ہیں۔

کھانے پینے اور رہنے سہنے کی عادات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو بیماری بھی چند ایک بری عادات کا شاخسانہ ہے۔ جبکہ کامیابی اور ناکامی بھی ایسی عادات پر تکیہ کئے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں جنکے باعث افراد یا تو اپنے اذہان کو کامیابی کیطرف گامزن رکھتے ہیں یا پھر ذہن کی حد بندی کر کے اپنے آپ کو خواہ مخواہ محدود کرتے ہیں اور ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ کامیاب لوگ اگر ایک طرف اپنا مطمع نظر بلند رکھتے ہیں تو دوسری طرف چند ایک ایسی عادات بھی اپنائے ہوئے ہوتے ہیں جو انکو اپنے مقاصد زندگی حاصل کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں۔

چند ایک تحقیقات اور عادات:

ذہنی دباؤ کم کرنے کیلئے مطالعہ اچھی عادت ہے۔

صرف اچھی طرح ہاتھ دھونے کی عادت سے پچیس سے چالیس فیصد مریض ٹھیک ہوسکتے ہیں۔

پاکستان کا دنیا سے بھیک مانگنا ایک عادت ہے۔

موبائل فون پر بہت زیادہ میسج تحریر کرنے کی عادت انگوٹھے کے درد کا باعث بن سکتی ہے۔

انٹرنیٹ زیادہ استعمال کرنے کی عادت پڑھائی سے غافل کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

بھرپور نیند کی عادت سے سر درد کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔

لفظ پڑھنا تو میری عادت ہے
تیرا چہرہ کتاب سا کیوں ہے

اکیس دسمبر 2012

کیا زمین پر زندگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہوگی؟

ایک نظریاتی دھوکا: ایک مفروضات پر مشتمل التباس، جس کی کڑیاں چند ایک خود ساختہ سائنٹفک حقائق پر مشتمل ہیں۔ جیسا کہ دنیا جہاں کے سائنسدان اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ کیا زمین پر زندگی اپنے اختتام کے قریب ہوتی جا رہی ہے؟ جبکہ کچھ مفروضات یہ بھی ہیں کہ انسان خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے انجام سے دوچار ہوگا؛ مزید برآں کچھ مفروضات یہ ہیں کہ اختتام بھی مظاہر قدرت میں سے ایک مظہر ہے؛ اور اسی طرح مذاہب کے گروہوں میں یہ سوچ ہے کہ اللہ ہی زمین پر دنیا کا نظام ختم کرنے کو ہے۔

بہر حال سوچ کچھ بھی ہو نظریات کچھ بھی ہوں حقائق کے ماخذ اپنی دورخی پر گامزن ہیں؛ کیونکہ انسانی زندگی جن تجربات سے گزرتی ہے انکے پیش نظر کچھ نہ کچھ مفروضات ضرور قائم کیے جاتے ہیں یا پھر الہامی ذرائع کی روشنی میں نظریات اپنا وجود پاتے ہیں۔ بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو آج جبکہ یہ عقیدہ جنم لے چکا کہ دنیا اپنے انجام کو پہنچ چکی اور 12 دسمبر 2012 عیسوی کیلنڈر کا وہ دن ہے کہ جس دن زمین پر زندگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہوگی، مگر اسکے منطقی انجام پر جو نت نئے مفروضات پیش کئے جا رہے ہیں ان کا سب سے پہلے جائزہ لیتے ہیں کہ اس نظریہ کا مفاد کس مکتبہ فکر کو بلاواسطہ پہنچے گا اور اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ضمن میں بننے والی فلم جو کہ آج دنیا بھر کے سینما گھروں میں نمائش کیلئے پیش کر دی گئی ہے؛ اسکا درون پردہ کیا کردار ہے؟ البتہ پیشتر اسکے کہ ان مراحل سے گزرا جائے؛ ایک اور اہم بات کا جائزہ بھی ضروری ہے کہ اس بساط پر مہرے کون سے پٹ رہے ہیں اور کھلاڑی کون سے ہیں؟

چند ایک حقائق کی آنچ سے گزرتے ہیں تاکہ کچھ بنیادی ڈھانچہ تشکیل پائے؛ جبکہ بلاشبہ انسانیت کی نہج کبھی بھی ایک ڈگر پر گامزن نہیں رہی بلکہ تغیر و تبدل کا عمل دخل ہر لحظہ نظر آتا ہے جبکہ فطرت بھی کچھ اسی تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے مہربان نظر آتی ہے کہ اگر ایک طرف دن ہے تو دوسری طرف رات، ایک طرف دھوپ ہے تو دوسری طرف چھاؤں، ایک طرف آفتاب ہے تو دوسری طرف مہتاب، ایک طرف آہ ہے تو دوسری طرف واہ حتیٰ کہ ایک طرف اگر قربتوں پر وصل کی مہربانی ہے تو دوسرے ہی لمحے فراق کا قہر۔ ماحول، آب و ہوا، بلندی و پستی ہر حال میں نہ صرف انسان پر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں بلکہ اسکے چاہتے نہ چاہتے لحظہ بہ لحظہ اپنا تاثر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ تبدیلی کا عنصر افراد پر کیونکر اثر انداز ہوتا ہے؟ ایک دلچسپ اور چونکا دینے والا انکشاف ہے کیونکہ یکسانیت کے گرداب سے دوری ایک صحتمند انسانی فطری تقاضا ہے جبکہ تبدیلی کے محرکات جابجا موجود ہیں جسکے باعث اسے پھلنے پھولنے کا موقع غیر ارادی طور پر بھی ملتا رہتا ہے۔ لہذا، اگر افراد کی تربیت نہ کی جائے تو کیا ایک بچہ چلنا، بولنا اور کھانا پینا کیسے سیکھ سکتا ہے، حالانکہ تمام محرکات موجود ہیں؟

بظاہر زندگی کا کاروبار بطور ردِعمل نظر آتا ہے جو بعد میں انسانی رویوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے جبکہ تربیت ایک ایسا عنصر ہے جو جبلی تقاضوں سے بالاتر اپنے نقوش چھوڑتا چلا جاتا ہے جسکے باعث مثبت تبدیلی جنم لیتی ہے۔ یہ ایک ایسا ہی عمل ہے جیسے جنگلات کے مقابلے میں باغات اگائے جائیں، چاہے جنگلات کتنے ہی بھلے معلوم کیوں نہ ہو جو حسن انسانی ہاتھوں کے ترتیب دیئے باغات میں ہے وہ جنگلات میں کہاں؟ اکتسابی عمل، تربیت کا اعجاز ہے کہ ایک ہی جیسے افراد دنیا کے مختلف شعبوں کے بانی و سربراہ ہیں حالانکہ انکی طبعی

حالت ایک جیسی ہے، اگر ایک ڈاکٹر ہے تو دوسرا انجینیر، ایک آرٹسٹ ہے تو دوسرا پہلوان، جبکہ کوئی گلوکار ہے تو کوئی موسیقار، کوئی کمپیوٹر پروگرامر ہے تو کوئی کمپیوٹر انجینیر وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ یہ تربیتِ اختیاری کا شاخسانہ ہے کہ ایک جیسے افراد مختلف شعبہ زندگی پر حکومت کر رہے ہیں۔

مگر ایک انکشاف جو کہ اس متن کو آگے بڑھاتا ہے کہ افراد کی ایک غیر ارادی، غیر اختیاری تربیت بھی ہو رہی ہے جسکے اہداف انسانی چور دروازے سے پورے ہوتے ہیں!!!......جی ہاں...... یہ ایسا چور دروازہ ہے جسکا کہ بعض اوقات متاثر ہونے والے کو بھی علم نہیں ہوتا، وہ ایک سلسلہ ہے تسلسل کے ساتھ ترغیب کا یعنی مسلسل ترغیب کا عمل ایک ایسا جادو اثر نتائج کا حامل عنصر ہے کہ جو تیر کبھی خطا نہیں جاتا۔ کیونکہ ترغیب؛ یعنی جو ہپناٹزم کے ماہر ہیں وہ اپنی ترغیب کے ہتھیار سے وہ جادو اثر نتائج حاصل کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی دروازے کے سہارے وہ لاکھوں کے مجمعے کو مبہوت کر دیتے ہیں کہ جسکا جواب نہیں۔ اسی کے بل بوتے وہ لوگوں کے اندر روابط تلاش کرتے ہیں اور اس زبان کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں جو اپنے راستے میں آنے والی کسی رکاوٹ کو آسانی سے عبور کر لیتی ہے، لہذا انکی معاملات پر گرفت اور کامیابی کا گراف ہمیشہ آسمان کی بلندیوں پر رہتا ہے۔

انسانی ذہنوں کی ارادی قوت کو اپنی مرضی کے مطابق ردِعمل میں تبدیل کرنے والی صلاحیت کے بل بوتے بہت سے لوگوں نے دنیا پر حکمرانی کی ہے جبکہ آج کے میڈیا کا ہتھیار بھی یہی قوت ہے۔ اگر ایک طرف کسی بھی خوبصورت انداز میں فلمائی گئی اشتہاری فلم، ایڈورٹائزمنٹ اپنا کام اس وقت کرتی ہے کہ جب آپ خریداری کرتے وقت کسی بھی چیز کو غیر ارادی طور پر چن لیتے ہیں تو دوسری طرف خوبصورت انداز میں فلمائے گئے ڈرامے ہیں جو کہ کسی بھی تہذیب کے زہر آلودہ رسم و رواج کو اسباق کی شکل دے کر اقساط میں فلم بند کئے جاتے ہیں اور اپنی رنگینی کے باعث دلربا ہوتے ہوئے روزمرہ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

زمین پر زندگی کے دسمبر 2012 میں اختتام کی اس بساط پر مہرے وہ انسانی اذہان ہیں جنکی قلابیں کسی نہ کسی طرح اسلام کی طرف رغبت رکھنے والوں سے ملتی ہیں؛ جبکہ اسی طور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلا نظریاتی سلسلہ اس وقت قائم کیا گیا جب دنیا بھر میں اسلام کی طرف مختلف اقوام عالم کا رجوع بڑھا اور اسکے مقابل نظریاتی سرحدوں سے اسلام دشمن میڈیا نے انتہا پسند اور جنگجو کی لیبل کے ساتھ جو تصویر پیش کی وہ ایک مسلم کی آئیڈیل صورت بنتی ہے؛ تا کہ اذہان عالم اسطرح کے لوگوں کی طرف راغب ہونے سے غیر ارادی طور پر احتراز کریں اور دور رہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام میں قیامت کا تصور پایا جاتا ہے جسکے مطابق دنیا مکافات عمل ہے اور آج جو بویا جائے گا کل اسی کو کاٹنا ہے، مگر یہ معاملہ زندگی کے مکمل خاتمہ پر ہوگا یعنی حیات بعد از مرگ۔ اب دنیا کے خاتمے کے اس نئے مفروضے میں دوسرا نیا سلسلہ یہ ہے کہ زمین پر تباہی اور بربادی کا منطقی انجام قیامت پر نہیں ہوگا بلکہ وقت اپنے آپ کو روک کر نئے سرے سے مرتب Reset کرے گا تا کہ زندگی کا خاتمہ ہوگا اور افراد اپنی تدبیر سے اپنے وجود کو قائم رکھیں گے اور موت تدبیر کے ہاتھوں شکست کھائے گی جبکہ زندگی کا وجود برقرار رہے گا جو کہ کسی سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی۔ اسی طرح اس نظریئے کو بھی پانی ملتا ہے کہ جنکی نظر میں صرف آج ہی آج ہے کل کا کوئی وجود نہیں، آج کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کسی بھی مدھ مستی کی موج میں زندگی کو عیاشی کی راہوں پر ڈالنے والے تو کبھی بھی قیامت کے وجود کا تصور قائم نہیں کر سکتے۔ زندگی کو کسی گمنام تنگ گلی میں موج مستی کی نظر کرنے والے اس خرام خوابی میں ہیں کہ زندگی کو دوام ہے اور آج کو کل نہیں جبکہ یہ صرف اور صرف التباس الحواسی اور خام خیالی ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں۔

ازلوں سے اسلام کا بول بالا رہا ہے اور رہے گا کیونکہ ان تمام مفروضات کی کوئی بنیاد نہیں ہے جبکہ الہامی ذرائع ازل سے وہ معلومات دے رہی ہیں جو ہر حال میں اپنی حقانیت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بات چڑھتے سورج کی طرح عیاں ہے کہ سائنس آج جن بلندیوں کو چھو رہی ہے اور جو انکشافات کے ڈھیر لگا رہی ہے انکی تصویر الہامی ذرائع نے چودہ سو سال پہلے دکھا دی تھی؛ البتہ دنیا کے اختتام کی اس نئی تصویر والی کو جنم دینے میں ٹیکنالوجی کا استعمال اپنی مثال آپ ہے۔ سراب نظر کو حقیقت کا رنگ دینے والی بدلتے تجربات اور حالات کی نہج ہر بہتی سائنس کی پیش بینی کا جواز کسی بھی طرح سے التباس الحواس

تو پیدا کر سکتا ہے مگر حقائق سے آنکھیں ملانے کی جرات نہیں رکھتا۔

ہمارے موجودہ سلسلہ زندگی کی روش میں تباہی اور بربادی کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ جہاں آئے روز ناگہانی اموات اور معاشی مسائل کی چکی چل رہی ہو وہاں پسنے والی قوم کو اس طرح کے شوشے سے کسی طرح کے خدشے کا احتمال نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ افراد خوف کی وہ حد پار کر چکے ہیں جہاں ناگہانی جیسے الفاظ دم توڑ دیتے ہیں بلکہ معاملہ کچھ یوں ہے کہ صبح سے شام تک کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے؛ اسکی ذہنی تیاری پہلے سے ہی موجود ہے۔ بوڑھوں ''جوانوں'' خواتین اور سکول جاتے بچوں کی بات ایک طرف؛ کم سن بچے اسی دنیا کی تباہی کی فلم کو ''فلمیں'' سمجھتے ہوئے اچھل اچھل کر انجوائے کرتے ہیں تا کہ کسی خوف کا شکار ہوتے ہیں۔ جبکہ خوف زدہ ہونا یا گمراہی کے نظریات کا شکار ہونا کسی مسلم کا شیوا نہیں، اسلامی عقائد کی اپنی سرحدیں ہیں جن پر ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دینے کی سکت ایک ادنیٰ سے مسلم میں بھی موجود ہے جبکہ اسکا ایک چھوٹا سا اندازہ اس دنیا کے منطقی خاتمے کی فلمبندی میں واضع نظر آتا ہے کہ تباہی و بربادی کے

مناظر فلماتے ہوئے اسلامی شعائر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی گئی جبکہ دیگر تمام مذاہب و نظریات کا انجام ضرور فلمایا گیا ہے۔ مسلم عقائد ان تمام چور دروازوں سے گھسنے والے معاملات کو پہلے سے ہی قلع قمع کر چکے ہیں۔

اسلام دشمن قوتیں آپس میں ایک ہیں چاہے معاملہ کوئی بھی اور دوستی کا معیار بھی قرآن نے واضع طور پر بتلا دیا ہے؛ لہذا کسی بھی نظریاتی رخنہ اندازی میں جو ممکنات موجود ہیں اسکا کے تدارک اور سد باب بتلا دیا گیا ہے البتہ اگر ہم کسی نئے مفروضے کی گمراہی کا مزہ چکھنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ صرف انفرادی حیثیت کا حامل ہوگا۔ 21 دسمبر 2012 کے بارے میں جن نظریات پر مبنی فلم بندی کی گئی اسکا ایک طرف تو کاروباری مفاد اپنی ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اور جسکا ظہور اس فلم کے ریلیز ہونے کے پہلے ہفتہ میں ہو چکا۔ جبکہ نفسیاتی اور سماجی پہلو کی وضاحت بھی آپکے سامنے ہے، البتہ اقوام عالم کو جس نئی جہت پر گامزن کرنے کی سوچ ہے اسکی تشکیلات میں سے یہ پہلو بھی نظر آرہا ہے کہ زندگی کو دوام ہے اور یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سلسلہ ہر بار دنیا کی تباہی کی کھوکھ سے جنم لے گا اور ہر بار نیا سفر ہوگا جس کو انجام نہیں؛ یا پھر ہر بار زندگی ایک نئے طوفان نوح سے دوچار ہوگی اور اپنے آپ کو از سرِ نو ترتیب دینے کا سلسلہ جاری رکھے گی۔ مگر یہ تمام روش جو فقط قیاسی مفروضات پر مبنی ہے کبھی بھی امت مسلمہ کے بنیادی عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتی کہ جہاں قرآن واحادیث مبارکہ ﷺ میں ہر طرح کی وضاحت موجود ہے؛ جسکے سامنے یہ نظریات پانی کے بلبلے کی مانند ہیں۔

> ''(یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے پروردگار ہی کو ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دیگا۔ وہ آسمان وزمین میں ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آجائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو۔ کہو کہ اس کا علم تو خدا ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔'' (القرآن، 187:7)

اکیس دسمبر 2012

کیا زمین پر زندگی اپنی آخری سانسیں لے رہی ہوگی؟

حصہ دوم

اکیس دسمبر 2012 کے بعد دنیا کے خاتمہ سے متعلق جو پیشنگوئیاں مایا قوم کے کیلنڈر سے منسوب ہیں انکے باعث لوگوں میں ایک اضطراب اور پریشانی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، جبکہ اسی موضوع پر بننے والی فلم کی دنیا بھر کے سینما گھروں میں نمائش نے جلتی پر تیل کا کام دیا ہے، حالانکہ اس فلم نے ریکارڈ بزنس کیا ہے مگر باشعور طبقے پیش بینی کے مرحلہ سے گزرتے ہوئے ایک تشویشناک صورت حال میں مبتلا ہیں اور ان تمام عوامل کی جانکاری چاہتے ہیں جو زمین کی تباہی وبربادی کے محرک ہیں۔

چند ایک حقائق میری گذشتہ تحریر میں شامل ہیں البتہ جائزہ لیتے ہیں کہ اس دنیا کی منطقی تباہی کے نظریہ کے ماخذ کیا ہیں؟ امریکہ کے شمالی وجنوبی علاقہ کے درمیان بسنے والی مایا قوم جو کہ ستاروں کے علم اور وقت کا حساب کتاب رکھنے میں انتہائی ماہر ہیں، انہوں نے دنیا میں زندگی کا وجود سات ادوار میں تقسیم کیا ہے اور مختلف کیلنڈر ترتیب دیئے ہیں جبکہ اکیس دسمبر 2012 کو انکا پانچواں کیلنڈر اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس سے آگے کیا ہونا ہے اسکے بارے میں سکوت کے علاوہ کوئی تفصیلات نہیں حالانکہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انکے تمام گذشتہ کیلنڈر اپنے اختتام پر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ اسی طرح یہ بھی تصور کیا جاتا ہے کہ اس قوم کی پیشن گوئیاں حرف بحرف ثابت ہوئیں۔

ایک مفروضہ جو اجرام فلکی اور ہیئت دانوں کے ماہرین کے نظریات کا پیش خیمہ ہے؛ اسکے مطابق ہر سال اکیس دسمبر کا سورج خط استوا سے دور ترین ہوتا ہے، جبکہ اسکے جنوب بعید ترین ہونے سے قطع نظر، ایک خیال یہ کیا جاتا ہے کہ زمین اور ملکی وے یعنی کہکشاں کے مراکز ایک ہی قطار میں ہونگے جسکے باعث زمین پر ناگہانی تباہی ہو سکتی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ یہی زمین پر زندگی کو بربادی سے ہمکنار کر دے۔

اسی طرح ایک سائنسی مفروضہ یہ بھی ہے کہ قطب جنوبی اور قطب شمالی جب اپنے پول شفٹنگ (تبدیلی قطب) کے مرحلے سے گزریں گے تو زمین اپنا مقناطیسی میدان کھو دے گی جسکے باعث زمین پر وسیع و عریض زلزلے نمودار ہونگے اسی کے ساتھ ساتھ آتش فشاں پہاڑ اپنا لاوا زمین پر انڈیل دیں گے جبکہ سمندروں میں مدوجزر اٹھیں گے جو طوفانی سیلاب کی شکل اختیار کرلیں گے اور یوں زمین پر جسیم و ضخیم پیمانے پر تباہی اور بربادی کا آغاز ہو جائے گا جو آگے چل کر زمین پر زندگی کو نیست و نابود کر دے گا۔

اسی طرح مقناطیسی میدان کی کمی کے باعث زمین ہمیں شمسی اور کائناتی تابکاری کے اثرات سے محفوظ نہ رکھ سکے گی جو کہ ایٹمی توانائی کے مراکز کو بری طرح متاثر کرتے ہوئے پاش پاش کر دے گی جبکہ بلند و بالا آسمانوں سے باتیں کرتی عمارات کے پرخچے اڑ جائیں گے، اور آسمان آتش فشانی پہاڑوں سے اڈتے جوالامکھی کے بادلوں سے اٹ جائیں گے، یہ سب کچھ زندگی کی زمین کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

ایک نظریہ کے مطابق سال 2012 کو زمین کے پرت کا ایک عظیم شگاف جس میں پگھلتی ہوئی چٹانیں آتش فشانی مادہ سے لبریز ہیں، اسکا 74,000 واں سائکل مکمل ہوتا ہے اسی اثناء میں زیر زمین قہر پر نقطہ عروج کو پہنچ جاتا ہے جو بربادی کا سامان بن جاتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے نظریات موجود ہیں جو دنیا کے زمین پر خاتمے کی وکالت کرتے ہیں جیسا کہ عالمگیر حدت، قوی و شدید موسمی تبدیلیاں، بحری زلزلہ سے ابھرنے والی

مہیب سمندری لہر (سونامی)، جنگ و جدل، تیسری عالمی جنگ اور ایٹمی تباہی وہ سب عوامل ہیں جو کہ کسی بھی طرح زمین پر زندگی کے وجود کے دشمن اور بربادی کا باعث بن سکتے ہیں۔ انہی عوامل اور محرکات میں نوسٹراڈیمس کی پیشن گوئیاں بھی شامل ہیں جو انہی اوقات میں زمین پر زندگی کو درپیش تباہی و بربادی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ فنا اور بقا کا چولی دامن کا ساتھ ہے، زندگی کی ڈگر پر چلتے چلتے افراد آخر تھک ہار جاتے ہیں تو انکی آنکھوں میں چھپا ہوا انتظار اور یاسیت کا عالم، کچھ یوں لگتا ہے کہ جیسے زندگی یہاں سے سسکتی ہوئی گزر رہی ہے۔ مکمل سکوت اور ہو کا عالم ہے؛ جیسے پت جھڑ کے موسم میں کچھ باقی ماندہ پتے ہلکی سی ہوا چلے تو اپنا دامن شاخوں میں چھپا لیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ پھر سے بہار آجائے اور وہ ہرے بھرے ہو جائیں، مگر یہ سرد و خشک ہوا بھی کتنی ظالم ہے کہ پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور اپنی لپیٹ میں سب کچھ اڑا لیجاتی ہے۔

ان نیم وا دوں آنکھوں میں کونسا انتظار چھپا ہے؟ زندگی کتنے رنگ و زاویے بدلتی ہے، کبھی مثلث بناتی ہے تو کبھی دائرہ مگر انجام سے بے خبر نہیں اور اپنی انتہا کو ضرور چھوتی ہے، جبکہ ہر اک ابتدا کا ایک انجام مقدر ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ اگر یہ زندگی مثلث میں سفر کرتی ہے تو اک اٹھان سے شناسا ہوتی ہے اور عروج کا مقام دیکھتی ہے مگر اچانک اسے ڈھلان کا احساس ہوتا ہے اور آخر زوال سے ناطہ جوڑ لیتی ہے۔ اور جب کبھی دائرہ میں سفر کرتی ہے تو پھر ہر لحظہ کروٹیں بدلتی ہے اور وہی سفر دوہراتی ہے اور آخر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ ہر بہار پت جھڑ کو چھوتی ہے اور اپنا انجام خزاں میں دیکھتی ہے یہ صرف اور صرف قدرت کا نظام ہے جو ازل سے رواں دواں اور فنا و بقا کا تسلسل ہے۔

شجر پہ آخری لٹکتا پتہ بھی اس امید میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بہار آجائے اور وہ پھر سے ہرا بھرا ہو جاوں، مگر فنا اسے اپنی اٹل حقیقت سے روشناس کرواتی ہے جو کہ اسکی اصل منزل اور انجام ہے۔ کیا فنا اتنی ظالم ہے کہ اسکا ہر درس تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں؟ ایسا نہیں ہے! بلکہ حقیقت شناس زاویہ تو ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ہر فنا اک نئی بقا کا نقطہ آغاز ہے۔ ایک ایسا لاثانی آغاز کہ جیسے ہر نئے روز کا چڑھتا ہوا سورج اک نئے دن کی نوید سناتا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور گزشتہ رات کی فنا کا شاندار نظارہ پیش کرتا ہے۔ مگر اکثر ہم اس گزشتہ رات کے دامن میں لپٹی ہوئی نئی صبح کی صدا سننے سے قاصر رہتے ہیں اور رات کی گمنامی میں گم ہو جاتے ہیں۔

ایک نوید سحر، اک نئی کونپل آخر کس طرح ممکن ہے؟ اگر زندگی اپنا سفر جاری نہ رکھے تو کچھ بھی ممکن نہیں۔ اگر اک نئی صبح کی آمد آمد ہے تو اک رات بھی اپنے انجام کو پہنچ چکی۔ ہر رات اک نئی صبح دیکھتی ہے اور ہر اندھیرا روشنی کا منہ چومتا ہے۔ ہر لمحہ اک نئی کروٹ بدلتا ہے کیونکہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور ہم ہر لمحہ اک نئی جگہ پہ دریافت ہوتے ہیں۔ ہر ماضی اک نئے حال سے روشناس ہوتا اور ہر حال ایک مستقبل کا ادراک کرتا ہے، ہر بقا اپنی فنا دیکھتی ہے اور ہر فنا کے دامن سے اک بقا کا نمو ہوتا ہے، یہی قانون قدرت ہے اور اسی کا نمو انسان کی حیات بعد از مرگ کی پیش بینی ہے۔ کیونکہ اسلام میں قیامت کا تصور پایا جاتا ہے جسکے مطابق دنیا مکافات عمل ہے اور آج جو بویا جائے گا کل اسی کو کاٹنا ہے، مگر یہ معاملہ زندگی کے مکمل خاتمہ پر ہوگا یعنی حیات بعد از مرگ۔

اکیس دسمبر 2012 کو دنیا کے خاتمے کے اس نئے مفروضے کے مطابق زمین پر تباہی اور بربادی کا منطقی انجام قیامت پر نہیں ہوگا بلکہ وقت اپنے آپ کو روک کر نئے سرے سے مرتب Reset کرے گا تا کہ زندگی کا خاتمہ ہوگا اور افراد اپنی تدبیر سے اپنے وجود کو قائم رکھیں گے اور موت تدبیر کے ہاتھوں شکست کھائے گی جبکہ زندگی کا وجود برقرار رہے گا جو کہ کسی ایک سلسلہ کی کڑی ہوگی۔ اسی طرح اس نظریئے کو بھی پانی ملتا ہے کہ جنکی نظر میں صرف آج ہی آج ہے کل کا کوئی وجود نہیں، آج کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کسی بھی مدھر مستی کو موج میں زندگی کو عیاشی کی راہوں پر ڈالنے والے تو کبھی بھی قیامت کے وجود کا تصور قائم نہیں کر سکتے۔ زندگی کو کسی گمنام تنگ گلی میں موج مستی کی نظر کرنے والے اس خرام خوابی میں ہیں کہ زندگی کو دوام ہے اور آج کو کل نہیں جبکہ یہ صرف اور صرف التباس الحواسی اور خام خیالی ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں۔

ہم قرآن کریم سے ماضی کے تاریخی نوعیت کے واقعات، تخلیق کائنات اور مظاہر قدرت کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر سکتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے

بارے میں بہت واضح اور نشانیاں بیان کی ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی قیامت کے بارے میں نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی) کہہ دو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم ہے شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو'' (63:33)

قیامت کب آئے گی اس کا علم کسی کو نہیں لیکن قرب قیامت کے سلسلے میں کچھ علامتیں ضرور بتا دی گئی ہیں جس سے اسکے ظہور کے بارے میں کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بتایا گیا ہے کہ جب دنیا میں خدا سے سرکشی اور بغاوت بڑھ جائے گی، زنا کاری عام ہو جائے گی، لونڈیاں آقاؤں کو جنم دیں گی، بدکردار حاکم بن بیٹھیں گے، عورتیں ایسا لباس پہننے لگیں گی جس سے جسم ننگا معلوم ہوگا، بے حیائی و فحاشی بڑھ جائے گی غرضیکہ آیات الٰہی کو جھٹلانے کے نتیجہ میں تمام اخلاقی بندھن ٹوٹنے لگیں گے تو یہ قرب قیامت کی علامت ہوگی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین میں کوئی نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا باقی نہیں رہے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چھوڑ دیا جائے گا تو قیامت قائم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایک جانور کے ذریعہ سے آخری حجت قائم کرے گا۔ وہ جانور کہے گا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان آیات پر یقین نہیں کرتے تھے جن میں قیامت کے آنے کا اور آخرت برپا ہونے کی خبر دی گئی تھیں تو اب اس کا وقت آن پہنچا ہے اور جان لو کہ اللہ کی آیات سچی تھیں۔ اس جانور کے نکلنے کا وقت کون سا ہوگا اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور ایک روز دن دہاڑے یہ جانور نکل آئے گا (مسلم)''

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں تشریف لائے اور لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا بات ہو رہی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا وہ ہرگز قائم نہیں ہوگی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے وہ نشانیاں بتائیں (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع (۵) عیسیٰ ابن مریم کا نزول (۶) یاجوج وماجوج (۷) تین بڑے خسف زمین کا دھنس جانا ایک مشرق میں (۸) دوسرا مغرب میں (۹) تیسرا جزیرۃ العرب میں (۱۰) سب سے آخر میں ایک زبردست آگ جو یمن سے اُٹھے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں مجمع بن جاریہ انصاری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ابن مریم دجال کو لد کے دروازے پر قتل کریں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے سمرہ بن جندب حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں "پھر صبح کے وقت مسلمانوں کے درمیان عیسیٰ ابن مریم آجائیں گے اور اللہ دجال اور اس کے لشکروں کو شکست دے گا یہاں تک کہ دیواریں اور درختوں کی جڑیں پکار اُٹھے گی کہ اے مومن! یہ کافر میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، آ اور اسے قتل کر۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت مسیح زمین میں چالیس سال ٹھہریں گے۔

قیامت کی نشانیاں قرآن و احادیث مبارکہ میں واضح موجود ہیں البتہ اس کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی، اور یہ نظریہ جو کہ اکیس دسمبر 2012 سے متعلق ہے، تمام قیاس آرائیاں لوگوں میں بے چینی پیدا کر کے کسی معاشی یا سیاسی فائدہ کا پیش خیمہ ہیں یا پھر صرف فقط ایک نظریاتی قیاس ہو سکتا ہے۔ البتہ قیامت کا ظہور کب ہونا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سواء کسی کو معلوم نہیں جبکہ احادیث مبارکہ میں اسکی جو نشانیاں بتلائی گئی ہیں انکا پورا ہونا بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

ایک طرف تو سلسلہ یہ ہے کہ انسانی زندگی اجتماعی طور پر اپنے انجام کیطرف گامزن ہے تو دوسری طرف انفرادی طور بھی دیکھا جائے تو ہر نفس اپنے انجام کیطرف بڑھ رہا ہے؛ اور آخرت کو بھول کر اگر ہم زندگی کی ظاہری بھول بھلیوں میں اس قدر کھو چکے ہیں کہ؛ بقول میاں محمد بخشؒ:

شام پئی بن شام محمد تے گھر جاندی نے ڈرنا

یوم آزادی۔ یوم استقلال

14 اگست کو پاکستان کا یوم آزادی (یوم استقلال Independence Day) انتہائی جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب پاکستان 1947ء میں برٹش حکمرانوں سے آزاد ہو کر معرض وجود میں آیا۔ اس دن پاکستان میں سرکاری سطح پر قومی تہوار کے طور پر بڑے دھوم دھام منایا جاتا ہے جبکہ بچے، جوان اور بوڑھے سبھی اس روز اپنا قومی پرچم فضاء میں بلند کرتے ہوئے اپنے قومی ہیروں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ پورے ملک میں ہر طرف جشن چراغاں ہوتا ہے اور ایک میلہ کا سا سماں بندھ جاتا ہے۔ اسلام آباد جو کہ پاکستان کا دارلخلافہ ہے اسکو انتہائی شاندار طریقے سے سجایا جاتا ہے، جبکہ اسکے مناظر کسی جشن کا سا سماں پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔ اور یہیں ایک قومی حیثیت کی حامل تقریب میں صدر پاکستان اور وزیر اعظم قومی پرچم بلند کرتے ہوئے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اس پرچم کیطرح اس وطن عزیز کو بھی عروج و ترقی کی بلندیوں تک پہنچائیں گے۔

ان تقریبات کے علاوہ نہ صرف صدارتی اور پارلیمانی عمارات پر قومی پرچم لہرایا جاتا ہے بلکہ پورے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری عمارات پر بھی سبز ہلالی پرچم پوری آب و تاب سے بلندی کا نظارہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔ یوم استقلال کے روز ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ پہ براہ راست صدر اور وزیر اعظم پاکستان کی تقاریر کو نشر کیا جاتا ہے اور اس عہد کی تجدید کی جاتی ہے کہ ہم سب نے مل کر اس وطن عزیز کو ترقی، خوشحالی اور کامیابیوں کی بلند سطح

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہ لیجاتا ہے۔

سرکاری طور پر یوم آزادی انتہائی شاندار طریقے سے مناتے ہوئے اعلیٰ عہدہ دار اپنی گورنمنٹ کی کامیابیوں اور بہترین حکمت عملیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے عوام سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر بھی اس وطن عزیز کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھیں گے اور ہمیشہ اپنے لیڈر قائداعظم محمد علی جناح کے قولِ ایمان، اتحاد اور تنظیم کی پاسداری کریں گے۔

14 اگست کو پاکستان میں سرکاری طور پر تعطیل ہوتی ہے، جبکہ سرکاری و نیم سرکاری عمارات میں چراغاں ہوتا ہے اور سبز ہلالی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام صوبوں میں مرکزی مقامات پر تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ ثقافتی پروگرام کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ پاکستان کی تمام شہروں میں میئر (ناظم) قومی پرچم بلند کرتے ہیں جبکہ کثیر تعداد میں پرائیوٹ اداروں کے سربراہان پرچم کشائی کی تقاریب میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ سکولوں اور کالجز میں بھی پرچم کشائی کی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رنگا رنگ تقریبات، تقاریر اور سیمینارز کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ گھروں میں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کا جوش و خروش تو قابل دید ہوتا ہے جہاں مختلف تقریبات کے علاوہ دوپہر اور رات کے کھانے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے اور بعد ازاں سیر و تفریح سے بھی لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ رہائشی کالونیوں، ثقافتی اداروں اور معاشرتی انجمنوں کے زیر اہتمام تفریحی پروگرام تو انتہائی شاندار طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقبرہء قائداعظم پر سرکاری طور پر گارڈ کی تبدیلی کی تقریب کا انعقاد ہوتا ہے۔ اسی طرح واہگہ باڈر پر بھی ثقافتی اور میوزیکل تقریبات میں گارڈز کی تبدیلی کا عمل وقوع پزیر ہوتا ہے جبکہ غلطی سے واہگہ باڈر کراس کرنے والوں کو قیدیوں کی دوطرفہ واپسی کا عمل بھی وقوع پاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکمرانی کی ،نہایت باحسن طریقے سے وسیع سلطنت کو فلاحی بنانے میں کامیاب ہوئے، اس کامیابی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حکمران ملک میں قرآن و سنت کے نظام پر عمل کرتے تھے۔ اکبر بادشاہ نے سب سے غلط

راستہ کا انتخاب کیا انھوں نے ہندومت اور اسلام کے اصولوں کو یکجا کر کے دین الٰہی کا ڈھونگ رچایا جہاں لوگوں کے اخلاق پست ہو گئے یوں ایک مسلم معاشرے میں ہندوانہ رنگ نظر آنے لگا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ وہی کچھ ہوا جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے جب تک مسلمانوں نے اللہ کے رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا ملک و قوم پر ان کی حکمرانی تھی لیکن جہاں یہ لوگ دین اسلام سے منحرف ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اقتدار چھین لیا اور عذاب کی صورت میں ان پر انگریز مسلط کر دیئے، جنھوں نے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے تعلیم مال اور اسباب سے محروم کر دیا، ہندوؤں اور انگریزوں نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں پست اور رسوا کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے خود ملک و قوم سے غداری نہیں کی انھیں کوئی شکست سے دوچار نہیں کر سکتا۔

دو قومی نظریہ ہی تحریک پاکستان کا سبب بنا۔ پاکستان کی بنیاد اسلام پر رکھی گئی۔ لاکھوں مسلمانوں نے اسلام کے تحفظ اور کفار سے آزادی کے لئے ہی پاکستان کے نام پر بے مثال قربانیاں دیں۔ پاکستان کو دنیا کا پہلا نظریاتی ملک ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ جس کی قوام کا نعرہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، سر سید احمد خان اور ان جیسے دیگر رہنماؤں نے سوئی ہوئی مسلمان قوم کو جگایا۔ علامہ اقبال ایک عظیم مفکر اور مدبر تھے وہ کسی صورت غلامی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی شاعری تحریوں اور تقریروں کا سہارا لیکر پاک و ہند کے مسلمانوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ سر سید احمد خان نے مسلمانوں میں تعلیمی میدان میں انقلاب برپا کیا۔ قائداعظم کی صورت میں مسلمانوں کو ایک عظیم راہنما ملا جنھوں نے مسلمان قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور آزادی کی تحریکیں چلائی جس میں انھیں کامیابی نصیب ہوئی بالآخر 14 اگست 1947ء کو مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت حاصل ہوا۔

اگر مختلف شعبہ ءزندگی پے نظر ڈالی جائے ملک پاکستان میں کسی شعبہ ءزندگی میں کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ تعلیم اسی پسماندگی کا شکار ہے جہاں طبقاتی تقسیم کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ سیاست روائتی ڈگر سے ہٹ کر سہ رخی پالیسی کا شکار ہو چکی ہے جہاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ عوامی طور پر عدم دلچسپی کا اظہار نمایاں ہے۔ عدل وانصاف کے شعبہ میں عدالتی نظام بھی آمریت کے شکنجے میں رہا ہے اور حال ہی میں وکلاء اور سول سوسائٹی کی بھرپور تحریک آخر رنگ لائی اور 16 مارچ 2009ء میں تمام جج بحال ہوئے اور ایک آزاد عدلیہ سامنے آئی جس سے عوام کو بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اقتصادی شعبہ میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی حالانکہ پاکستان میں دنیا کا بہترین آبی نظام موجود ہے۔ اور اسی طرح معیشت کے تمام شعبوں میں ذھیں ترین لوگ موجود ہیں مگر غیر جامع پالیسیوں کے باعث کوئی افادہ حاصل نہ کر سکے بلکہ کشکول لیکر امداد کیلئے دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں اور آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے قرضوں تلے دبے جا رہے ہیں۔ معاشی بدحالی، غربت، بے روزگاری اور مہنگائی کی وجہ سے لوگ زندگی سے تنگ آ چکے ہیں، جو تو کچھ حیثیت رکھتے ہیں وہ ملک چھوڑ کر بیرون ممالک ہجرت کر رہے ہیں اور باقی بدحالی کا شکار دیوار سے لگے کھڑے ہیں۔

اس سے پہلے کہ حالات کا پنجہ ہمارے گریبان تک پہنچے ہمیں ان کو سلجھانا ہے۔ کیا ہم سیل رواں کے بہتے دھارے پر رکی ہوئی کائی کی طرح حالات کی موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے کسی انجانے گرداب میں اپنا وجود کھو جائیں گے؟ نہیں! ہم تو طلاطم خیز موجوں کا سینہ چیرنے والے ایسے سفینے ہیں جو خیر و عافیت کے کنارے کی طرف گامزن ہیں۔

اکیسویں صدی، اقبال اور پاکستان

انسانیت ازل سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے جبکہ تہذیبی، مذہبی اور قومی عوامل میں افراد کو معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر بنیادی حقوق کی پاسداری، خود مختاری، رواداری، اخوت و مساوات کو اولین اہمیت حاصل رہی ہے۔ زندگی کو ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے کیلئے جدت کا سہارا لینے کو ایک لازمی جز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ البتہ اگر اسکی بنیاد عقلیت پسندی اور سرمایے کا حصول ہوا تو اسکے باعث اقوام عالم نے اذیت کا مزہ ضرور چکھا ہے۔

اس کرہ ارض پر انسانیت کی نبض کو کرب سے نجات دلانے اور اسکو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں اگر ایک طرف الہامی ذرائع بہت اہم ہیں تو دوسری طرف ایسے افراد بھی شامل ہیں جنہوں نے انسانیت کے درد کو محسوس کیا اور اپنی زندگی کو فلاح کیلئے وقف کر دیا۔ زندگی کو انکا احسان مند چاہیے جنہوں نے اسکو آشکار کر کے افراد کو کرب و اذیت کے گرداب سے نکلنے میں مدد دی۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان ازل سے قوت پر حکمرانی کا خواہاں رہا ہے جبکہ زندگیوں کو کنٹرول کرنے والی اس طاقت نے کئی روپ بدلے ہیں، جسمانی قوت، وراثت، بادشاہت، صنعت، سرمایہ اور آج اس طاقت کا عظیم سرچشمہ صرف اور صرف علم ہے۔

تہذیبوں کی ایک نئی روش اور جدت کے باعث ایک نیا ماورائی معاشرہ، (سائبر سوسائٹی) معرض وجود میں آیا ہے جو کہ سیاسی، سماجی، قومی حد بندیوں سے آزاد اور اجتماعیت

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی طرف گامزن ہے جبکہ اس دور کی قوت صرف علم کے مرہون منت ہے۔ آج تہذیبوں کے ادغام میں ہر ملت کو نہ صرف اپنی ایک شناخت کو قائم رکھنا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسری تہذیبوں کے بد اثرات سے بھی بچنا ہے اور یہ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ جب کوئی ملت اپنے اقدار، روایات اور تمدن کے بارے میں آگاہی رکھتی ہو۔

ملت اسلام کو برصغیر میں اپنی ایک شناخت اور قائم رکھنے اور اسکی پرواخت کی آگاہی کا سہرا سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کو جاتا ہے جنہوں نے یہ واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں جنکا تہذیب و تمدن، معاشرت، دین و مذہب سب جدا جدا ہیں اور اگر ہندوستان میں ہندوں کے منشاء کے مطابق متحدہ ہندوستانی حکومت ہو جاتی ہے تو ہندو اکثریت کی بنیاد پر مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں کا تشخص ختم کر دیں گے اور معاشی طور پر بھی مسلمان ناآسودہ رہیں گے، لہذا انگریزوں کی غلامی کے بعد مسلمان ہندو اکثریت کی غلامی میں رہنے کی بجائے الگ مسلم ریاست میں اپنی حکمرانی قائم کریں۔ جہاں وہ مذہبی آزادی اور اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور معاشی، تعلیمی، ثقافتی و معاشرتی ہر لحاظ سے ترقی کر سکیں۔ جو کہ دو قومی نظریہ کا اساس بنا اور اس کے بدولت پاکستان معرض وجود میں آیا۔

علامہ محمد اقبال اپنے عہد کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کی ایک اہم ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ جبکہ انکی شاعری اردو اور فارسی زبان میں ہے اور یہی انکی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف ہے جبکہ علامہ اقبال کو دور جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے، بحثیت سیاستدان ان کا سب سے نمایاں کارنامہ نظریہ پاکستان کی تشکیل ہے جو انہوں نے 1930ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا۔ یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔

اقبال نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا، انکے نظریات اور تصورات کے روح رواں موضوع، خودی، عقل و عشق، مرد مومن، وطنیت و

قومیت، تصور تعلیم، تصور عورت، مغربی تہذیب، تصور ابلیس اور عشق رسول اللہ ﷺ ہیں جو کہ ہر دور میں اپنی مثال آپ رہے ہیں۔ اقبال نے اسلام کی عالمگیریت کو اجاگر کیا؛

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اسلام بنیادی طور پر عالمگیر پیغام ہے اور تمام نوع انسانی کو اخوت کی لڑی میں پروئے ایک وسیع تر ملت اسلامیہ کے قیام کی دعوت دیتا ہے تاکہ انسان کی ہوس کا علاج ہو سکے۔ لیکن اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ممالک ایک لڑی میں پروئے جائیں۔ اقبال کی بھی یہی تمنا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام ایک ازلی، ابدی، آفاقی اور عالمگیر نوعیت کا پیغام ہے، یہ ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر ملک کیلئے راہِ ہدایت ہے۔ اس لئے اس کے پیروکاروں کو رنگ و نسل اور ملک و وطن کے امتیازات مٹا کر یکجا ہو جانا اور دنیائے انسانیت کیلئے ایک عالمگیر برادری کی مثال پیش کرنی چاہئے۔ لہٰذا انسانوں کے درمیان اخوت کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے نہ کہ قوموں کا ایک جگہ اکٹھا ہو جانا۔

آج امت مسلمہ ایک ایسے مرحلے سے گزر رہی ہے کہ صیہونی نظریاتی بنیادوں پر اسلام کے سیاسی تشخص کو تباہ کرنے کے خواہاں ہیں۔ مسلم دشمن اقوام کی خارجہ پالیسی کا مقصد ہے مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے کیونکہ اسلام کا سیاسی تصور ہی انکے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔ جس کے باعث ایک ایسی سلامی ریاست وجود میں آئے جو اسلام کی سیاسی باگ دوڑ کو سنبھال لے اور اپنی خارجہ پالیسی اسلامی اصولوں پر مرتب کرے۔ اسی لئے مسلم دشمن عناصر، مسلمان ممالک پر قبضہ اور تقسیم کے دو نکاتی طریقہ پر کاربند ہیں۔ جسکے نتیجہ میں اسلامی ممالک کا ایک دوسرے سے جنگ و جدل (ایران و عراق کی جنگ)، اور فرقہ وارانہ فسادات وجود میں آئے۔ مسلمانوں کو اپنے اندر اختلاف کو کرنے کیلئے کام کرنا ہوگا، آج پوری امت مسلمہ کو اپنی سالمیت اور بقا کیلئے اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

امیگریشن، صرف ایک ہفتہ میں!!!

امیگریشن یا ہجرت سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز ہے جبکہ گذشتہ چند برسوں میں پاکستان سے دوسرے ممالک میں ہجرت کا رواج بڑے عروج پر رہا ہے اور تقریباً ایسے بے حساب لوگ جن کے کوائف کسی بھی طرح سے دوسرے ممالک کے امیگریشن کے قوانین کے مطابق پورا اترے، وہ ہنر و قابلیت یا پھر سرمایہ کی بنیاد پر جا چکے اور جو معیار پر پورا نہ اترے باقیات میں شامل ہو گئے اور مسلسل چارہ جوئی میں لگے رہے جبکہ انہوں نے مختلف بیرون ممالک کی شہریت حاصل کرنے کیلئے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بعض لوگ مختلف جائز و ناجائز حربے استعمال کرنے میں بھی پیچھے نہ رہے اور نتیجہ میں کچھ تو اپنے مقاصد حاصل کر گئے اور باقی ماندہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ ملتے رہ گئے۔

دولت مشترکہ اور دیگر ترقی یافتہ بیرون ممالک نے کچھ ایسے قوانین وضع کئے ہیں کہ پوری دنیا سے انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند یا انتہائی سرمایہ دار لوگوں کو اپنے ممالک کی شہریت کی سہولیات دیکر دنیا سے دولت اور مہارت کے علمبرداروں کو اپنی سرزمین کا حصہ بنائیں تا کہ انکا ملک ترقی اور کامرانی کی راہ پر گامزن رہے۔ جبکہ ایسے قوانین اور آفرز ترقی پذیر ممالک کے باشندوں کیلئے بہت پرکشش ہوتی ہیں کیونکہ اسطرح وہ ایسے ہی کسی ملک میں جا کر اپنی بقیہ زندگی آرام اور سکون سے گزار سکیں جہاں معاش کے بہتر زرائع کے ساتھ ساتھ

امن وامان کی صورت حال بھی برقرار ہو۔

پاکستان عرصہ دراز سے خونی تکون کا تختہ دار بنا ہوا ہے جبکہ عام آدمی عدم تحفظ کا شکار ہے اور اپنے تمام تر وسائل کو بروکار لاتے ہوئے کسی بھی طرح سے امن کی پناہ میں بسیرا کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے گذشتہ چند دہائیوں میں لاتعداد افراد پاکستان سے ہجرت کر کے ترقی یافتہ ممالک کا رخ کر چکے ہیں۔ اب باقی ماندہ، جنکے پاس کوئی اگر اعلیٰ تعلیم اور تجربہ نہیں یا پھر وافر سرمایہ نہیں وہ حالات کے دھارے پر بہہ رہے ہیں۔

کسی وقت بے روزگاری ایک ایسا محرک تھا کہ ہجرت، سفر کو وسیلہ ظفر تصور کیا جاتا تھا مگر آج کے محرکات میں اگر ایک طرف اچھا روزگار ہے تو دوسری طرف ایک پر امن معاشرے کی تلاش بھی ہے کہ جہاں کوئی سکھ کا سانس لے سکے اور زندگی کے ایام رفتہ کو کسی تسلسل کی ڈگر پر ڈال سکے۔ وطن عزیز جو اغیار کی نظر میں شروع سے ہی کھٹکتا تھا اس کی صورت حال کسی سے پوشیدہ نہیں، ساری قوم انگشت بدنداں ہے کہ حالات کا دھارا اس وطن کو کس طرف لیجا رہا ہے۔ دہشت گردی اور افراتفری کا ڈانڈے الاٰ علانیہ بج رہے ہیں مگر مجال ہے کہ انکی روانگی پر کوئی فرق آیا ہو۔ آئے روز بم دھماکوں نے اگر ایک طرف تمام کاروباری، سماجی، معاشرتی مشینری جام کر رکھی ہے تو دوسری طرف عوامی طور پر بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ ہر لحظہ ایک فکر سی لگی ہوتی ہے کہ پتہ نہیں کب کچھ ہو جائے، خوف کے بادل چھٹنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اس صورت حال میں کسی کا ہجرت کی طرف مائل ہونا کسی اچنبے کی بات نہیں۔

امیگریشن یا ہجرت کا رواج اسی وقت فروغ پا گیا تھا جب امن امان کی صورت حال اولاً کشیدہ ہونی شروع ہوئی مگر اس میں جوش وخروش کچھ عرصہ قبل بہت واضع رہا ہے اور اسی آڑ میں بہت سے ادارے بھی معرض وجود میں آئے جو آئے روز نت نئی امیگریشن کی آفرز لیکر کسی نہ کسی طرح اس عمل کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے مشروم ادارے بھی فروغ پاتے رہے جو کچھ عرصہ کیلئے وجود میں آئے اور لوگوں سے پیسے بٹورے اور پھر چل دیئے۔ انکو یہ موقع اس طریق کار نے فراہم کیا کہ امیگریشن کے معاملات سالوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر محیط ہوتے ہیں لہذا نتائج کی طوالت کے باعث لوٹ مار کیلئے کافی وقت مل جاتا ہے اور اسطرح ایک جگہ سے دوسری جگہ نام بدل بدل کر نئے نئے دفتر کھلتے رہے اور بند ہوتے رہے۔

لوگوں کی ہجرت کی ساتھ ساتھ وطن عزیز سے امن، پیار اور سکون کی فاختائیں بھی کوچ کر رہی ہیں جبکہ انکی جگہ افراتفری، سفاکی اور محرومیوں کی کالی گھٹاوں نے لے لی ہے۔چہروں پر بے رونقی کا دور دورہ ہے اور افراتفری کے سیلاب ہیں مگر امن کے خورشید کا انتظار ہے کہ کب وہ طلوع ہوگا اور اسکی کرنیں ان کالی گھٹاوں کا سینہ چیر کر اس مٹی کو سکون کی حرارت سے ہمکنار کریں گی؟ البتہ امید کی ہوائیں چلنی شروع ہوگئی ہیں اور کسی مثبت تبدیلی کے واضح آثار نمودار ہو رہے ہیں، زمینی دھماکوں کے ساتھ ساتھ سیاسی دھماکوں کا بھی امکان ہے (یاد رہے کہ دھماکوں سے اب اتنے شناسا ہوگئے ہیں کہ انکے محاوروں کا لغت میں استعمال بے اختیار ہو جاتا ہے)۔

ملکی حالات اور واقعات میں شہری زندگی معطل ہو کر رہ گئی ہے، لوڈشیڈنگ، مہنگائی اور پریشان حال زندگی سے کنارہ کشی ممکن نہیں اور نقل مکانی بھی اتنی آسان نہیں کہ اسکا مداوا بنے، البتہ ایک ہفتہ میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوسکتا ہے کہ بحر طور کسی نہ کسی صورت میں تبدیلی تو نظر آئے گی۔ایک ہفتہ میں امیگریشن، جی نہیں بلکہ نقل مکانی، ایک شش و پنج کی شکار زندگی سے بحر حال کافی بہتر، قدرتی لوازمات سے بھرپور اور جاندار ماحول۔شہری زندگی سے کسی گاوں کی طرف نقل مکانی کسی نہ کسی صورت ملک چھوڑنے سے بہتر ہے جہاں وطن کی مٹی کی خوشبو سے بھرا ماحول بھی موجود اور حالات کی خودسری سے چھٹکارا بھی۔

چند روز قبل ایک جاننے والے، ڈاکٹر حلیم صاحب تشریف لائے، انکی عمر ستر برس سے زیادہ ہے مگر ماشاء اللہ اپنے روزمرہ کام میں چست ہیں، چلنے پھرنے، کام اور گفتگو میں بھی بہت حلیم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ جناب فرما رہے تھے کہ زمانہ طالبعلمی میں وہ کافی عرصہ انگلینڈ رہ چکے ہیں اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے وطن آکر اپنی قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔فرمانے لگے جو زندگی کا مزہ اپنے وطن میں ہے وہ دوسرے ممالک میں کہاں؟

بیرون ممالک اعلیٰ تعلیم اس لئے حاصل کی کہ اپنے وطن آکر اپنے لوگوں کو اس سے مستفید کریں......ان کی آئیڈیل گفتگو میں تو میں قطع کلامی نہ کرسکتا تھا البتہ لقمہ ضرور دیا؛

ڈاکٹر صاحب! وہ بھی کیا زندگی ہوئی کہ نہ کوئی نوک جھوک، نہ کوئی حسد کرنے والا، نہ کوئی نفرت کرنے والا، نہ کوئی طنز کرنے والا، نہ کوئی الجھن، نہ کوئی سلجھن، ایسی جذبوں سے عاری زندگی کا کیا لطف ہوگا؟ اب اگر کوئی آپ کو امیر ہوتے دیکھ کر حسد کرتا ہے تو اسکا اپنا مزہ ہے اور اگر آپکی کامیابی پر کوئی نفرت کا اظہار کرتا ہے تو اسکی اپنی چاشنی ہے اور اگر کوئی آپکو راہ میں روک کر آپکے معاملات میں خوامخواہ مداخلت کرتا ہے تو اسکا اپنا مزہ ہے، اور اگر کوئی آپ سے ناراض ہوتا ہے تو اسکو منانے کی اپنی ایک موج ہے۔کبھی محبتوں کی چھاوں اور کبھی نفرتوں کی شامیں، کبھی الفت کے سائے اور کبھی حسد کی دھوپ بھی تو زندگی کے تسلسل کو قائم رکھے ہوئے ہے پیار کی ساری رتیں نچھاور کر رہی ہیں۔کتنی خوش آئیند بات ہے کہ کوئی آپ کیلئے وقت نکالتا ہے اور نفرت میں یاد رکھتا ہے، کوئی آپ سے مقابلہ نہیں کرسکتا مگر حسد تو کرتا ہے۔مگر یہ ساری نعمتیں تو اسی کو میسر ہیں جو اپنوں میں رہے۔ کبھی بچپن کی راہوں سے گزرے تو زندگی سے اٹھکھیلیاں کرے، کبھی ہمجولیوں کے وصل کی بہاریں لوٹے اور کبھی مکتب کی گھنٹیوں کی لے کا سرور، کبھی پیاروں کی گلیوں کے درشن اور کبھی والدین کی شفقت کے گھنے سائے، کیا دولت کے انبار لگا دئے جائیں اور ان میں سے کوئی نعمت خریدی جاسکتی ہے؟

خوبصورت یادیں!!!

خوبصورت یادوں کے انمول موتی جنکو لمحوں کی مالا میں پرو کر الفت کے کھونٹی پر لٹکایا جاتا ہے اور جب کبھی گوشۂ تنہائی میں گذشتہ ایام کو جیا جاتا ہے تو احساس کا آنگن انکی بھینی بھینی مہک سے لبریز ہو جاتا ہے۔

آج بھی اس مٹی کی خوشبو سانسوں میں بسی، شبنم کیطرح روح وقلب کو سیراب کیے ہوئے ہیں......

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ حسین یادیں جہاں زندگی مجھ پر آشکار ہوئی اور وہ لمحے جو میں نے محفوظ کیے ہوئے ہیں......

میرے بچپن کی راہوں کے گیت اب بھی اپنی میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں......

وصل کی خوبصورت شاموں کی جھلک آج بھی قلب کو روشن قمقمے کیطرح روشن کیئے ہوئے ہے......

ان پاؤں کی آہٹ جو کسی مچلتی صبا کی طرح گدگداہٹ سے ہمکنار کرتی تھیں۔

آج بھی لطف کے جھروکوں سے جھانک رہی ہے......

میرے محبوب کی پاؤں کی آہٹ اب بھی میرے قلب کو لطف و سرور کی موسیقی میں مبتلا کردیتی ہے......

تصور کے آبگینے جو لطف و کرم کے جام انڈیلتے تھے آج بھی انکی چاشنی باقی ہے......

خوشبو میں بسی میرے محبوب کی قربت اب بھی زندگی کو رقص میں مبتلا کیئے ہوئے ہے......

اے دوست!!! انتظار کی وہ راہیں جو صدیوں سے وصل کی لذت سے سرشار ہیں......ان کو میرا اسلام کہنا۔

ان وصل کی گھنی چھاؤں کو جو ابھی تک سرور کی لے میں ہیں......میرا اسلام کہنا۔

ان راہوں کی خوشبو کو جو قلب و دماغ کو معطر کیئے ہوئے ہیں......میرا اسلام کہنا۔

ان بچپن کے دوستوں کو جو اب ذمہ داریوں کی بھینٹ چڑھ چکے......میرا اسلام کہنا۔

پانی کی اچھلتی اور اٹکھیلیاں کرتی موجوں کو جنہوں نے میری زندگی کو ایک اٹھان سے روشناس کروایا......میرا اسلام کہنا۔

کوئی ہے جو سڑک پار کرادے؟

سڑک کے کنارے کوئی انتظار رہا ہے کہ "کوئی ہے جو سڑک پار کرادے؟" مگر کونسی سڑک؟ اور کون سوال کر رہا ہے کہ مجھے سڑک پار کرادو؟ کیا پھر کوئی بھٹکا مسافر کسی رہبر کی راہ تک رہا ہے یا پھر کوئی اندھا سڑک کنارے اپنی سفید لاٹھی ٹکائے کسی کی انتظار میں ہے؟

نہیں بلکہ

- غریب کہتا ہے کہ مجھے غربت کی سڑک پار کرادو اور خوشحالی کی منزل تک پہنچادو۔
- بیمار کہتا ہے کہ مجھے بیماری کی سڑک پار کرا کے صحت کی منزل تک پہنچادو۔
- مظلوم کہتا ہے کہ مجھے ظلم سڑک کی پار کرادو اور انصاف کی منزل تک پہنچادو۔
- بے روزگار سوال کرتا ہے کہ مجھے بے روزگاری کی سڑک پا کرادو اور روزگار کی منزل تک پہنچادو۔
- نوجوان سوال کرتا ہے کہ مجھے عظمت کے خوابوں کی سڑک پار کرا کے ایک شاندار مستقبل کی منزل تک پہنچادو۔
- بوڑھا سوال کرتا ہے کہ مجھے اذیتوں اور کمزوریوں کی سڑک پار کرادو اور دوبارہ جوانی تک پہنچادو (جو جا کر نہ آئے جوانی دیکھی...... جو آکر نہ جائے بڑھاپا دیکھا)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

- گناہوں میں ڈوبا ہوا سوال کرتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھے برائی کی سڑک پار کرا دے اور خیر کی منزل تک پہنچا دے۔
- عاشق کہتا ہے کہ مجھے فراق کی سڑک پار کرا دو اور وصل کی منزل تک پہنچا دو۔
- پاکستانی عوام کی آواز ہے کہ ہمیں مہنگائی کے بحران کی سڑک پار کرا دو اور سہولتوں اور امن کی منزل تک پہنچا دو۔
- قوم کہتی ہے کہ ہمیں سیاسی یکسانیت کی سڑک پار کرا دو اور کسی لیڈر سے ملا دو۔
- قاری ایک رائٹر سے سوال کرتا ہے کہ کوئی ہے جو لایعنی، خیالی نظریات اور فلاسفی کی سڑک پار کرا دے اور عملی زندگی کی سچائیوں سے ہمکنار کرا دے۔

کیا ہمیں معلوم ہے کہ یہ سوال کرنے والے ہم سے کس انداز میں سوال کرتے ہیں؟ کبھی شکوہ زباں پہ ہوتا ہے اور کبھی چہرے سے عیاں ہوتا ہے مگر کوئی سمجھنے کی کوشش تو کرے!!!

ہمارے آس پاس لاتعداد ایسے ہی سوالوں سے بھرے خاموش چہرے امید لگائے ہمارے رسپانس، جواب کے منتظر ہیں، جبکہ ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ سب کچھ دیکھتے، جانتے بوجھتے ہوئے بھی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ معاملات سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ غرض مند کی مجبوری کو سمجھنا تو درکنار، اسے بھکاری سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔ غریب رشتہ دار اور دوست احباب کی صرف زبانی کلامی خیریت دریافت نہ کریں بلکہ اگر صاحب استطاعت ہیں تو انکی مدد کریں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا پھر ہی ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو ان میں شامل کریں؟

کیا خیال ہے آپکا؟.........

سوال کرنے والے کو کیسے پہچانا جائے اور اسکی کیسے مدد کی جائے کیونکہ متوسط طبقہ ہی سب سے زیادہ معاملات کی زد میں رہتا ہے مگر یہ طبقہ سفید پوشی کا دامن نہیں چھوڑتا اور؟......

جی یہی تو جاننے کی کوشش ہے کہ ہر کسی کے معاملے کو ہر کوئی کس طور حل کر سکتا ہے

جبکہ ہر مسئلہ کا حل اسی دنیا میں موجود ہے، ایک امیر آدمی اگر صرف اپنے پالتو جانور پر لاکھوں خرچ کر سکتا ہے تو کیا کسی غریب کی چھوٹی سی مشکل حل نہیں کر سکتا؟

عیش و عشرت کی ایک رات کا بجٹ کتنے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے؟

ایک برس پہلے ایک فرد کو میں نے دیکھا جو کہ بڑھاپے کی عمر میں کسی بیماری کا شکار تھا وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے معافی مانگ رہا تھا اور ڈاکٹر سے التماس کر رہا تھا کہ جہلم میں میری میلوں کے حساب سے زمین ہے جو آپ لے لیں اور ہسپتال بنا لیں مگر مجھے اس بیماری سے نجات دلا دیں، مگر کچھ حاصل نہیں اور کسی نامعلوم بیماری کا شکار چل بسا!!!!

ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے عبرت کے نشان موجود ہیں مگر ان سے بھی سبق نہیں سیکھتے!!!

"اس خطہ زمین پہ ہم روزانہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ لادے ہوئے صبح کو آتے ہیں، دن گزارتے ہیں اور رات کو واپس چلے جاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک مختصر سے لمحے کو رہنے کی زندگی کیلئے شاندار محلات تعمیر کرتے ہیں اور شانِ طولانی دیکھئے کہ انا (خود پسندی) کی ملمع کاری بھی سمندر میں اٹھتی ہوئی لہر کی طرح ہے جو اپنے ہی شور میں یہ بھول گئی ہے کہ آخر اسے پھر واپس اسی سمندر میں مل جانا ہے تو پھر اتنا تلاطم کیسا؟ اور اتنا بپھرنا بھی کیا؟ آخر سر اٹھاتی ہوئی موجیں (لہریں) ہی کناروں سے اپنا سر پھوڑتی ہیں وگرنہ گہرے سمندر تو ازلوں سے خاموش اور ساکن رہے ہیں۔"

یہی لوگ ہوتے ہیں جب تندرست ہوتے ہیں تو ان کی گردنیں تنی ہوتی ہیں اور عام مخلوق انہیں کیڑے مکوڑے نظر آتی ہے اور جب خود کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تب انہیں احساس ہوتا ہے۔ اور اگر یہی لوگ مستقل طور پہ کسی ایک غریب خاندان کی کفالت کا ذمہ اٹھا لیں تو یقین کیجئے کہ پاکستان کے حالات بدل جائیں۔

مگر......عبرت کے نشانوں کو تو ہم روزانہ دیکھتے ہیں!

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک صاحب کو دیکھتا ہوں کہ انکا سارا جسم جل چکا ہے اور لنگڑا کر چلتے ہیں ابھی ادھیڑ عمر شروع ہوئی ہے تو میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو جناب نے فرمایا کہ نوجوانی میں عشق کر بیٹھا اور حالت یہ تھی کہ معشوق نے دھوکا دیا تو خودکشی کی کوشش کی مگر بچ گیا اور اب پچھتاتا ہوں کہ کیا کر بیٹھا مگر اب کیا فائدہ، اگر کسی نے مجھے اس وقت سمجھایا ہوتا تو آج اس حالت کو نہ پہنچتا!!!

اگر ایسے لوگوں کو کسی نے راہنمائی کی سڑک پار کرا دیا ہوتا تو کیا کسی اچھے حالات میں نہ ہوتا؟

بالکل اچھے حالات میں ہوتا!!!

ہم لوگ اجتماعی بے حسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی ہے تو ہماری سوچ یہی ہوتی ہے کہ، دفعہ کرو کیا ضرورت ہے پرائے پھڈوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟......

ایک دوست عدنان صاحب نے اپنا ایک سچا واقعہ سنایا:

''ایک دفعہ ہم کچھ نیٹ فرینڈز جنڈانوالہ گئے (وسیم اور خلیل بھائی سے ملنے) وہیں ہمارا رابطہ ایک اور نیٹ فرینڈ سے ہو گیا جو کہ غالبا سرائے عالمگیر میں رہتا تھا تو جب ہم نے اسے بتایا کہ ہم جنڈانوالہ میں ہیں تو وہ بھی آنے کو تیار ہو گیا اب ہم تمام دوستوں نے اس کو کھاریاں اڈا سے Receive کرنے کا پروگرام بنایا اور وسیم بھائی کی گاڑی میں کھاریاں بس سٹاپ کے لئے روانہ ہو گئے۔ چونکہ وہ دوست مجھے نہیں جانتا تھا اس لئے میرے دماغ میں شرارت آئی کہ کیوں نہ اس کو بکرا بنایا جائے۔ چونکہ مجھے وہ بھائی شکل سے نہیں جانتا تھا سو میں نے اس سے شرارت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب جونہی ہم کھاریاں بس سٹاپ پہ پہنچے تو وہ دوست وہاں انتظار کر رہا تھا باقی ساتھیوں نے مجھے اشارے سے بتا دیا کہ ہمارا شکار یعنی کہ ہمارا دوست وہ کھڑا ہے۔ وہ شکل سے دیکھنے میں کافی معقول بندہ ہے اور

باریش ہے۔ اب میں اس کے پاس گیا میں نے جا کر اس کا نام پوچھا جونہی اس نے اپنا نام بتایا میں نے اس سے کہا کہ میں پنجاب پولیس کی سپیشل برانچ سے ہوں اور آپ کے خلاف شکایت ہے کہ آپ سائبر کرائمز میں ملوث ہو آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔

اب جب اس نے یہ بات سنی تو بھاگنے لگا لیکن میں نے اس کو دبوچ لیا اور اس بندے نے وہاں شور مچانا شروع کر دیا کہ بچاؤ بچاؤ لیکن اللہ معاف کرے وہاں پہ سینکڑوں افراد آ جا رہے تھے لیکن کسی کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی۔''

اب ایسے حالات میں آپ خود اندازہ کر لیں کہ ہم کس قدر بے حس ہو چکے ہیں اور اس کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ لوگوں کے پاس وقت کی کمی ہے اور ہر کوئی جلدی میں ہوتا ہے اور اس طرح کے واقعات میں ملوث ہونا پسند ہی نہیں کرتے لوگ کہ خوامخواہ وقت کا ضیاء ہے، اللہ نہ کرے اگر ایسا ہی واقعہ ہمارے کسی دوست یا بھائی یا کسی فیملی ممبر کے ساتھ ہو جائے اور ہم خاموشی سے وہاں سے گزر جائیں؟

آج کے دور کی تیز رفتار زندگی میں تو یہ بات سولہ آنے درست ہے، ہمارے پاس تو بیمار ہونے کے لئے بھی ٹائم نہیں، ساری زندگی سمیٹنے کے دوڑ اور بڑھاپے میں جب عقل آتی ہے تو ملال۔۔۔ مگر کس کام کا؟

بطور مسلم ہماری بھی ذمہ داریاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی معافی تو اللہ تعالیٰ دے دیں گے مگر جب بندوں کے حق مارے ہونگے ان کو کیا جواب دیں گے؟ کیونکہ حقوق العباد کا معاملہ تو بندوں کے درمیان ہے، اور مزہ تو پھر ہے کہ بندہ اپنی زندگی کے سارے مراحل کامیابی کے ساتھ طے کرے اور مساوات، یکجہتی اور بھائی چارے کو اہمیت دے۔ جبکہ تمام مذاہب تو اجتماعیت اور بھائی چارے کی دعوت دیتے ہیں اور دوسرں کے حقوق کے تقدس کو شامل حال رکھتے ہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھولا مکینک اور جدید ٹیکنالوجی

معمولات زندگی نے انسان کو انتہائی مصروف کر دیا ہے، بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جیسے ایک دوڑ سی لگی ہوئی ہے اور ہر کوئی ایک دوسرے کو پچھاڑتے ہوئے آگے نکلنے کی کوشش میں ہے مگر معلوم نہیں کس انجانی منزل تک پہنچنا ہے؟ قدرتی زندگی کی جگہ اب مصنوعی لائف سٹائل نے لے لی ہے۔ کبھی کبھی گزرے شب و روز روشن چراغ کی مانند اور خوشبوؤں میں بسے لگتے ہیں جن کے پیش نظر ہم اپنی زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں۔

تقریباً بیس برس پہلے، میرے طالب علمی کے دور کی بات ہے کہ، لاہور کے ایک پوشش علاقے میں مگر گندے نالے کے پاس بھولے کی آٹو ورکشاپ تھی، یہاں ہر قسم کی موٹر بائیک کی ریپئرنگ کی سہولت موجود تھی، البتہ اس چھوٹی سی دوکان میں بھولا بنفس نفیس ہر کام خود سرانجام دیتا نظر آتا تھا۔ اس سیدھے سادھے نوجوان کی اپنے کام میں مہارت اور گاہکوں سے خوش اخلاق رویہ ہر حال میں قابل ستائش تھا۔ جب بھی اسکی دوکان پر جانے کا اتفاق ہوا، بھولا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا، خیریت واحوال پوچھنے کے بعد موٹر بائیک کو کیک لگا کر سٹارٹ کر لیتا اور اسکا نقص جاننے کے بعد اسکے الفاظ ہوتے "مسلہ ہی کوئی نہیں" اور تندہی سے مگر چند ہی لمحوں میں اسے ٹھیک کر کے کہتا، "لو جی! بھائی جان آپکی بائیک تیار ہے"، اسطرح سے اسکی مہارت اور لگن سے کام کرنا مجھے کسی اور طرف جانے کا سوچنے بھی نہ دیتا۔ جب بھی کام پڑتا سیدھا اسی کی دوکان پر بے دھڑک پہنچ جاتا جبکہ بھولے کے

تسلی والے الفاظ سے ہی آدھا مسلہ حل ہو جاتا اور باقی صرف چند لمحوں میں۔ بھولے کی گفتگو کبھی بھی کسی فضول موضوع یا شکایت کی طرف نہ بھٹکتی دیکھی اور نہ ہی کسی مقابلے کی ورکشاپ کا اس نے تذکرہ کیا صرف اپنے کام سے کام رکھنے کی اس کی عادت مجھے کافی متاثر کر گئی۔

میں اکثر سوچتا تھا کہ اس دنیا میں ایسے بھی سیدھے سادھے لوگ موجود ہیں، مگر یہ ترقی کیسے کریں گے؟ نہ تعلیم یافتہ اور نہ ہی سرمایہ دار، نہ کوئی سیاسی حیثیت اور نہ ہی کسی صاحب حیثیت کی یاری۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بھولا ایک محنتی اور کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی تھا، اور جب بھی اس کی دوکان پر جاؤ تو وہ کسی نہ کسی طور جدت کا خواہاں ضرور نظر آتا تھا۔ کیونکہ ہر بار اس کی دوکان میں کچھ نہ کچھ اضافی چیز ضرور دیکھنے میں آتی جس کا وہ بڑے فخر سے تذکرہ کرتا کہ بھائی جان میں نے اپنی دوکان میں یہ اضافہ بھی کر لیا ہے اور اب جو پیسے بچیں گے میں فلاں چیز بھی لاؤں گا، یعنی اسکی ساری زندگی کا محور اپنا کام اور اس میں ترقی، نمایاں طور نظر آتے تھے۔

کبھی کبھار جب اس کے ورکشاپ میں رکھے بینچ پر بیٹھنے کا موقع ملا تو وقت گزارنے کی خاطر اس گپ شپ کی کوشش کی کہ چلو کام کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ بھی چلتا رہے، مگر اس شرمیلے نوجوان نے کبھی بھی لفظی گھوڑے دوڑانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا، حیرت یوں کہ ملکی وکاروباری سیاست تو دور کی بات اس نے کبھی کام سے ہٹ کر کسی دوسری گفتگو میں دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ البتہ کبھی کسی بات میں جوش وخروش دیکھا تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے دیکھا کہ اسکا کام پہلے سے بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ اسکی کیفیت تو قطعی اسطرح سے نہ تھی کہ جیسے قیدی پرندے کیلئے باہر کے موسم، یعنی بہار ہو یا خزاں ہو، اسکو کیا غرض؟ کیونکہ وہ کسی مجبوری کی قید کا بندھا ہوا نہ تھا بلکہ صرف کام سے کام رکھنے کا عادی تھا۔

اسی اثنا میں ایسا موقع بھی آیا کہ مجھے اپنی سواری بیچنی پڑ گئی لہذا اب بھولے کی ورکشاپ پر جانے کا کیا کام؟ ایک روز اسکی ورکشاپ کے سامنے سے گزر رہا تو اس نے فوراً راستہ روک کر خیر وعافیت پوچھی اور بولا آپکی سیونٹی کہاں ہے، میں نے ٹال دیا، تو بھولا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جھٹ بول پڑا کہ میرے پاس ایک عدد بائک موجود ہے جو کہ، میں نے تیار کی ہے مگر ایک انویسٹر کا اس میں حصہ ہے اگر آپ چاہو تو آپ وہ قسطوں پر خرید سکتے ہیں۔ اور اسطرح اس نے مجھے پھر سواری کی سہولت سے ہمکنار کر دیا۔

وقت اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے، سواریاں اور ورکشاپس بدلتی رہیں اور روابط بھی تبدیل ہوتے رہے۔ آج عرصہ دراز کے بعد جب لوڈ شیڈنگ سے نبرد آزما ہیں تو جنریٹر کا سہارا لئے سلسلہ چل رہا ہے کہ اچانک گھر کے جنریٹر میں کوئی نقص پیدا ہوا۔ علاقے میں کوئی خاص مکینک نظر نہ آیا تو سوچا بھولے کی ورکشاپ میں جا کر پتہ کروں کچھ تو رہنمائی مل سکتی ہے۔ مگر اسکی دوکان میں تو کوئی اور نظر آیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بھولا تو عرصہ دراز سے یہاں سے کسی نئی جگہ شفٹ کر چکا ہے۔ اس کا نیا پتہ معلوم کرنے کے بعد احساس ہو کہ وہ تو ایک بڑی کشادہ مین سڑک کنارے منتقل ہو چکا ہے۔ بھولے کا نیا پتہ معلوم کرنے کے بعد میں جنریٹر لیکر اسکی ورکشاپ کی تلاش میں نکلا جو کہ کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ کچھ ہی دیر میں اسکی ورکشاپ کے سامنے تھا، یہاں کا تو منظر ہی بہت مختلف نظر آیا، ورکشاپ کے باہر پندرہ سے بیس موٹر بائک موجود تھیں، سات آٹھ مکینک کام کر رہے تھے، جبکہ دوکان کے اندر بھولا صاحب ایک آرام دہ گھومنے والی نشست پر براجمان تھے اور دوکان سپیئر پارٹس سے بھری ہوئی تھی جبکہ دس کے قریب گاہک مختلف اشیاء خریدنے کیلئے کاؤنٹر پر کھڑے تھے۔ اس مجمع کو دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی اور خوشی بھی کہ بھولے نے تو خوب ترقی کی ہے، میں دور ہی سڑک پر گاڑی پارک کر کے اسکی دوکان کے اندر کی طرف لپکا۔

مجھے دیکھتے ہی بھولے نے فوراً پہچان لیا اور سب کام چھوڑ کر اپنی نشست خالی کر کے وہ بولا بھائی جان آپ یہاں بیٹھیں۔ میں نے کہا بہت شکریہ میں گاہکوں والی نشست پر ہی بیٹھ جاتا ہوں تو وہ بولا "بھائی جان مجھے پتہ ہے کہ آپ نے گاڑی رکھ لی ہے اور مجھے بھول گئے مگر میں تو وہی بھولا ہوں"۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے آؤ بھگت شروع کر دی اور پھر آنے کا مدعا پوچھا، تو میں نے بتایا کہ پیٹرول والا جنریٹر خراب ہے اس لئے سوچا تم سے مدد لی جائے تاکہ کسی اچھے سے مکینک یا ورکشاپ کا بتا سکو۔ تو بھولا جھٹ سے بولا "مسلہ ہی

کوئی نہیں" میں حیران ہوا کہ وہ کیسے، تو اس نے بتایا کہ اسکی ورکشاپ میں ہر قسم کے جنریٹر بھی ریپیئر ہوتے ہیں۔ اب اس نے ایک شاگرد کو بھجوا کر جنریٹر منگوایا اور صرف پندرہ منٹ میں ٹھیک کر کے میرے سامنے رکھ دیا اور جب مزدوری پوچھی تو حیرانی ہوئی کیونکہ بہت مناسب چارجز مانگے جو کہ کسی بھی طرح سے کم از کم جنریٹر کے ریپیرنگ ریٹ نہ لگتے تھے میں نے حیرانگی ظاہر کی تو بھولے نے بتایا کہ وہ سب لوگوں سے اتنے ہی پیسے وصول کرتے ہیں۔

میں اس کی اس شاندار ترقی اور کامیابی کی اسکو مبارکباد دی کہ اس معاشرے میں جہاں کوئی بھی مددگار نہ ہو، نہ کوئی سیاسی حیثیت یا روابط ہوں اور نہ سرمایہ، مگر کاروباری وسعت اور شاندار روزگار واقعی تعریف کے قابل ہے۔ اس نے اپنا وزٹنگ کارڈ مجھے دیتے ہوئے بتایا کہ ورکشاپ والی جگہ وہ خرید چکا ہے اور اب اس کی شادی بھی ہو گئی ہے، اللہ کا بہت شکر ہے البتہ اولاد نہیں ہے مگر اللہ کے گھر بہت امید ہے کی شنوائی ضرور ہوگی۔

بھولے کی زندگی تو واقعی نہ صرف قابل رشک معلوم ہوئی بلکہ قابل تقلید نمونہ بھی، نہ زیادہ تعلیم، نہ سرمایہ اور نہ سیاسی حیثیت اور قرابت داری اور معاشرہ ایسا کہ کسی کو کوئی پھلتا پھولتا نہ دیکھ سکتا اور یہ شاندار ترقی اور کامیابی ایک مقام رکھتی ہے۔ کام سے کام رکھنا، دلجمی سے ایک ہی کام میں مستقل مزاجی، کسی بھی شارٹ کٹ سے بالاتر اپنے کام کی لگن اور جدت کو ملحوظ خاطر رکھنا قطعی جوانوں کا شیواء ہے جنکو اچھے برے حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی فن آتا ہے۔ زمانے کی تیزی ہو یا سست روی، انکو اپنے مقصد سے ہٹا نہیں سکتی، یہ معاشرے کے متحرک عضو کیطرح اپنی ذمہ داریوں کو بھانا جانتے ہیں۔

جب بھی کبھی بھولے کی ورکشاپ کے سامنے سے گزر ہو تو اس کو دیکھتے ہیں ارادں میں مضبوطی، کام کی لگن اور مزید توانائی کا احساس پیدا ہوتا ہے، جبکہ کامیابی کی راہ نظر آنے لگتی ہے اور اسکی سادگی پہ رشک آتا ہے کہ بہت سے چالاک جو اس کے دائیں بائیں ورکشاپس بنا کر مدمقابل تھے مگر بھولا تو کب کا ان سے بہت دور اور کامیابیوں کی منزلیں طے کرتا اپنے قدموں کے نشان چھوڑتا چلا جا رہا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فیصلے تو آسمانوں میں ہوتے ہیں مگر زمین والے بھی تو حرکت کریں اور کامیابی کی راہیں متعین کریں، فقط سوچنے سے تو کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ عملی زندگی میں قدم نہ رکھا جائے۔ حالات کی آنچ کیسی ہی کیوں نہ ہو، ارادے جن کے پختہ ہوں ان کی راہوں میں آنے والی رکاوٹیں خود بخود ہٹتی چلی جاتی ہیں۔ سچائی، دلجمی اور کام کی لگن ایسے حسین جذبے ہیں کہ جنکا ۔ بلکہ سی بھی طرح ۔ ۔ئی باطل نہیں کرسکتا۔ بھولے کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ ۔ ۔ گھر میں اولاد کی کمی کیلئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ا سکے کاروبار کیطرح گھر میں بھی ۔ ۔ ۔ آمین!!

۔ ۔ل میاں ۔ بخشؒ صاحب

۔الی دا کم پانی دینا، بھر بھر مشکاں پاوے

۔الک دا کم پھل پھول لانا، لاوے یا نہ لاوے

اکیسویں صدی کا طلسم کدہ

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، آج تک آپ اس طرح کی معرکہ آراء باتیں قصے کہانیوں میں سنتے آئے ہیں، مگر یہ ہوشربا مناظر آپ کو دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ آج کے دور میں ٹیلی ویژن نہ صرف گھریلو تفریح کا اچھا ذریعہ سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کی حیثیت گھر کے ایک فرد جیسی ہو چکی ہے جس کے بغیر گھر نامکمل سا لگتا ہے۔ ایک طرف اگر دنیا جہاں کی معلومات گھر بیٹھے ملتی ہیں تو دوسری طرف اس کے تفریحی پروگرام کسی طرح بھی طلسم ہوش ربا سے کم نہیں۔ خاص طور پر مختلف چینلز کے کبھی نہ ختم ہونے والے طلسمی جال نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کو جکڑ رکھا ہے۔ گھریلو خواتین کیلئے ان کی اہمیت ایک وقت کا کھانا تیار کرنے کے مترادف ہے۔ ان ڈراموں کے موضوعات زیادہ تر گھریلو مسائل، رشتوں کے اقدار، محبت و نفرت کی جنگ اور خواہشوں کے نت نئے انداز کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ان کہانیوں میں روایتی ہیرو، ہیروئن کے انجام سے ہٹ کر ایک نئی روش اختیار کر گئی ہے کہ ڈرامہ کی کہانی تمام کرداروں کا باری باری طواف کرتی ہیں اور اس طرح سے ایک لامتناہی سلسلہ سالہا سال سے چلتا آرہا ہے۔ روزمرہ کے عام موضوعات سے لے کر کٹھن مراحل زندگی کو سلجھانے کی کوشش اور نت نئے موضوعات کی دلفریبی نے ناظرین کو اُلجھا کر رکھ دیا ہے اور اس طرح اس طلسم ہوش ربا کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ پروگرام بچوں کے ہوں یا بڑوں کے زمانے کی رنگینی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آزادی و لذت کے وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سارے سامان میسر ہیں جو ہر آج کو رنگین بنا رہے ہیں اور ہر کل سے بے خوف کر رہے ہیں۔

اگر اس سرابِ نظر سے توجہ ہٹائی جائے تو کچھ اہم باتیں توجہ طلب ہیں جہاں یہ ڈرامے اعلیٰ تفریح اور سبق آموز کہانیوں کا مسکن سمجھے جاتے ہیں وہیں ہندوانہ مذہبی شعائر کے اعلیٰ تربیتی مراکز بھی ہیں۔ ان میں نہ صرف ہندومت کے نظریات کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے بلکہ گھر بیٹھے لوگوں کو مفت ہندوانہ مذہبی رسومات کی تربیت دی جا رہی ہے۔ ان ڈراموں کے طلسم میں جکڑے ہوئے لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر نئی قسط میں ایک نیا مذہبی سبق (Course) حاصل کرتے ہیں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس سبق کو یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس تربیتی پروگرام کو کبھی نہ بھولنے والے صورت مناظر میں قلم بند کیا جاتا ہے۔ ایک بچے کے پیدا ہونے سے لیکر مرنے کے بعد تک کی تمام ہندو مذہبی رسومات کو اعلیٰ ڈرامائی شکل دے کر جو اسباق مرتب کیے گئے ہیں ان شاندار نتائج سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ اب اگر ایک مسلمان بچے کی تربیت ایسے ماحول میں کی جائے جہاں کا اوڑھنا بچھونا ہندوانہ ہو تو اس سے کس مستقبل کی اُمید کی جا سکتی ہے؟ ایجادات اور تفریح کے اس دور میں کہیں ہم اپنا وجود تو نہیں کھو چکے؟ آج احساس نام کی کوئی چیز میسر آ جائے تو غنیمت جانئے اور صرف ایک بار تفریح کی عینک اُتار کر حقیقت کی نظر سے دیکھیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ کیبل وانٹرنیٹ کے اس جدید دور میں ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ من پسند زندگی گزارے۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ رسل ورسائل کے ذرائع کو کسی معیار کا پابند بنایا جائے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ افراد کی تربیت اس طرح سے کی جائے کہ وہ حقیقت سے شناسا ہوں۔ آج اگر ایک ناپختہ ذہن بچہ ہندوانہ مذہبی رسومات کو معمولاتِ زندگی سمجھ کر سیکھ رہا ہے تو کل کو وہ کس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اپنا ''اسلامی تشخص'' تلاش کرے گا؟

ہم جس بھی رنگ میں رنگے جا رہے ہیں اس کا تو اب احساس بھی ختم ہوتا جا رہا ہے روزمرہ معاملات اب اس تربیت کے باعث ہمیں مختلف دکھائی دیتے ہیں ہمارے رسم و

رواج کے اندر جو کچھ ملاوٹ ہو چکی ہے شاید اس کا خمیازہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔ اس نئے دور کی نئی تہذیب کے جو ثمرات ہمیں مل رہے ہیں اس کا Credit اس ذہن کو دینا چاہیے جس نے کامیابی کے ساتھ اپنا رنگ ہمارے اوپر رنگ دیا ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلنے دیا۔ اُمید یہ ہے کہ ہم، جو کہ اس دلدل میں بُری طرح پھنس چکے ہیں اور بچنے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، اگلے مرحلے (Stage) پہ اپنا وجود کھو چکے ہوں گے۔

جہاں ہمارے پاس دوسروں کی بُرائیاں کرنے کیلئے بہت وقت ہے وہاں ہم اپنے گریبان میں جھانکنے کی جرات نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو احساس (Realize) دلانے کا وقت بھی نہیں یہ سلسلہ اگر یونہی چلتا رہا تو نامعلوم کتنی نسلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا آج اگر ہم کم از کم اتنی ہمت کر لیں کہ اپنی آنکھوں کی پٹی اُتار کر غیر جانبدار ہو کر اپنے اردگرد بدلتے ہوئے زندگی کے رنگوں کو اپنی ''ذاتی'' آنکھوں سے دیکھ کر فیصلہ کریں کہ آیا ہم سب کچھ صحیح کر رہے ہیں یا کچھ غلط بھی ہو رہا ہے؟ آیا ہم اتنے لاپرواہ ہیں اور کیا ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں؟ ہم کب تک معاملات سے پہلوتہی کرتے رہیں گے۔

آج اگر میں ایک بھی فرد کو اپنا پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو سمجھوں گا کہ میں نے اس قلم کا حق ادا کر دیا ہے جو میرے ذمہ تھا۔ تحریریں لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اندر سے اُٹھنے والی وہ آواز جو کہ نوشتہ دیوار کی طرح وارد ہو رہی ہو سب کے سامنے رکھ دینا چاہیے تاکہ کوئی تو راہ پائے۔ میری قوم کا مجھ پہ فرض ہے کہ میں ہر وہ سچ جو ملاوٹوں (Impurities) سے متاثر ہو رہا ہے اس کو جھوٹ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کروں۔ آج ہماری قوم کے نوجوان بچے جس رنگ کو اپنا رہے ہیں کیا وہ ہمارا اپنا رنگ ہے؟ کیا ہمارا یہی ورثہ ہے کہ اگر ایک طرف ہم امپورٹڈ (Imported) اشیائے صرف پسند کرتے ہیں تو کیا دوسری طرف امپورٹڈ لائف اسٹائل کو بھی اپنا لیں جو چاہے ہماری تہذیب کی کمر میں چھرا ہی گھونپ رہا ہو؟ میری گزارش ہے کہ جو کچھ بھی آپ نے ان تحریروں میں پڑھیں اپنی روزمرہ کی گپ شپ میں کم از کم دو تین دن تو ضرور اس کو شامل کریں، ہوسکتا ہے کسی کا بھلا ہو جائے اور آپ اپنے حصے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بارش کی سائنس اور کیچڑ کی سیاست

بارش (Rain) بادلوں سے زمین کی سطح پر پانی کے قطروں کا علیحدہ علیحدہ گرنے کے عمل کو کہتے ہیں۔ بارش کے برصغیر پاک و ہند میں بڑے نام ہیں۔ بارش، برکھا، میگھا، مینہ، پونم وغیرہ۔ بھارت کی ایک ریاست میگھالیہ کا یہ نام وہاں بہت زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے ہے، بنگلہ دیش کے ایک دریا میگھنا بھی مینہ یا میگھا سے بنا ہے۔ بارش زراعت اور پودوں کیلیئے زندگی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اوسطاً بارش کا ایک قطرہ ایک یا دو ملی میٹر قطر کا ہوتا ہے۔ مون سون بارشوں اور موسم کے بہت بڑے نظام کا نام ہے۔ بارش برازیل، وسطی افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا میں پودوں اور جانوروں کی بے تحاشا قسموں کی باعث ہے۔ بارش ہماری رہتل میں خوشیوں گیتوں اور زندگی کا نام ہے۔ مون سون ہواؤں، بادلوں اور بارشوں کا ایک نظام ہے۔ یہ موسم گرما میں جنوبی ایشیاء، جنوب مشرقی ایشیاء اور مشرقی ایشیاء میں بارشوں کا سبب بنتا ہے۔ اپریل اور مئی کے مہینوں میں افریقہ کے مشرقی ساحلوں کے قریب خط استوا کے آس پاس بحر ہند کے اوپر گرمی کی وجہ سے بخارات بننے کا عمل ہوتا ہے یہ بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور مشرق کا رخ اختیار کرتے ہیں۔ جون کے پہلے ہفتے میں یہ سری لنکا اور جنوبی بھارت پہنچتے ہیں اور پھر مشرق کی طرف نکل جاتے ہیں۔ ان کا کچھ حصہ بھارت کے اوپر برستا ہوا سلسلہ کوہ ہمالیہ سے آٹکراتا ہے۔ بادلوں کا کچھ حصہ شمال مغرب کی طرف پاکستان کا رخ کرتا ہے اور 15 جولائی کو مون سون

کے بادل لاہور پہنچتے ہیں۔ عموماً 15 جولائی کو پاکستان میں ساون کی پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ مون سون کی بارشیں اس علاقے میں اک نئی زندگی کا پیغام لاتی ہیں۔ مون سون عربی زبان کے لفظ 'موسم' کی تبدیل شدہ شکل ہے۔

پانی (سنسکرت سے ماخوذ) (انگریزی: Water)، آب (فارسی) یا ماء (عربی) ایک بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ مائع ہے، یہ تمام حیات کیلیئے نہایت اہم ہے۔ پانی قدرت کا حسین تحفہ اور عطیہ ہے اور اسکا سفر کتنا دلچسپ ہے کہ ہلکا ہو تو آکاش کی طرف سفر کرتا ہوا ہواؤں کو آبیار (Pregnent) کرتا ہے، کبھی تو بادل بن کے آسمان پر چھا جاتا ہے اور پھر رحمت بن کے زمین پہ برستا ہے، اور کبھی آلودہ فضا کی غلاظتوں کو سمیٹتا ہے تو کبھی پھولوں پہ شبنم بن کے موتیوں کی طرح چمکتا ہے اور کبھی آبشار بن کے موسیقی کا سامان مہیا کرتا ہے اور کبھی برف بن کے پہاڑوں کی چوٹیوں پہ دمکتا ہے مگر زمین پہ ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے اور اگر اِس کے بہاؤ کو پابند کر دیا جائے (حدوں میں، Boundries) تو ندی، نالوں اور دریاؤں کی طرح بہتا ہے اور کبھی چشمہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اگر حدوں میں رہے تو اس کے باعث طاقت پکڑتا ہے۔ اگر ایک طرف ہمارے لیے آبپاشی کا سامان مہیا کرتا ہے تو دوسری طرف اس سے بجلی بھی بنائی جاتی ہے۔ اور اِسی طرح اس کا آدھا سفر ایک سمندر میں مدغم ہونے پہ مکمل ہو جاتا ہے جبکہ سورج کی تپش اسے مشتعل کرتی ہے اور پھر یہ بھاپ بن کر ہوا کے بازوؤں پہ بلند و بالا پہاڑوں کا سفر کرتا ہے اور پہاڑوں کی ننگی چوٹیوں کو سفید مخمل غلاف (برف) سے ڈھانپ دیتا ہے۔ مگر ایک بار پھر اچانک دھوپ کی تپش اِسے تھپکی دیتی ہے اور یہ پھر رخت سفر باندھ لیتا ہے اور ہواؤں کے دوش پہ سوار میدانوں کا رُخ کرتا ہے اور خطہ زمین پہ رحمت بن کے برستا ہے اور بنجر زمین اس کے دم سے سونا اُگلنے لگتی ہے۔

قدرت نے پانی کی فطرت میں بہنا لکھا ہے اگر اِسے بہنے کا موقع نہ ملے تو تالاب اور جوہڑ کی شکل میں رُک جاتا ہے اور یہیں اِس میں سڑاند پیدا ہو جاتی ہے جو زندگی کو فنا کا درس دیتی ہے۔ اور اگر اِس کے بہاؤ میں حدیں نہ رہیں تو اپنی لامحدود طاقت و

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طغیانی کے باعث سیلاب کی شکل میں میدانوں میں دندناتا پھرتا ہے اور کسی سرکش حیوان کی طرح ایک بار پھر زندگی کو فنا کی طرف بہا لے جاتا ہے جبکہ حدوں میں بہتے ہوئے زندگی کو بقا دیتا ہے مگر حدوں کو توڑنے میں اور رُکنے میں فنا سے روشناس کرواتا ہے۔ اس کا یہ سفر ازل سے اس کی گھٹی میں لکھ دیا گیا ہے اور یہ اپنے سفر میں رواں دواں ہے (Automatic)۔ قدرت نے انسان کے اندر اور باہر پانی کا انتہائی اعلیٰ تناسب رکھا ہے جبکہ زمین تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی سے مرکب ہے اور یہ خشکی کا خطہ پانی کی سطح پر تیرتا پھرتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اپنی جگہ بدلتا ہے، اگر دُنیا کی تاریخ کے اوراق پلٹیں تو اندازہ ہوگا جہاں پہلے کبھی سمندر تھے وہاں خشکی کا بسیرا ہے اور جہاں پہلے خشکی کا خطہ تھا وہ اب سمندر کا مسکن ہے۔

رش پیاء (اور باراں پیاء) یا مقیاس المطر (Gauge Rain)، ایک آلہ (Instrument) ہے جس کے ذریعے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کس قدر بارش ہوئی یہ لوہے کے سلنڈر اور شیشے کی ایک بوتل پر مشتمل ہوتا ہے۔ بوتل کے اوپر ایک قیف رکھی جاتی ہے۔ جس کا نچلا سرا بوتل کے اندر جاتا ہے اس سلنڈر کو کسی کھلے میدان میں سطح زمین سے تقریباً ایک فٹ اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ بارش کے چھینٹے اس میں نہ پڑیں۔ یہ بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا پانی کسی صورت ضائع نہ ہو۔ بارش کا پانی قیف کے ذریعے بوتل میں جمع ہوجاتا ہے۔ یہ جمع شدہ پانی ایک درجہ دار سلنڈر میں ڈال کر ناپ لیا جاتا ہے۔ درجہ دار سلنڈر اور قیف کے منہ میں ایک تناسب ہوتا ہے اگر درجہ دار سلنڈر میں پانی دس انچ تک آئے تو کل بارش ایک انچ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر بارش کا پانی نہ بخارات بنے، نہ زمین میں جذب ہو اور نہ کسی طرف بہہ جائے بلکہ ایک جگہ کھڑا رہے تو اس کی گہرائی ایک انچ ہوگی۔ اس درجہ دار سلنڈر کے ذریعے 1/100 انچ تک بارش ناپی جاسکتی ہے اس قسم کے مقیاس المطر ہر تعلقہ یا تحصیل میں نصب ہوتے ہیں اور ان سے مقامی بارش کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

آج سائنس کی تحقیق یہ بتلا رہی ہے کہ تمام الیکٹرانک آلات استعمال ہوتے ہے

اور مثبت چارج (+ve ion) خارج کرتے ہیں جو کہ صحت کے لیئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ ہمارے شب و روز تقریباً مکمل طور پر الیکٹرانک آلات سے مزین ہیں۔ زندگی کا کوئی کا کام ان کے بغیر مکمل ہوتا نظر نہیں آتا اور اس مصنوئی زندگی کے دھارے کو ہم سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ لہٰذا معلوم یہ ہونا چاہیئے کہ انسانی جسم ان سے کیسے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہوچکا ہے کہ مثبت چارج (+ve ion) جو کہ انسان کی صحت کے لیے مضر ہے اور نارمل (Neutral) حالت میں آنے کیلئے انسان کو منفی چارج (-ve ion) کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ آبشار، بارش اور دریا، سمندر کے کنارے ہی میسر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جب پانی ہوا سے ٹکراتا ہے تو اس کیمیائی عمل کے نتیجہ میں منفی چارج (-ve ion) حاصل ہوتا ہے جو کہ انسانی صحت کے لیے انتہائی مفید اور مثبت چارج کا سدباب بھی ہے۔ بارش کے باعث مفت کی حاصل ہونے والی صحت اور تازگی یہ قدرت کے اس انمول تحفے کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ گرمیوں میں باش میں نہانے اور آم کھانے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

کیچڑ کی سیاست

اب بات کرتے ہیں کیچڑ کی سیاست کی، منظر کچھ یوں ہے کہ قطرہ قطرہ سمندر کا اصل مظاہرہ دیکھنے کیلئے آپ کو مون سون کی بارشوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے جب بارش ہوتی ہے تو چھوٹی چھوٹی نالیوں میں طغیانی آجاتی ہے اور وہ ندی نالوں کی شکل اختیار کرلیتیں ہیں ان کے ملاپ سے سڑکیں دریاؤں کی گزرگاہوں میں تبدیل ہوجاتیں ہیں اور ان دریاؤں کے ملنے سے شہر ایک بحر بیکراں کا روپ دھار لیتا ہے اور اس کے بعد پانی پانی ہر جگہ پانی کا منظر ہوتا ہے ویسے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اتنا پانی ہونے کے باوجود ہمارے صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم پر جھگڑا کیوں رہتا ہے؟

ہمارے ہاں ایک گھنٹہ بارش ہوجائے تو ایک ماہ تک اس کے آثار رہتے ہیں اگر آپ سیاح ہیں یا کافی عرصہ بعد بیرون ملک سے پاکستان تشریف لائے ہیں آپ کو ہر گھر کے سامنے ایک تالاب نظر آئے اور ہر تالاب میں درجن درجن بھر بچے کھیلتے نظر آئیں تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ بڑے فخر اور یقین کے ساتھ یہ بیان دے سکتے ہیں مگر ٹھہریئے! کہیں ایسا نہ ہو کے آپ کی ذہانت حکمت اور فلسفہ دھرے کا دھرا رہ جائے یہ بیان دینے سے قبل اس بات کا اطمینان کر لیں کہیں واسا (WASA) تو اس شہر پر مہربان نہیں ہے۔ بارش سے قبل ہمارے گلی کوچوں میں مٹی، دھول بن کر اڑتی ہے اور بارش کے بعد مٹی اور پانی کا آمیزہ جسے بعض لوگ کیچڑ اور باز لوگ چکڑ کہتے ہیں اڑتا ہے بڑے بوڑھے اور خاص طور پر نمازی حضرات اس آمیزے سے اپنے کپڑوں کو بچانے کی ناکام کوشش کر کے اپنے آپ کو پرہیز گار اور معزز ثابت کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر بارش کے بعد باہر چہل قدمی کرنے کی صورت میں نقصان کی تمام تر ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے پاؤں وفا نہ کریں اور آپ کینوس بننے کی بجائے پینٹ میں سے لتھڑے ہوئے برش کی طرح کیچڑ سے برآمد ہو اور اگر ابھی تک آپ کے ہاتھ پاؤں سلامت ہو تو لوگوں سے مدد امید نہ رکھے اور لوگوں کو ہنسنے کا زیادہ موقع نہ دے اور سیدھا گھر کا رستہ لیں۔ بارش کے بعد کیچڑ کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے بقول شاعر یہ شعر بارش کے بعد کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔

دیوار کیا گری میرے کچے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن سے رستے بنا لیے

دیہاتوں، قصبوں اور کچی بستیوں میں یہ مناظر عام نظر آتے ہیں مگر لوگ اسی صورت میں رستہ بناتے ہیں اگر آپ دیوار تعمیر نہیں کرتے اور دیوار گرنے کی تمام ذمہ داری ہمسایوں پر عائد کی جاتی ہے جیسا کہ انڈیا یا افغانستان میں غبارہ بھی پھٹ جائے تو ذمہ داری پاکستان پر عائد کی جاتی ہے الزامات کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں فلاں کے گھر سے پانی ہماری دیوار کی بنیادوں میں داخل ہوا فلاں نے گلی میں مٹی ڈالوائی ہوئی ہے جس کی وجہ پانی جمع ہو کر ہماری دیوار کی بنیادوں میں داخل ہوا اور دیوار زمیں بوس ہو گئی حیرت کی بات ہے کہ اس معاملے میں معمار حضرات کے فن تعمیر پر کوء روشنی نہیں ڈالی جاتی اور یوں خواتین کے درمیان لڑاء کی ابتدا مندرجہ بالا الزامات سے ہوتی ہے مگر فریقین پانی، بنیادوں اور زمین بوس دیوار کو بھول کر ایک دوسرے کے شجرہ نسب تک پہنچ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی

سوانح عمری کے اہم واقعات پر روشنی ڈالنا شروع کر دیتی ہیں دیکھتے ہی دیکھتے گلیوں چھتوں، ادھ کھلے دروازوں اور کھڑکیوں سے بچے اور خواتین نظر آ رہی ہوتی ہیں جو حسین موسم سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں گھروں کے بارے میں اپنی معلومات خاصہ میں اضافہ کر رہی ہوتی ہیں یہ لڑائیاں زیادہ تر زبانی کلامی ہوتی ہیں اور مخالفین فاصلے پر ہونے کے باعث ہاتھا پائی سے گریز کرتے ہیں۔ بارش شروع ہوتے ہی کچھ گھروں کو ریڈ زون قرار دے دیا جاتا ہے اور ان گھروں کے سربراہ ایمرجنسی کا اعلان کر دیتے ہیں مرد حضرات چھتوں کے اوپر مٹی سے بھرے تھال اور خواتین گھر کے برتن اٹھائے کمروں کے اندر اپنی پوزیشن سنبھال لیتیں ہیں پھر اس طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں کپڑوں کے صندوق کے اوپر چھت ٹپک رہی ہے، مسہری پر پانی گر رہا ہے، بستر بھیگ رہے ہیں، الغرض تھالوں کی مٹی اور گھر کے برتن ختم ہو جاتے ہیں مگر چھت کے سوراخ ختم نہیں ہوتے۔ فرض کریں اگر بارش میں پانی کی بجائے معدنی تیل برستا تو امریکہ والے دنیا کے تمام بادلوں پر قبضہ کرنے پہ تلے ہوتے اور صورت حال کچھ اسطرح سے ہوتی کہ زمین کے ساتھ ساتھ آسمانوں میں بھی اک نئی جنگ جاری ہوتی جس میں دہشت گردوں کی روحوں کی تلاش کے تناظر میں تمام اسلامی ممالک کے بادلوں پہ غلبہ کی کوشش کی جاتی۔

یہاں اگر بات عاشقوں کی نہ کی جائے تو ظلم ہوگا کیونکہ بارش اور عاشق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بقول شاعر

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں

لذت وصل حاصل ہونے کے بعد کس نامراد کا دل چاہتا ہے کہ فراق کی تکلیف جھیلیں؟ البتہ اگر ناکامی پہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ جائے تو بارش کا منظر کچھ یوں ہوگا۔

اگر کبھی برسات کا مزہ چاہو، تو آ و ان آنکھوں میں آ بیٹھو
وہ برسوں میں کبھی برسے ہیں، یہ برسوں سے برستی ہیں

ویسے پرانے وقتوں میں بقول شاعر تنہائی کا مزہ یادوں کے سہارے اور وہ بھی برسات کے ساتھ۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اک شام کی تنہائی ہے اور یہ برسات ہے

ایسے میں تیری یاد ہے اور یہ برسات ہے

مگر اب موبائل کا دور ہے صرف اک مس کال کے فاصلے پہ محبوب کھڑا ہے۔البتہ اگر بیلنس کی کمی ہے تو بارش کا مزا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی مس کال مل جائے تو کچھ مت اچھالیے گا کیونکہ اگر بات بگڑ گئی تو برسات کا مزہ بھی جاتا رہے گا اور تنہائی بھی کاٹنے کو دوڑے گی!!!

حمیدی

آج ہمیں بارش کا پہلا قطرہ بننا ہے

بس کرو بس کرو! خدارا بس کرو! اتنا نہ مارو ہر شخص اسے منع کر رہا تھا مگر ماں تھی کہ مارے جا رہی تھی اور بچہ تھا کہ مزید چیخے جا رہا تھا۔ راہ گزرنے والے لوگ ایک دوکان کے باہر اس منظر کو دیکھنے کیلئے اکٹھے ہوئے جا رہے تھے ماں چلائے جا رہی تھی مانگو اور مانگو! یہ لینا ہے وہ لینا ہے، کیا ساری دوکان خرید دوں؟ گھر میں کھانے کو آٹا نہیں پکانے کو گھی نہیں اور ادھر تیری فرمائشیں ہیں کہ پوری نہیں ہوتیں کہاں سے لاؤں اتنے پیسے؟ مارتے مارتے ماں رونے لگ گئی اور معصوم بچہ تو پہلے ہی چلا رہا تھا یہ منظر دیکھ کے روکنے والوں نے چپ سادھ لی اور دم بخود ہو کر نظریں نیچی کر لیں۔ میں بھی اس بھیڑ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا یہ تکلیف دہ نظارہ دیکھتے ہوئے میں نے بھی اپنی راہ لی اور دل میں خیال کیا کہ ہر شخص کے حالات ایک جیسے نہیں ہوتے اگر کوئی خوش ہے تو کوئی پریشان، اسی کا نام دنیا ہے۔

آج مجھے اپنے دفتر میں کام کروانے کیلئے ایک مزدور کی تلاش تھی۔ میں سڑک کے کنارے کنارے دیہاڑی دار مزدوروں کو ڈھونڈ رہا تھا مگر گزرے لمحات کی بازگشت ابھی بھی سنائی دے رہی تھی اچانک ایک جگہ کافی لوگ نظر آئے جو کہ مزدوری کی تلاش میں اکثر سڑک کے کنارے جمع ہوتے ہیں۔ میں نے گاڑی انکے پاس جا کر روک دی ابھی شیشہ اوپر کیا تھا کہ ایک دم ہجوم سا لگ گیا جی صاحب جی جو بھی کام کروانا ہو، ہو جائے گا۔ مستری چاہیے پینٹر چاہیے وغیرہ وغیرہ آوازیں آنے لگیں۔ اور میں بات بھی نہ کر پایا تھا کہ ایک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شخص نے پچھلا دروازہ کھولا اور نشست پر براجمان ہوگیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کام تو اس نے پوچھا نہیں اور خود بخود تیار ہوگیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ایک دیوار توڑنی ہے او رملبہ بھی اٹھانا ہے کیا مزدوری کروگے؟ وہ بولا جی صاحب کیوں نہیں سارا کام کروں گا میرے پاس بیلچہ اور تغاری بھی ہے جس کا کرایہ بھی آپکو نہیں دینا پڑیگا، مجھے مزید حیرت ہوئی کہ دن کے ایک بجے بھی یہ لوگ مستقل مزاجی سے روزگار کیلئے کھڑے ہیں۔

بہرحال اس سے اجرت طے کرکے میں اپنے دفتر کی طرف چل پڑا۔ دفتر کے پلازے کے باہر پارکنگ کرنے کیلئے گاڑی روکی تو اچانک وہ صاحب بولے کیوں صاحب اس پلازہ میں کام کرنا ہے۔ جی ہاں یہیں تو میرا دفتر ہے وہ صاحب بولے جناب معذرت میں یہاں کام نہیں کرونگا، اس پلازہ میں کام نہیں کرسکتا مجھے گمان ہوا شاید اس نے یہاں کسی کا ادھار دینا ہے یا پرانا جھگڑا ہے جسکی وجہ سے وہ کام نہیں کر رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ صاحب اس پلازے کے پاس باعزت کام کرتے رہے ہیں اب انہیں لوگوں کے سامنے مزدوری کیسے کریں گے میں نے اپنے طور پر کہا کہ مزدوری میں کیا عار ہے ،کہیں اور تو کام کروگے ہی۔ یہاں کیوں نہیں؟ وہ صاحب بولے جناب مجھے گزشتہ کئی روز سے روزگار نہیں ملا مجبوراً مزدوروں کے ساتھ سڑک پر کھڑا ہوں، مگر یہ بھی ممکن نہیں کہ جہاں باعزت روزگار کمایا ہو وہاں مزدوروں کی طرح کام کروں؟ یہ کہہ کر وہ صاحب مجھے حیرت زدہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اب مجھے دوبارہ مزدور کی تلاش میں جانا پڑا، اس دفعہ سڑک پر گاڑیوں کی ایک لمبی قطار نے میرا استقبال کیا اتنی لمبی لائن اور ٹریفک کیوں جام ہے ایک ٹریفک پولیس والے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دور دراز ایک بڑی سڑک سے ایک جلوس گزر رہا ہے جسکی وجہ سے دور دور تک ٹریفک جام ہوگئی ہے۔

معاملہ انتہائی دور اور اثرات یہاں تک کہ ہر کوئی متاثر ہو رہا ہے، میلوں دور سے ایک واقعہ نے کہاں کہاں اثرات چھوڑے ہیں۔ دور دور تک لوگ متاثر ہو رہے ہیں اب سوائے انتظار کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ سوچ یہی تھی کہ آج کا دن ضائع نہ ہو جائے ،ہم سارا دن دفتروں میں بیٹھ کر اپنے کاموں میں مگن زندگی گزار دیتے ہیں باہر کے حالات کا

کیا پتہ کہ لوگ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ باتیں میرے ذہن میں گھوم رہی تھیں میں نے سوچا کہ ہمیں لوگوں کے حالات سے کیا غرض ہر کوئی اپنا کماتا اور کھاتا ہے یہاں کسی کو کسی سے کیا لینا دینا مگر ایک بات نے مجھے دکھا دیا کہ کوسوں دور کے واقعہ نے ہر طرف کی ٹریفک جام کررکھی ہے۔ آیا ہم ایک دوسرے کی زندگی پہ براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں؟ اگر جلوس کسی بڑی سڑک سے گزر رہا ہے تو ٹریفک چھوٹی سڑکوں پہ بھی جام ہے اور متاثر ہر کوئی ہو رہا ہے، کیا وہ بچہ جو چیز مانگنے کیلئے دوکان کے باہر چلا رہا تھا اسکی چیخ میں مجھے اپنے بچے کا درد کیوں نہ محسوس ہوا؟ مجھے اس مزدور کی حالت پہ رحم کیوں نہ آیا کہ جو عزتِ نفس کی خاطر بھوک کو گلے لگائے واپس چلا گیا آیا اسکی اس حالت کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا ہم اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ایک دوسرے کی زندگی کے معاملات سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ سچ میں ایک قوم ہیں نہ جانتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کی زندگی کا حصہ ہیں۔

گزشتہ کچھ عرصے سے میرے قلم نے چپ سی سادھ لی تھی۔ آنکھوں سے آنسو اور دل سے دعائیں تو نکلتی تھیں مگر لکھنے کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ آخر اس وطن عزیز کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟

اس معصوم بچے کی چیخ وپکار سے مجھے اپنے بچے کی آواز سنائی دی اور آج پھر لکھنے پہ مجبور ہوگیا۔ وطن عزیز کو ان حالات کے منجدھار سے ہم نے نکالنا ہے۔ حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھنا ہے۔

طوفان سے لڑو، تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

اس سے پہلے کہ حالات کا پنجہ ہمارے گریبان تک پہنچے ہمیں ان کو سلجھانا ہے، کیا ہم ایک قوم نہیں؟ کیا اس قوم کا کوئی حق نہیں!

کیا ہم سیل رواں کے بہتے دھارے پر رکھی ہوئی کائی کی طرح حالات کی موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے کسی انجانے گرداب میں اپنا وجود کھو جائیں گے؟ نہیں! ہم تو طلاطم خیز موجوں کا سینہ چیرنے والے ایسے سفینے ہیں جو [illegible] کے کنارے کی طرف گامزن ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے سامنے میری عمر سے دوگنا بڑے شخص کے سوال نے جب مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ گوہر صاحب! میں نے ساری زندگی اس وطن عزیز کی خدمت کی ہے، ایک مشہور کالج میں طلبا و طالبات کو ہسٹری پڑھاتا رہا ہوں، اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوں ہمارا کیا بنے گا؟ اب ہم کونسی ہسٹری لکھ رہے ہیں اور اب اور کتنا خون بہنا باقی ہے؟ میری زبان انکو جواب دیتے ہوئے گنگ ہوگئی۔ اس وطن عزیز کو کس کی نظر لگ گئی ہے اس کشتی کو منجدھار سے کون نکالے گا؟ ہاں ہمیں اب خواب خرگوش سے جاگنا ہے اور حالات کو سلجھانا ہے اور اپنا ذاتی کردار اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے ادا کرنا ہے۔
اب مزید کنارہ کشی کے اہل نہیں ہیں، پہلے ہی اپنے کیے کی بھگت رہے ہیں، جہاں ہم سب اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں وہاں ہمیں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ دنیا کے نقشہ پر ہم ایک ملک وقوم کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں اور ہمیں اس شناخت کو بھی برقرار رکھنا ہے۔ ہم ایک قوم ہیں مگر اپنی ثقافت روایات، تہذیب وتمدن ہے جو اغیار کی نظر میں کھٹک رہا ہے۔ اپنے وجود کی شناخت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ بیرونی اندیشوں اور اندرونی خلفشاروں کا ایک ہی حل ہے کہ ہم ایک قوم کیطرح سوچیں، ہمیں بارش کا پہلا قطرہ بننا ہے جو اس سرزمین وطن کو سیراب کردے۔ ہم تو ایک سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں ہر اینٹ دوسری اینٹ کو جوڑے ہوئے ہے ایک وجود کا احساس پیدا کرنا باقی ہے۔ ہمیں دوسری تہذیبوں کے بیچ میں اپنے وجود کو برقرار رکھنا ہے۔ انٹرنیٹ اور میڈیا کے اس دور میں جہاں دنیا کے ایک کنارے پہ سرکنے والے پتھر کی بازگشت دنیا کے دوسرے کنارے پر سنائی دیتی ہے وہاں ہماری شناخت کہیں کھو تو نہیں رہی۔ ہمیں اپنی نئی نسل کیلئے سوچنا ہے جو حالات کے رحم وکرم پہ ہے، ان معصوم ذہنوں میں جو بیج ہم بو رہے ہیں کل ہمیں اسے کاٹنا بھی ہوگا۔
جس تہذیب وثقافت کے رنگ میں رنگ رہے ہیں اسکا خمیازہ ہمیں بھگتنا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ ہمارا وجود کھو جائے، ہمیں اپنی شناخت کو اجاگر کرنا ہے اس قوم کو جو آج مشکل میں ہے اُسے مضبوط فیصلوں سے ہی مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔

آج ہمیں بارش کا پہلا قطرہ بننا ہے
تم کچھ دیر رک جاؤ ابر ہونے تک

کشتہ جات، زہریلے حلوے اور این آر او

اکیسویں صدی میں نئی نسل تو کشتہ جات کے بارے میں کم جانتی ہوگی مگر اسکے نئے روپ جو کہ ملٹی وٹامن کی شکل میں موجود ہیں، بہرحال اس کا ضرور پتہ ہوگا۔ کالج لائف میں، زندگی میں پہلی بار ضلع جہلم کے علاقے ڈومیلی کے عمر رسیدہ مگر تندرست وتوانا حکیم صاحب جو سید خاندان کے بزرگ بھی تھے، ان سے کشتہ کا لفظ سنا، جناب اپنے فن میں یکتا تھے۔ انکے بقول کشتہ مارنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں اور نہ ہی خالہ جی کا گھر ہے کہ ہر کس و ناکس طبع آزمائی کرتا پھرے، اگر کشتہ کچا رہ جائے تو انسانی صحت کو برباد کردیتا ہے۔
چشمے کا پانی معدنیات (قدرتی تیار شدہ کشتہ جات) سے لبریز ہوتا ہے مگر شہری زندگی میں یہ نعمت کہاں نصیب ہوتی ہے، چند روز قبل میں نے گھر کے نل میں آنے والے پینے کے پانی کو ایک لیبارٹری میں ٹیسٹ کرنے کیلئے دیا کہ چلو دیکھیں اس پانی میں کتنے کشتہ جات ہیں، جب رپورٹ آئی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، معدنیات اور کشتہ جات تو دور کی بات، پانی میں سیوریج، فضلہ جات اور سنکھیا جیسے ''نمکیات'' منہ چڑا رہے تھے۔ اسی دن سے ''گھر کے سرکاری پانی'' کو خدا حافظ کہا اور ''منرل واٹر'' سے دوستی کرلی۔ سنکھیا زمین میں پایا جانیوالا کیمیکل ہے جس کا استعمال انسان کیلئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ زیرزمین موجود معدنیات میں بھی پایا جاتا ہے اور انکے ذریعے پانی میں شامل ہوتا ہے۔ سنکھیا والا پانی پینے سے جو مضر اثرات انسان پر ظاہر ہوسکتے ہیں ان میں سے چند ایک یوں ہیں: قے کا ہونا، پیٹ کا شدید درد، اور خون آلود دست آنا۔ تاہم اگر طویل عرصہ تک ایسا پانی پیا جائے جس میں سنکھیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موجود ہوتو اس سے مختلف نوعیت کے مضر اثرات ظاہر ہو سکتے ہیں جیسے جلد، مثانے، گردوں، اور پھیپھڑوں کے کینسر کے علاوہ یہ کئی اور طرح کے جلدی ودیگر امراض کا باعث بن سکتا ہے۔

"بات پہنچی تیری جوانی تک" اب اگر اتنے اعلیٰ کشتہ جات آپکو گھر بیٹھے مل رہے ہوں تو ہم انسانی گردوں کو کیسے بھول جائیں؟ ویسے حلوہ کھانے سے گردوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا چاہے ہو زہریلہ ہی کیوں نہ ہو!! آج کی ایک خبر یہ بھی ہے کہ اسلام آباد میں علماء کانفرنس کے دوران چیئرمین رویت ہلال کمیٹی مفتی منیب الرحمان، مولانا عبدالغفور حیدری اور دیگر علماء کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے، جس کے بعد انہیں اسپتال منتقل کردیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق علماء کرام کا مولانا عبدالغفور حیدری کے پارلیمنٹ لاجز میں واقع رہائش گاہ میں اجلاس ہو رہا تھا، جس میں دہشت گردی کے خلاف متفقہ اعلامیہ جاری کرنے کے حوالے سے مشاورت کی جارہی تھی۔ اس دوران انہیں ناشتا، حلوہ پیش کیا گیا، جس کے بعد علماء کرام کی طبیعت خراب ہوگئی ہے، جس پر انہیں پولی کلینک اسپتال منتقل کردیا گیا ہے۔ جبکہ ہسپتال میں علماء کرام کی صحت اب بہتری کیطرف گامزن ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے علماء کرام جو جلد صحت یاب کرے، آمین!!

جی تو بات ہو رہی تھی گردوں کی، ایک اطلاع کے مطابق پینے کے صاف پانی کی عدم دستیابی اور غیر معیاری وملاوٹ شدہ اشیائے خوردونوش کے باعث پاکستان میں گردے کے امراض حیرت انگیز طور پر بڑھ رہے ہیں۔ مرض سے آگاہی اور عوامی شعور کے فقدان کے باعث ان امراض کی پیچیدگیوں میں بھی اضافہ رہا ہے۔ البتہ مرض کو ابتدائی سطح پر کنٹرول کرنے کیلئے یورالوجسٹ اور نیفرالوجسٹ میں باہمی رابطے ناگزیر ہیں۔ ہمارے ملک میں عالمی "کڈنی ڈے" منانے اور انسانی صحت میں گردوں کی افادیت پر سیمینارز کا رواج پانا ایک خوش آئین بات ہے جبکہ پاکستان ایسوسی ایشن آف یورالوجیکل سرجنز کے مطابق امراض گردہ میں تیزی سے اضافے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں نیم حکیموں اور عطائیوں سے علاج، جنسی ادویات اور کشتہ جات کا استعمال، ناقص پانی، غیر معیاری وملاوٹ، شدہ اشیائے خوردونوش، بلڈ پریشر اور شوگر کے امراض قابل ذکر ہیں۔ اکثر علاقوں میں پینے کا صاف پانی میسر نہیں، ایسی صورت میں گردے کے نئے مریضوں میں اضافے کو روکنے کیلئے بنیادی مراکز صحت اور رورل

آئین سے متصادم قرار دیتے ہوئے اس کو ابتداء سے ہی کالعدم قانون قرار دے دیا ہے اور قرار دیا ہے کہ این آر او کا اجراء قومی مفاد کے منافی ہے اور آئین کی مختلف شقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے جبکہ عدالت نے این آر او کے تحت ختم کیئے گئے مقدمات کو این آر او کے اجراء کے دن 5 اکتوبر 2007ء سے پہلے والی پوزیشن پر بحال کر دیا ہے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں 17 رکنی بنچ نے متفقہ طور پر مختصر فیصلہ سنایا۔

این آر او کو کالعدم قرار دیا جانا پاکستان میں انصاف کے سورج کا طلوع ہونا ہے جسکے باعث ملک بھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے، ہر حلقہ نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا جبکہ یہ ایک آزاد عدلیہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ملک ٹوٹنے کے 38 برس بعد ایک انصاف کا سورج ایک نئی تاریخ رقم کرتا ہوا طلوع ہوا۔ اس فیصلہ کے ملکی حالات پر مثبت اثرات مرتب ہونگے، اور ملک وقوم کیلئے نئی راہیں متعین کرے گا، احتساب کا عمل شفاف ہوگا البتہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وزیراعظم سپریم کورٹ کے اس فیصلہ پر سختی سے علم درامد کرائیں۔

آئینی حلقوں میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ نے صدر کی اہلیت کا معاملہ اوپن کر دیا ہے کیونکہ آرٹیکل 62 کے تحت صدر مملکت کا ایماندار، پاسدار اور امین ہونا لازمی ہے۔ دریں اثنا اوباما انتظامیہ کیطرف سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کو فراہم کی جانے والی ساڑھے سات ارب ڈالر امداد کا پورا حساب رکھا جائے گا اور اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ یہ امداد شدت پسندوں کے ہاتھ نہ لگے جبکہ اوباما انتظامیہ نے خبردار کیا کہ امداد میں بدعنوانی ثابت ہوئی تو پاکستان کی حکومت کو دی جانے والی امداد معطل کردی جائے گی۔

اب عوامی کشتوں کی بات چھوڑیں، "کرپشن" اب "قومی کشتہ" کے طور پر نمایاں ہوئی ہے، ایک طرف اگر بین الاقوامی طور پر جگ ہنسائی ہو رہی ہے تو دوسری طرف ہمارا قومی تاثر اپنا وقار "بلند" کر رہا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آخر مونالیزا بول پڑی

چند روز قبل ایک دوست کے دفتر میں کچھ ادبی شخصیات کی نشست میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ شریکِ گفتگو حضرات میں زیادہ تر افراد ماضی کی شخصیات تھیں اور گرما گرم بحث جاری تھی، گفتگو کا موضوع بھی دلچسپ معلوم ہو رہا تھا لہذا میں نے بھی شمولیت اختیار کر لی۔

ایک صاحب جو کہ ایک مشہور شاعر ہیں اور ماضی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں، گلہ شکوہ کر رہے تھے کہ دیکھو آج کل کے شعراء جو ہیں انکو تو شعر کہنا بھی نہیں آتا مگر ہر جگہ انکا چرچا ہوتا ہے، بے وزن شعر شاعری ہے مگر انکا نام چلتا ہے۔ دوسرے صاحب فرما رہے تھے کہ نئے نئے لوگ آ رہے ہیں انکو آتا جاتا کچھ نہیں مگر چرچے دیکھو!!!

سیاست پہ بات شروع ہوئی تو ایک صاحب بولے یار کون مخلص ہے اس وطن کا؟ جس کو دیکھو کھا رہا ہے اور قرضے معاف کروا رہا ہے مگر کوئی پوچھنے والا ہی نہیں، اور دوسرے صاحب بولے ڈیر اب تو مل کر کھانے کا طریقہ کا چل رہا ہے یا پھر باری باری !!! ایک صاحب کا تو موقف یہ بھی تھا کہ

''پاکستان بھی تو نوابوں نے بنوایا تھا تا کہ ان کی جاگیریں محفوظ رہیں۔''

اور ایک صاحب ملائزم اور ہپو کریسی پہ تبصرہ پیش کر رہے تھے جبکہ میزبان چائے

صرف کرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے لقمے بھی دے رہے تھے کہ گفتگو کا مزاج گرم رہے۔

آج مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہماری پیش رفت کن عوامل میں ہے، اور گم سم بیٹھا اس ادبی نشست میں اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر میزبان کی کرسی سے زرا اوپر دیوار پر پڑی جہاں مونالیزا کی ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔ مونالیزا کی مسکراہٹ مجھے شدید چبھتی محسوس ہوئی۔ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ میری جگہ پہ اب مونالیزا ہی بول پڑے گی کہ تم کیسی قوم ہو، دوسروں کی صرف ٹانگیں کھینچنے اور وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا، انسانیت کی فلاح کیلئے کونسے کام کر رہے ہو؟ آج اگر ترقی یافتہ قومیں مسلمان ہو گئیں (جو کہ حقیقت بھی نظر آرہی اسلام کا یورپ اور امریکہ میں تیزی سے پھیلاو) تو تمہاری قدریں Values کیا رہ جائیں گی؟

آج جب میں نیٹ پر نئی ٹیکنالوجی کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ جہاں Interactive Art کی انقلابی پیش رفت کے باعث یہ ممکن ہو گیا ہے کہ 2D دورخی شہہ پارے بھی محو گفتگو ہو سکیں گے اور ماڈل کے طور پر پہلی فلم میں مونالیزا کو بولتے دیکھا تو مجھے اپنی قومی اوقات یاد آ گئی اور خوف بھی کہ کہیں مونالیزا ہماری حالت کو دیکھ کر رہ نہ سکی ہو کہ بس کرو اب مجھے بولنا ہے تم اس قابل نہیں کہ تمہاری بات سنی جائے...... آج اگر ملکی پیمانے پہ اگر کوئی نہیں سنتا تو کل بین الاقوامی سطح پر تمہیں کون سنے گا؟ بس ایک دوسرے پر الزام بازی اور شجرہ نسب پر روشنی ڈالتے رہو...... اور پھر تصویریں بولیں گی اور ہم تماشائی بن کر سنتے رہیں گے...... شکر ہے مونالیزا تو کسی اور ہی زبان میں بات کر رہی تھی ورنہ اس نے کتنوں کے پول کھول دینے تھے...... ہم کہاں کھڑے ہیں اور دنیا کہاں پہنچ چکی ہے؟

دریں اثناء مجھے ایک معروف اخبار میں آرٹیکل بھجوانے کا شوق ہوا اور بڑی مشکل سے ایڈیٹر صاحب سے رابطہ ہوا، جناب نے مجھے اپنا ای میل اڈریس عنائیت فرمایا اور آرٹیکل بھجوانے کا کہا، میں نے انکو اپنی تازہ تحریر بھجوادی اور چند ہی لمحوں میں جواب موصول ہوا۔

"Sorry! This article is not suitable for

www.iqbalkalmati.blogspot.com

.... page as we usually prefer Taleemi and Ahkami articles. Your article is good but it is beyond the capacity of ordinary people. We prefer to general people not special people."

بلا تبصرہ!!! یا کوئی تبصرہ ہے؟

اور انٹرنیٹ کو ہی اپنا میدان عمل سمجھ کر چپ سادھ لی، عام لوگوں Ordinary people اور خاص لوگوں Special people کا فرق تو میرے نزدیک یہی نکلتا ہے کہ جن لوگوں کو انٹرنیٹ تک رسائی نہیں یا انکی انگلش اچھی نہیں تو وہ عام لوگ ہیں اور جنکو یہ دونوں نعمتیں میسر ہیں وہ خاص ہیں۔ اکثر عام لوگوں کیلئے لکھی گئی تحریریں خاص لوگوں کو پسند نہیں آتیں کیونکہ وہ ایسی تحاریر پہلے پڑھ چکے ہوتے ہیں مگر کسی "دوسری زبان" میں......

حمیدی

ون ویلنگ یا موت کا کھیل

جوانی دیوانی ہوتی ہے اور اپنے راستے میں آنے والی کسی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کرتی چاہے اسے اپنی جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔ صدیوں سے نوجوان گھڑسواری میں آگے نکلنے کے ساتھ ساتھ فن وطاقت کا مظاہرہ کرنے کا شوق پالے ہوئے ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں نت نئی ایجادات نے معاملات زندگی بہت آسان کر دیئے ہیں۔ پرانی سواری کی جگہ نئی سواری نے لے لی ہے مگر جوانوں کے شوق آج بھی اپنی جگہ پر جوں کے توں ہیں۔ عید ہو یا میلہ، ہر تہوار نوجوانوں کی سرگرمیوں سے بھرپور ہوتا ہے ان سرگرمیوں میں چند ایک شوق ایسے بھی ہیں جو بعض اوقات جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ ون ویلنگ آج کے دور کا ایک غمناک المیہ ہے۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق جشن آزادی، 14 اگست 2009 کے موقع پر ملک کے مختلف شہروں میں موٹر سائیکل کو ایک پہیہ پر چلانے کے باعث ہونے والے حادثات میں 14 افراد ہلاک جبکہ ہوائی فائرنگ' موٹر سائیکلوں کے ٹکرانے اور سلپ ہونے سے 300 سے زائد افراد زخمی ہوگئے۔ جبکہ دیگر علاقوں میں بھی ایک پہیہ پر موٹر سائیکل چلاتے ہوئے 3 افراد ہلاک ہوگئے۔ فیصل آباد میں تیز رفتاری اور ون وہیلنگ کرتے ہوئے 4 افراد ہلاک اور 98 زخمی ہوگئے۔ ادھر لاہور کے علاقے ماڈل ٹاون میں 17 سالہ نوجوان ایک پہیہ پر موٹر سائیکل چلاتے ہوئے فٹ پاتھ سے ٹکرا گیا اور موقع پر ہی جاں بحق

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوگیا۔ گجرات میں بھی ایک نوجوان ون وہیلنگ کے باعث ہلاک ہوا۔ سرگودھا میں ایک پہیہ پر موٹر سائیکل چلانے والوں کے خلاف پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے 80 نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔ علاوہ ازیں کراچی کے مختلف علاقوں میں جشن آزادی کی تقریبات منانے کے دوران ہونے والی ہوائی فائرنگ کے نتیجے میں 100 سے زائد افراد زخمی ہوگئے۔ 63 ویں جشن آزادی کی تقریبات کے موقع پر منچلے نوجوانوں کی جانب سے موٹر سائیکل ریلیاں نکالی گئیں جس کے دوران متعدد مقامات پر ہوائی فائرنگ بھی کی گئی جس کے نتیجے میں خواتین اور بچوں سمیت 100 سے زائد افراد زخمی ہوگئے۔ کراچی میں جشن آزادی کی تقریبات منانے کے دوران نوجوانوں کی جانب سے اہم شاہراہوں اور سڑکوں کو بلاک کرکے رقص بھی کیا گیا جس کے باعث ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوگیا۔

آج نوجوان سڑکوں پر گھڑ سواری نہیں کرسکتے البتہ موٹر سائیکل یا بائیسکل سے اپنی تشنگی پورا کرتے ہیں۔ ماضی میں گھڑ سوار جو فن و طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے آج کا نوجوان موٹر سائیکل کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نوجوان موٹر سائیکل کو تیز چلانے کے دوران اچانک اگلا پہیہ ہوا میں اٹھا دیتے ہیں اور سارا وزن پچھلے پہیے پر ڈال دیتے ہیں اور اس طرح موٹر سائیکل ایک پہیہ پر چلتی ہے۔ اس عمل کو ون ویلنگ کہا جاتا ہے۔ ایک طرف اگر دور سے دیکھنے والے یہ منظر بڑا درد ناک محسوس ہوتا ہے تو دوسری طرف موٹر سائیکل چلانے والے کو ایک انجانی لذت کا احساس ہوتا ہے جو اسے بار بار اس موت و زندگی کا کھیل کھیلنے پر مجبور کرتا ہے۔ ون ویلنگ کرنے والے کو اس کا انجام معلوم نہیں کہ کھیل ہی کھیل میں کیا نقصان ہوسکتا ہے۔ نوجوان ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اکثر اپنے ہنستے بستے خاندان کو غمناک المیہ سے دوچار کرجاتے ہیں۔ موٹر سائیکل کا توازن اگر برقرار نہ رہے تو اس کی انتہائی قیمتی جان پلک جھپک میں موت کا شکار ہوجاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس موت و زندگی کے کھیل کو روکنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کی گئی لہذا جب بھی کوئی تہوار، عید و میلہ کا موقع ہوتا ہے من چلے کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور اپنا ون ویلنگ کا شوق ضرور پورا کرتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس

عمل سے نوجوانوں کو کیسے روکا جائے انسانی جان سے زیادہ قیمتی چیز اس دنیا میں کوئی نہیں قوم کے نئے معمار اگر اسی طرح اپنی جانیں گنواتے رہے تو اسکا کون اس کا ذمہ دار ہوگا؟ نوجوان بچے، والدین یا یہ معاشرہ، یا قانون نافذ کرنے والے ادارے؟ اس عمل کو روکنے کے لئے ہر فرد کو اپنی سطح پر رہتے ہوئے کوشش کرنا ہوگی۔ متبادل میں بہت سے صحت مند کھیل ایسے بھی ہیں جو نوجوان اپنا کر اپنا شوق پورا کرسکتے ہیں۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موت کے کھیل کو روکنے کیلئے انتہائی سخت اقدامات ہونے چاہیں اور اسطرح کے اقدامات کئے جائیں کہ آئندہ کوئی بھی نوجوان غلطی سے بھی ون ویلنگ کا تصور نہ کرسکے۔ علاوہ ازیں والدین اور دیگر افراد بھی اس کے تدارک کا خاطر خواہ حل کریں کہ ایک صحت مند معاشرہ ہی صحت مند عوامل کا محرک ہوسکتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عیدالفطر

ایک سچی خوشی منانے کا دن

عیدالفطر، یا عید، عالم اسلام کا ایک مذہبی تہوار ہے جو کہ ماہ رمضان المبارک کے اختتام کی نشاندہی کرتا ہے اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے یکم شوال کو منایا جاتا ہے جبکہ شوال اسلامی کیلنڈر کا دسواں مہینہ ہے۔ عید عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی؛ خوشی؛ جشن؛ فرحت اور چہل پہل کے ہیں جبکہ فطر کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں؛ یعنی "روزہ توڑنا یا ختم کرنا"۔ کیونکہ عید الفطر کے دن روزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس روز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو روزہ اور عبادتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتے ہیں، لہذا اس تہوار کو "عیدالفطر" قرار دیا گیا ہے۔

عالم اسلام ہر سال دو عیدیں مناتے ہیں؛ عیدالفطر اور عیدالضحیٰ۔ عیدالفطر کا یہ تہوار جو کہ پورے ایک دن پر محیط ہے اسے ''چھوٹی عید'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جبکہ اسکی یہ نسبت عیدالضحیٰ کی وجہ سے ہے کیونکہ عیدالضحیٰ تین روز پر مشتمل ہے اور اسے ''بڑی عید'' بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سورت البقر (518 آیت) میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق؛ ہر مسلمان پر ماہ رمضان کے تمام روزے رکھنا فرض ہیں جبکہ اسی ماہ میں قرآن مجید کے اتارے جانے کا بھی تذکرہ موجود ہے؛ لہذا اس مبارک مہینے میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔

عمومی طور پر عید کی رسموں میں مسلمانوں کا آپس میں ''عید مبارک'' کہنا؛ گرم جوشی سے ایک دوسرے سے نہ صرف ملنا بلکہ آپس میں مرد حضرات کا مردوں سے بغل گیر ہونا؛ رشتہ داروں اور دوستوں کی آو بھگت کرنا شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بڑے بوڑھے بچے اور جوان نت نئے کپڑے زیب تن کرتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں، مختلف قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں اور جگہ جگہ میلے ٹھیلے منعقد ہوتے ہیں؛ جن میں اکثر مقامی زبان اور علاقائی ثقافت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

خصوصی طور پر مسلمان صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے بیدار ہوتے ہیں اور نماز فجر ادا کرتے ہیں پھر دن چڑھے ایک مختصر سا ناشتہ یا پھر کھجوریں کھانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو کہ ایک طرح سے اس دن روزہ کے نہ ہونے کی علامت ہے۔ مسلمانوں کی ایسے مواقع پر اچھے یا نئے لباس زیب تن کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جبکہ نئے اور عمدہ لباس پہن کر مسلمان اجتماعی طور پر عید کی نماز ادا کرنے کے لیے مساجد؛ عیدگاہوں اور کھلے میدانوں میں جاتے ہیں۔ نمازِ عید میں آتے اور جاتے ہوئے آہستہ تکبیریں کہنا اور راستہ تبدیل کرنا سنت نبویؐ ہے۔ عید کے روز غسل کرنا، خوشبو استعمال کرنا، اور اچھا لباس پہننا بھی سنت نبویؐ ہے جبکہ عیدالفطر کے روز روزہ رکھنا حرام ہے۔

عید کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے برابر بلند ہونے سے "ضحوہ کبریٰ" تک ہے۔ ضحوہ کبریٰ کا صبح صادق سے غروب آفتاب تک کے کل وقت کا نصف پورا ہونے پر آغاز ہوتا ہے۔ ہر نماز کے مندرجہ ذیل چند باتیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں: جنکا بیان احادیث مبارکہ میں واضح طور پر موجود ہے:

صدقہ فطر فرض ہے۔ صدقہ فطر نمازِ عید سے قبل ادا کرنا چاہیے ورنہ عام صدقہ شمار ہوگا۔

صدقہ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام، چھوٹے، بڑے سب پر فرض ہے۔

صدقہ کی مقدار ایک صاع ہے جو پونے تین سیر یا ڈھائی کلوگرام کے برابر ہے۔

گیہوں، چاول، جو، کھجور، منقہ یا پنیر میں سے جو چیز زیر استعمال ہو، وہی دینی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چاہیے۔

صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت آخری روزہ افطار کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن نماز عید سے پہلے تک ادا کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ اسکی مقدار مندرجہ بالا اجناس کی نسبت سے ہے البتہ ان کے علاوہ اس کے برابر قیمت کیش کی شکل میں بھی ادا کی جا سکتی ہے جسکا تعین مقامی طور کیا جاتا ہے اور زیادہ تر مساجد میں ادا کر دیا جاتا ہے یا پھر مقامی ضرورت مندوں؛ غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اسلامی روایات میں عید الفطر ماہ رمضان المبارک کے اختتام کی ایک علامت ہے جبکہ مسلم برادری میں روزہ بنیادی اقدار کا حامل ہے۔ علماء کے نزدیک بنیادی طور پر روزہ کا امتیاز یہ ہے کہ اسے انسان کی نفسی محکومی پر روحانیت کی مہر ثبت کرنا تصور کیا جاتا ہے۔ اقوام عالم میں مسلم امہ عید کا تہوار بڑے شاندار انداز میں مناتے ہیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے یثرب کے لوگ دو عیدیں مناتے تھے، جن میں وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے اور بے راہ روی کے مرتکب ہوتے۔ خالص اسلامی فکر اور دینی مزاج کے مطابق اسلامی تمدن، معاشرت اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں عیدین کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کا تذکرہ سنن ابی داؤد کی حدیث میں ملتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ دو دن بہ طور تہوار منایا کرتے تھے جن میں وہ کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا فرمایا: یہ دو دن جو تم مناتے ہو، ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی اب تہواروں کی اصلیت اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم عہد جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے۔ یہ سن کر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں تمہارے لیے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیے ہیں، یوم (عید) الاضحیٰ اور یوم (عید) الفطر۔ غالباً وہ تہوار جو اہل مدینہ اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں عید کے طور پر منایا کرتے تھے وہ نوروز

اور مہرجان کے ایام تھے، مگر رسول کریم ﷺ نے یہ تہوار منانے سے منع فرما دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اپنے خصوصی انعام واکرام کے طور پر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مبارک ایام مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق؛ جب مسلمانوں کی عید یعنی عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر فرماتا ہے، اے میرے فرشتو! اس مزدور کی کیا جزاء ہے جو اپنا کام مکمل کر دے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اسکی جزاء یہ ہے کہ اس کو پورا اجر وثواب عطا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے فرشتو! میرے بندوں اور بندیوں نے اپنا فرض ادا کیا پھر وہ (نماز عید کی صورت میں) دعاء کیلئے چلاتے ہوئے نکل آئے ہیں، مجھے میری عزت وجلال، میرے کرم اور میرے بلند مرتبہ کی قسم! میں ان کی دعاؤں کو ضرور قبول کروں گا۔ پھر فرماتا ہے: بندو! تم گھروں کو لوٹ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''پھر وہ بندے (عید کی نماز سے) لوٹتے ہیں حالانکہ انکے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔''

قرآن مجید میں سورہ المائدہ کی آیت 114 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا کے حوالے سے عید کا ذکر موجود ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار دے (اور اس طرح اس کے اترنے کا دن) ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے (بہ طور) عید (یادگار) قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (114:5)

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں * یہ (خوان) تم پر اتار تو دیتا ہوں، مگر اس کے بعد جو کفر کرے تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو سارے جہانوں میں اور کسی کو نہ دیا ہو۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی قوم کی خوشی اور مسرت کے دن کا قرآن نے عید کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور جو دن کسی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی کسی خصوصی نعمت کے نزول کا دن ہو وہ اس دن کو اپنا یوم عید کہہ سکتی ہے۔

آج پوری دنیا میں مسلمان بڑی دھوم دھام سے عید الفطر کا تہوار مناتے ہیں جہاں خوشی منانے کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقی اقدار کی پاسداری بھی کی جاتی ہے۔ جبکہ اقوام عالم امت مسلمہ کے اس تہوار کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پاکستان میں جو کہ ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے؛ عید بڑے شاندار طریقے سے منائی جاتی ہے۔ سرکاری طور پر عام تعطیل ہوتی ہے۔ بچہ ہو یا بڑا؛ عید کی تیاری میں جوش وخروش کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ خواتین اور بچوں کی تیاری تو قابل دید ہے۔ عید کی تیاری میں نت نئے لباس و دیگر لوازمات کی شاپنگ دیکھنے کو آتی ہے جو کہ ایک زندہ قوم کی روح رواں کے طور پر سامنے آتی ہے۔

چاند رات کو تو ایک جشن کا سماں بند جاتا ہے؛ بازاروں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ خواتین عید کی شاپنگ میں مصروف نظر آتی ہیں اور اس روز کی شاپنگ میں مہندی؛ چوڑیاں اور عید کارڈ وغیرہ کی خریداری نمایاں نظر آتی ہے۔ جبکہ مختلف مقامات پر خصوصی عید بازاروں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ جن میں خاصی تعداد میں نوجوان دوکاندار نظر آتے ہیں۔ عید کے پیغامات کا سلسلہ تو چاند نظر آنے کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ موبائل ایس ایم ایس کی گھنٹیوں کا سلسلہ باندھ لیتے ہیں جبکہ جدت کے عنصر کے باعث انٹرنیٹ ای میل کی وساطت سے خوبصورت عید کارڈ کے پیغامات دوست واحباب کو ارسال کیے جاتے ہیں۔

پاکستان میں عید کے روز ہر گھر میں صبح کے وقت سویاں پکائی جاتی ہے اور اس کا ناشتہ کیا جاتا ہے۔ سویاں پاکستان کے علاوہ بھارت اور چلی میں بھی عید کے روز پکانے کا رواج ہے۔ ہمارے ہاں عید منانے کی تیاریاں عموماً پہلے ہفتے سے ہی شروع ہو جاتی ہیں اور لوگ نئے کپڑوں کی خریداری اور سلائی میں مشغول ہو جاتے ہیں، نئے جوتے خریدے جاتے ہیں، بازاروں میں رش بڑھ جاتا ہے دکاندار اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیتے ہیں اور ایک

دوسرے سے مہنگی خریداری کی جاتی ہے۔ اب تو عید ایک نمود ونمائش کا موقع بن چکا ہے۔ مختلف کھانے پکائے جاتے ہیں اور اپنے سے چھوٹوں کو عیدی دی جاتی ہے اور بڑوں سے وصول کی جاتی ہے۔ یہ عیدی تحفوں کے علاوہ نقد رقم پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس روز ہر شہر، دیہات اور گاؤں میں سرکس اور میلے لگتے ہیں۔ البتہ ایک بات نوجوانوں کی بہت خطرناک ہے؛ آج نوجوان سڑکوں پر گھڑ سواری تو نہیں کر سکتے البتہ موٹر سائیکل یا بائیسکل سے اپنی تشنگی پورا کرتے ہیں۔ نوجوان موٹر سائیکل کو تیز چلانے کے دوران اچانک اگلا پہیہ ہوا میں اٹھا دیتے ہیں اور سارا وزن پچھلے پہیے پر ڈال دیتے ہیں اور اس طرح موٹر سائیکل ایک پہیہ پر چلتی ہے۔ اس عمل کو ون ویلنگ کہا جاتا ہے۔ ایک طرف اگر دور سے دیکھنے والے یہ منظر بڑا دلربا محسوس ہوتا ہے تو دوسری طرف موٹر سائیکل چلانے والے کو ایک انجانی لذت کا احساس ہوتا ہے جو اسے بار بار اس موت وزندگی کا کھیل کھیلنے پر مجبور کرتا ہے۔ ون ویلنگ کرنے والے کو اس کا انجام معلوم نہیں کہ کھیل ہی کھیل میں کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ نوجوان ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اکثر اپنے ہنستے بستے خاندان کو غمناک المیہ سے دوچار کر جاتے ہیں۔ موٹر سائیکل کا توازن اگر برقرار نہ رہے تو اس کی انتہائی قیمتی جان پلک جھپک میں موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس موت وزندگی کے کھیل کو روکنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کی گئی لہذا جب بھی کوئی تہوار، عید و میلہ کا موقع ہوتا ہے من چلے کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور اپنا ون ویلنگ کا شوق ضرور پورا کرتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس عمل سے نوجوانوں کو روکا جائے انسانی جان سے زیادہ قیمتی چیز اس دنیا میں کوئی نہیں۔

عید کے موقع پر امید ہے کہ سب لوگ رسمی رکھ رکھاؤ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے سے کم رتبہ اور غریب لوگوں کو بھی گلے سے لگائیں گے کیونکہ سچی خوشی تو وہی ہے جو آپ کو ردعمل کے طور پر ملے اور جب کسی دکھی؛ غریب؛ کمزور کو سینے سے لگایا جاتا ہے تو یقین مانیں یہ حالت آپکی مسرتوں میں اضافہ کا باعث بنے گی۔ عید کے دن خصوصی طور پر پیاروں کو یاد کیا جاتا ہے اور اس تیز رفتار زندگی میں کچھ لمحات ایسے آتے ہیں کہ ان لوگوں کو جو عزیز تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتے ہیں مگر مصروفیت کے باعث وقتی طور پر بھول چکے ہوتے ہیں، ان سے روابط استوار کیے جاتے ہیں۔ عید کے موقع پر نفرتوں کو بھول کر نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں کو بھی گلے سے لگا لینا چاہیے اور نفرتوں پر پیار کی آبیاری کی جانی چاہیے۔ عید کا دن پھر ہی یادگار بن سکتا ہے اگر ہم ایسے نقش چھوڑ جائیں کہ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھیر دیں۔

عید پر سعید کے موقع پر اپنی خوشیوں میں انکو ضرور شامل کریں جنکا کوئی پوچھنے والا نہیں، کیونکہ اسلامی معاشرہ مساوات اور رواداری کا درس دیتا ہے جبکہ سب ارکان اپنی جداگانہ اہمیت رکھتے ہیں کسی کو اس خوشی کے موقع پر کسی کمی کا احساس نہ رہے، جو نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے دوسروں کو اس میں شامل کریں۔ خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں اور یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو زندگی کی راہوں میں تازگی اور مسرتوں کے چراغ ہیں اگر انکی روشنی دوسروں کی راہوں میں بکھیر دی جائے ان میں کمی نہیں ہوگی۔ اسکے ساتھ ساتھ والدین کو خصوصی وقت دینا چاہیے کیونکہ زندگی کے انتہائی تیز رفتار شب و روز میں اکثر بزرگوں کو دینے کیلئے ہر چیز ہم خرید کر تو دے دیتے ہیں اور اشیا صرف کا انبار بھی لگا دیتے ہیں مگر ایک چیز جسکی شدید کمی ہے اور وہ وقت ہے جو ہم لوگ اپنے والدین اور بزرگوں نہیں دے پاتے، کبھی انکی آنکھوں میں چھپی ہوئی یاسیت اور تکان کو پڑھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ عید کا دن جہاں پیار محبت اور خوشیاں بانٹنے کا دن ہے وہاں نفرتوں، ملامتوں اور ناراضگی کے مٹانے کا بھی دن ہے، آیئے

اپنے اقربا اور احباب کی کھوئی ہوئی مسکان انکو لوٹا دیں جو کبھی ذ رشتوں کی کڑواہٹ کے بھینٹ چڑھ چکی ہے، نہ معلوم اگلی عید کے موقع پر اسکے چکانے کا موقع ملے نہ ملے۔ رب العزت سے دعا ہے کہ سب کی دلی مرادیں پوری کرے اور ہم سب کو دائمی خوشی سے نوازے اور سب کو بار بار لاثانی مسرتوں سے لبریز عید کے مواقع دیکھنے نصیب کرے!!! آمین!

انٹرنیٹ کیفے، جدت اور نعمت

کبھی کبھار حقائق اتنے تلخ ہوتے ہیں کہ انکا سامنا کرنا دشوار ہو جاتا ہے مگر ان سے کنارہ کشی بعض اوقات ناقابل تلافی نقصان کی شکل میں برآمد ہوتی ہے۔ الہامی ذرائع، مذاہب عالم اور اخلاقیات نے اگر انسان کو ایک طرف اچھے اور برے کی تمیز کرنا سکھایا ہے تو دوسری طرف آزادی اختیار سے بھی نوازا ہے البتہ فطرت نے کچھ ایسے قوانین وضع کیئے کہ جو اپنی جگہ پر اٹل حقیقت ہیں جبکہ انسانی تجربات انکی حقانیت سے ہمکنار ہوتے رہتے ہیں۔

مکھی کو قدرت نے کثیر التعداد، تقریباً 28000 پہلوؤں بشمول تین عدد سادہ آنکھوں اور ایک میٹرتک دیکھنے والی انتہائی تیز نظر سے نوازا ہے مگر اسکے باوجود وہ ہمیشہ گندگی اور غلاظت پر بیٹھتی جو کہ اسکی فطرت کا شاخسانہ ہے، جبکہ شہد کی مکھی کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ گلوں پر آسرا کرتی ہے مگر انسانی تربیت کا اعجاز اسے ارادی و غیر ارادی افعال میں اور معاملات زندگی میں اچھائی اور برائی اپنانے کی تمیز فراہم کرتا ہے، لہذا اگر تربیت میں کمی رہ گئی ہو تو اسکا الزام دوسروں پر تھوپا نہیں جا سکتا بلکہ افراد کو تربیت کی آنچ سے گزارنا اور شعور آگہی سے نوازنا کسی بھی تنقید سے بہر طور بہتر ہے۔

انٹرنیٹ آج کے دور کی ایک عظیم ایجاد ہے کہ جس نے اگر ایک طرف فاصلے سمیٹ دیئے ہیں تو دوسری طرف معلومات کے انبار لگا دیئے ہیں جبکہ آج کا بچہ بوڑھوں کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مات دینے لگا ہے کیونکہ اس نے صدیوں کا سفر گھنٹوں میں کرنا شروع کر دیا ہے، دنیا بھر کی لائبریریز، انسائیکلوپیڈیا، کتب اور بزنس گائیڈز کے علاوہ صحت وتندرستی کی رہنمائی سے مزین ویب سائٹ اور آن لائن شاپنگ مال، لاتعداد مارکیٹنگ رابطے، آن لائن شادی، اور تو اور آن لائن قربانی کے بکروں کی منڈی بھی اب آپکے ڈرائنگ روم یا انٹرنیٹ کیفے میں دستیاب ہیں، البتہ یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی انکی افادیت سے استفادہ حاصل نہ کرنا چاہتے یا پھر اسکے استعمال سے قاصر رہے، ورنہ نارتھ پول میں بیٹھے والدین ساوتھ پول میں موجود اپنے بچوں سے بذریعہ ویڈیو چیٹ دل بھلالیں یا پھر ایک ملٹی نیشنل کمپنی ایک ہی وقت میں اپنے تمام دفاتر سے ویڈیو کانفرنس سے بزنس معاملات ودیگر سے استفادہ کرلیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ دنیا بھر کی کمپنیاں اب اپنا شوروم اب انٹرنیٹ پر کھول چکیں جبکہ اپنی مرضی کی جگہ بک کروانا ممکن نہیں اور تو اور اب اردو میں بھی ویب سائٹس کی رجسٹریشن ممکن ہو چکی ہے جسکا سہرا ہمارے ملک پاکستان کے ان نوجوانوں کو جاتا ہے جنہوں نے دن رات محنت کر کے یونی کوڈ اردو متعارف کروایا، جسکی بدولت آپ اب انگلش ٹیکسٹ کی بجائے اردو الفاظ کو استعمال کر سکتے ہیں اور اسی کے بدولت یہ ممکن ہوا کہ اب آپ اسلام.com، الطاف گوہر.com، اردو.com جیسے ناموں کو استعمال کر کے اپنی انٹرنیٹ پر اپنی مرضی کا پلاٹ لے سکتے ہیں جو بعد میں لاکھوں کروڑں کی مالیت کا ہو جاتا ہے۔

اب اگر بجلی کا بل لیٹ ہو اور آپکو فوری درکا ہو، یا پھر طلبا وطالبات کو کسی بھی امتحان کا رزلٹ معلوم کرنا ہو، کسی بھی قسم کا داخلہ فارم چاہیے یا پھر بیرون ممالک تعلیم وداخلہ، یا پھر دنیا میں موجود مفت تعلیم کیلیئے آن لائن روابط یا پھر اسکول وکالج کی اسائنمنٹ بنانی ہو، یا پھر ریسرچ تھیسس کی تیاری، یا پھر پی ایچ ڈی کے سناپسز، ہر طرح کی سہولت انٹرنیٹ کیفوں میں دستیاب ہے۔ تعلیم وتربیت کی غرض سے جو نوجوان ہاسٹلز میں مقیم ہیں انکے لیے تو یہ کسی بھی نعمت سے کم نہیں اگر ایک طرف انکو تعلیمی معلومات کی فراہمی ہے تو دوسری طرف نوٹس کی پرنٹنگ اور سکینگ کی سہولت بھی میسر ہے۔ البتہ تفریحی معاملات میں ہر وہ تفریح موجود ہے کہ جسکا آپ تصور کر سکتے ہیں مگر معاملہ ارادی ہے نہ کہ جبری۔ لاتعداد تفریحی اور معلوماتی

ویب سائٹس نہ صرف طلبا کو دنیا بھر کی جدت اور ثقافت سے روشناس کراتی ہیں بلکہ ذہانت بڑھانے میں معاون بھی ثابت ہوتی ہیں۔

پرانے وقتوں میں الہ دین کا چراغ جیسی کہانیاں اور عمرو عیار کی زنبیل جیسے کردار اگر آج اپنی حقیقت کو پہنچ گیے ہیں تو اسکا کریڈٹ انٹرنیٹ کو جاتا ہے اور اسکا شہکار انٹرنیٹ کیفے کی شکل میں موجود ہے۔ اقوام عالم کی ثقافت، سماج، رجحانات، اقدار اور ترقی کا اگر جائزہ لینا ہو تو اب آپکو در بدر پھرنا نہیں پڑے گا بلکہ صرف ماوس کی ایک کلک سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ سرچ یا تلاش ایک ایسی چابی ہے کہ اس سے اب دنیا جہان کے دروازے کھلنے لگے ہیں مگر اسکا استعمال آنا بھی ضروری ہے۔ ایک بار مجھے اپنے "قومی رجحان" کی غرض سے یہی کنجی استعمال کرنی پڑی تو معلوم ہوا کہ الیکسا ڈاٹ کام، جو کہ دنیا بھر میں ویب سائٹس کا ریکارڈ رکھنے میں ایک قابل اعتماد ادارہ ہے جسکے اعداد وشمار کے مطابق پاکستانی عوام کی پسندیدگی واستعمال کی ویب سائٹس کا ریکارڈ انتہائی شاندار ہے کیونکہ انکے استعمال کے پہلے 48 ویب سائٹس صرف اور صرف مفید اور معلوماتی ہیں اور صرف 49 درجہ پر صرف ایک غیر اخلاقی اور اسکے بعد پھر معلوماتی رجحان پایا جاتا ہے جو ایک انتہائی خوش آئند بات ہے۔

مجھے لاہور میں انٹرنیٹ پڑھانے والے پہلے ٹیچر کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے جبکہ میں نے ذاتی طور پر بھی اپنے بچوں کو اگر کوئی تحفہ دیا ہے تو صرف ایک ایک لیپ ٹاپ جسکے باعث اب وہ سکول میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی معلومات اور سرچ کرنے کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ پیپرز، سوالات، نوٹس اور وکیپیڈیا سے مستفید ہونے کے علاوہ اسلامی ویب سائٹس سے ارکان اسلام ودیگر معلومات سے ہمکنار ہوتے ہیں جسکا ایک اندازہ اس نیچے دیئے گئے لنک سے لگا سکتے ہیں:

http://www.youtube.com/watch?v=6VYuTYUwWKk

دنیا بھر سے کچھ خرید وفروخت کرنا ہو، عالمی منڈیوں تک رسائی چاہتے ہوں، بڑے بڑے آکشن میں حصہ لینا ہو، یا پھر دنیا بھر کے علوم کے حصول یا پھر گھر بیٹھے دور دراز

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ممالک سے تعلیم بذریعہ ڈسٹنس لرننگ، یا پھر اقوام عالم کے رائٹرز، سائنسدانوں، فلسفیوں، علما، حکما، کھلاڑیوں، ڈاکٹرز، نقادوں، تجزیہ نگاروں اور مزاح نگاروں کی نگارشات کی مستفید ہونا ہو یا پھر ان سے ملاقات کا شوق ہو یا پھر مجھ سے آن لائن ملنا چاہتے ہوں یا میری انٹرنیٹ پر لکھی ڈائری یعنی الطاف گوہر کا بلاگ پڑھنا چاہتے ہوں تو اپنے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی بدولت یا پھر کسی بھی قریبی انٹرنیٹ کیفے کی راہ لیجئے کبھی بھی شرمندگی نہیں ہوگی۔

http://altafgohar.wordpress.com

حمیدی

کان کے دھوکے میں نہ رہیں
انسانی جلد بھی سنتی ہے

حواس خمسہ کے باعث انسان دنیا سے روابط رکھتا ہے اور جو کہ کسی بھی کمپیوٹر کی ڈیوائس کیطرح انسان کیلئے بطور ان پٹ اور آؤٹ پٹ کام کرتے ہیں۔ دنیا سے روابط کے یہ اعضاء (ڈیوائسز) انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہیں۔ ان حواس خمسہ اور دیگر اعضاء کی سلطنت کا بادشاہ انسانی ذہن ہے جو حکمرانی کرنے میں زمانوں کی تبدیلی کا محتاج نہیں۔ تربیت اور علم ذہن کی خوراک ہے اور اسی کے باعث پھلتا پھولتا اور امور سلطنت چلاتا ہے۔ انسانی زندگی میں تحقیقات کا عمل جاری وساری ہے جسے باعث نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔

سنا تھا دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں مگر محاورہ اس قوت بنایا گیا جب سائنس و ٹیکنالوجی کا دور نہیں تھا اور آج کی تحقیقات واضح طور بتلا رہی ہیں کہ یہ محاورہ بالکل درست تھا کیونکہ ایک نئی سائنسی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی قوت سماعت کا تمام تر انحصار کانوں پر نہیں ہوتا بلکہ سننے کی حس میں انسانی جلد بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دراصل انسانی جسم کے مختلف اعضاء مل کر آوازوں کو محسوس کرتے ہیں۔ (لہذا جلد بھی دیواروں جیسا ہی عمل سرانجام دی رہی ہے) سائنسدانوں کا خیال ہے کہ دراصل انسانی جسم کے مختلف اعضاء مل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر آوازوں کو محسوس کرتے ہیں۔اس سے قبل 1976ء میں بھی سائنسدانوں نے کسی آواز کو سننے میں آنکھوں کے کردار کو دریافت کیا تھا۔

اس تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انسانی آنکھیں اور جلد کانوں کو کسی آواز سے متعلق بے وقوف بھی بنا سکتے ہیں۔' مِک گروک' نامی اُس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی ایسی ویڈیو دیکھی جا رہی ہو جس میں کوئی شخص ''گا'' کہے اور اس کی آواز روک کر مصنوعی طور پر ''با'' کی آواز نشر کی جائے تو سامع کو وہ آواز 'دا' کی سنائی دے گی۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کئی آوازیں ایسی ہیں، جنہیں سننے کے لئے انسانی دماغ کانوں کے علاوہ دوسرے جسمانی اعضاء سے بھی کام لیتا ہے۔

پچھلے ماہ کے آخر میں سامنے آنے والی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ کئی آوازیں ایسی ہیں جنہیں پیدا کرتے ہوئے انسان ہوا میں ہلکی سی پھونک مارتا ہے، اور یہ پھونک ہوا کو اس طرح متاثر کرتی ہے کہ سامع اس لفظ کو سن سکتا ہے۔ انسانی دماغ کسی لفظ کو شناخت کرنے کے لئے کئی جسمانی اعضاء سے کام لیتا ہے انسانی دماغ کسی لفظ کو شناخت کرنے کے لئے کئی جسمانی اعضاء سے کام لیتا ہے۔ یہ تحقیق یونیورسٹی آف برٹش کولمبیا سے وابستہ ایک محقق بریان گِک نے کی ہے اس رپورٹ کو مرتب کرنے میں ان کا ساتھ اسی یونیورسٹی سے وابستہ ایک طالب علم ڈونلڈ ڈیرک نے دیا ہے۔ ان محققین کا کہنا ہے کہ ہوا میں کسی لفظ کی ادائیگی کے دوران پھونک کا استعمال پ اور ت سمیت کئی لفظوں کو قابل سماعت بناتا ہے۔

اس محققین نے 66 افراد کا مطالعہ کیا۔ ان افراد کو ہیڈ فونز کے ذریعے کچھ آوازیں سنوائی گئیں۔ ایک سیشن کے دوران ان افراد کو پا اور با اور پھر تا اور دا کی آوازیں سنوائی گئیں۔ ان افراد کے جسموں کے مختلف حصوں پر پر باریک نالیوں کے ذریعے تیز ہوا بھی برسائی گئی۔ آوازوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں جب مختلف طرز کی پھونکیں ان نالیوں کے ذریعے پھینکی گئیں تو زیادہ تر افراد آواز کی شناخت کرنے میں ناکام رہے۔ اسی طرح سائنسدانوں نے کہا کہ اگر ان الفاظ کی ادائیگی کے دوران منہ سے ہوا کے یہ ہلکے جھکڑ نہ

چلیں تو بھی انسان آوازوں کی شناخت میں ناکام ہو جاتا ہے۔

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسان شروع ہی سے ان لفظوں کو جلد سے چھونے والی انتہائی کم ماہیت کی ہوا کے لحاظ سے پہچاننا سیکھتا ہے اور یہ ہوا جلد کے ذریعے دماغ میں لفظوں اور آوازوں کی شناخت کا باعث ہوتی ہیں۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسان اس عمل کے لئے جلد کا استعمال اس لئے کرتا ہے کیونکہ انسان کا پورا جسم اسی غلاف میں لپٹا ہوا ہے۔ تحقیقی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسانی جلد کئی الفاظ کے درمیان تمیز کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اور اگر مصنوعی طور پر ہوا میں آواز کے ساتھ بھیجی جانے والی پھونکوں کو تبدیل کر دیا جائے تو انسان آواز بھی دوسری ہی سنتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی جگہ انتہائی تیز ہوا چل رہی ہو تو آوازوں کو سننے میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔

تاہم سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جلد کے علاوہ انسانی دماغ اندازوں کی مدد سے بھی کئی آوازوں کو پہچانتا ہے۔ کسی جگہ پر بہت شور ہو تو بھی انسانی دماغ کانوں سے زیادہ اندازوں پر بھروسہ کرنا پسند کرتا ہے۔

امید ہے کہ اس تحقیق کے بعد اب سرگوشی میں بات کرنے کیلئے نئی تکنیک استعمال کی جائے گی کیونکہ ذہن کا کیا بھروسا وہ تو ہر حال میں سننے کا عمل جاری رکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا چغلی کرنے کیلئے اب خواتین کو مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، میرا مشورہ یہی ہے کہ گھر کا ماحول اب ایسی گپ شپ کیلئے سازگار نہیں رہا کیونکہ اگر ساس کی جلد حساس ہوئی تو خیر نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاکستان میں ہجڑوں کی قانونی جیت اور نعرہ

’’وصولی تک ڈیرے ڈال رکھیں گے‘‘

بنی نوع انسان دو واضع اصناف میں منقسم ہے مگر ایک اور بھی صنف ہے جو کہ بظاہر تو مکمل انسان ہے مگر نہ تو مکمل مرد ہے نہ ہی عورت، اسے ہیجڑا، کھسرا، خواجہ سرا اور مغربی زبان میں لیڈی بوائے سے پکارا جاتا ہے۔ اس صنف کا مزاجی رجحان صنف نازک یعنی عورت کیطرف واضع طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ خواجہ سرا عموماً معصوم ہوتے ہیں مگر ان میں سے کچھ خواجہ سرا تشدد پسند بھی ہوتے ہیں۔ پاکستان میں خواجہ سراؤں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ایک سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے جبکہ ہندوستان میں ان کی تعداد دس سے پندرہ لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔

دس پندرہ سال پہلے تک پاکستان میں شہروں میں بھی خواجہ سرا کسی بچے کی پیدائش یا شادی بیاہ کے موقع پر اپنا ناچ گانا دکھانے چلے آتے تھے مگر اب تو گاؤں دیہات میں بھی خالی ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ البتہ پرانے وقتوں میں سرکس میں "موت کا کنواں" ایک ایسی جگہ تھی جو خواجہ سراؤں کیلئے مخصوص کی گئی تھی، جبکہ اس کنوے سے انکا سفر "موت" تک کی عمر سے بندھا ہوا ہوتا تھا کہ ناچتے ناچتے عمر تمام ہو جاتی، مگر اس کنوے سے "تیل" نہیں نکلتا بلکہ امیدوں کا "پسینہ" ضرور نکل جاتا۔

کچھ عرصہ سے اس صنف کو پاکستان میں خصوصی اہمیت دی جا رہی ہے، جسکے باعث انہیں میڈیا میں بھی موضوع بحث بھی بنایا جا رہا ہے۔ کبھی تو تین میں نہ تیرہ میں، والی گوں مگوں کیفیت سے دوچار خواجہ سرا اپنی مطلق شناخت قائم نہ کر سکے اور کبھی "گے" جیسے القابات سے نوازا گیا حتیٰ کہ انہیں اپنے ہی گھر سے وراثت سے محروم رکھا گیا، اور کبھی مردم شماری کے خانے شامل نہ کیا گیا۔ اس معاشرے نے کبھی بھی عزت کا مقام دینا تو درکنار ہنسی مذاق اور تفریح کا باعث سمجھا، جسکے باعث یہ صنف ایک انفرادی شناخت رکھنے کے باوجود کسمپرسی کا شکار رہی۔ حالانکہ وہ افراد جو کہ میڈیکل "نامرد" ہیں انکو کبھی بھی کسی ایسی صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

حال ہی میں عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس سپریم کورٹ افتخار محمد چوہدری نے خواجہ سراؤں کے طرف سے دائر ایک درخواست کی سماعت کے دوران حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ امتیازی سلوک کا شکار معاشرے کے اس طبقے کو باعزت ملازمتیں دینے کے لیے حکمت عملی وضع کرے۔ انھوں نے یہ تجویز بھی دی ہے کہ قرض نادہندگان سے وصولی کے لیے حکومت پاکستان خصوصاً انکم ٹیکس کا محکمہ، خواجہ سراؤں کی خدمات حاصل کرنے پر غور کرے جیسا کے ہمسایہ ملک بھارت کی بعض ریاستوں میں کیا گیا ہے۔

ملک بھر میں خواجہ سراؤں کی تنظیموں نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے نہ صرف ان کی برادری کے لیے روزگار کا مسئلہ حل ہوگا بلکہ ملک سے لوٹی ہوئی دولت کی واپسی میں بھی آسانی ہوگی۔

بندیا رعنا کراچی میں خواجہ سراوں کی تنظیم ’’جیا‘‘ کی سربراہ ہیں، انہوں نے اس فیصلے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو لوگ بھاری قرضے لے کر خاموش بیٹھے ہیں ہم جب ان کے دروازوں پر جا کر بیٹھیں گے تو شاید وہ یہ نوبت ہی نہ آنے دیں اور خود ہی قرضہ واپس اور اپنے واجبات ادا کر دیں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ خواجہ سراؤں کو معاشرے کا متحرک رکن بنانے کے لیے یہ سپریم کورٹ کی جانب سے ایک اچھا قدم ہے جو قرض نادہندگان کے لیے یقیناً برا ثابت ہوگا کیونکہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اس وقت تک ڈیرا ڈالے رکھیں گے جب تک رقم واپس نہیں مل جاتی۔ کیوں کہ نہ تو ہمارے کوئی بچے ہیں اور نہ ہمیں گھر واپس جانے کی جلدی ہوگی۔ بندیا رعنا کا کہنا ہے کہ دوسرے شعبوں میں بھی خواجہ سراؤں کو اگر روزگار کے مواقع دیے جائیں تو حکومت کو اس کا فائدہ ہوگا۔

بندیا رعنا کا کہنا ہے کہ ان کی تنظیم اس فیصلے کی منتظر تھی کیوں کہ پاکستان میں چھوٹا قرضہ لینے والے افراد کو تو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے لیکن بڑا قرضہ لینے والوں کے لیے کھلے عام معافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ خواتین کی گھروں میں موجودگی کی وجہ سے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کو عموماً گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی لیکن وہ خواجہ سرا ہیں اور انھیں ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔

دوسری طرف سپریم کورٹ کے ایک سینئر وکیل حشمت حبیب نے کہا کہ ہیجڑوں کو قرضوں یا ٹیکس کی وصولی کے عمل میں شامل کرنے کی تجویز پاکستان کے ثقافتی نظام سے میل نہیں کھاتی لہٰذا اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکیں گے۔ انھوں نے کہا کہ بھارت میں اگرچہ 20 سال پہلے اس قسم کا اقدام اٹھایا گیا تھا لیکن وہاں بھی عوام کی اکثریت نے اس پر ناخوش کا ہی اظہار کیا تھا۔

ضروری یہ ہے کہ ہیجڑوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے قوانین کا مؤثر نفاذ ہو اور انھیں دیگر تہذیب یافتہ معاشروں کی طرح پاکستان میں بھی ایک باعزت مقام اور وراثت میں حق دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے مرحلے میں ان معاشرتی رویوں میں تبدیلی درکار ہے جو ان کی تضحیک کا سبب ہیں اور ان کی رائے میں اس کے بعد ہی ہیجڑوں کو معاشرے کا مفید شہری بنایا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں ہیجڑوں کو علیحدہ جنس کے طور پر شناخت اختیار کرنے کا حق دے دیا گیا ہے۔ ماہرین قانون نے اس فیصلے کو ہیجڑوں کے حقوق کو یقینی بنانے کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا ہے۔ پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری نے بدھ کو ایک فیصلے میں حکومت کو ہدایت کی کہ ہیجڑوں کو قومی شناختی کارڈ جاری کیے جائیں، جن پر ان کی جنسی شناخت تحریر ہو۔ ساتھ ہی ہیجڑوں کو ہراساں نہ کیے جانے کی یقین دہانی کرنے کا حکم بھی

جاری کیا گیا ہے۔

عدالت میں ہیجڑوں کی طرف سے پیش ہونے والے وکیل محمد اسلم خاکی کا کہنا ہے کہ رجسٹریشن اتھارٹی کو قومی شناختی کارڈ میں خواجہ سراؤں کی جنس ظاہر کرنے کے لئے ایک علیحدہ خانہ بنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ انہوں نے ہیجڑوں کے حوالے سے بتایا کہ سپریم کورٹ کی اس ہدایت پر عمل سے انہیں اُن کے حقوق حاصل ہوں گے۔ خاکی نے بتایا کہ عدالت نے ہیجڑوں کی میراث کے حقوق کے تحفظ کا حکم بھی جاری کیا ہے۔

دوسری جانب ہیجڑوں کی ایک ایسوسی ایشن نے بھی چیف جسٹس افتخار چوہدری کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے۔ ایسوسی ایشن کے صدر الماس بوبی کا کہنا ہے کہ پاکستان کی باسٹھ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے، جب ہیجڑوں کی فلاح کے لئے کوئی قدم اٹھایا گیا ہے۔ الماس بوبی کا کہنا ہے کہ ان کی کمیونٹی کو شناخت اور احترام دینے کی جانب یہ ایک اہم قدم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے ان کی شناخت انسان کے طور پر ہو سکے گی۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق پاکستان میں خواجہ سراؤں کو امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی بیشتر تعداد پسماندہ علاقوں میں آباد ہے جبکہ انہیں گزر بسر کے لئے شادیوں اور میلوں میں رقص اور بھیک کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بعض کو تو جسم فروشی میں ملوث بھی پایا گیا ہے۔

ان پر تعلیم و صحت کی سہولتوں کے دروازے اکثر بند کر دئے جاتے ہیں۔ جائیداد خریدنے یا مکان کرایے پر حاصل کرنے میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ ان کے اپنے خاندان بھی انہیں میراث کے حقدار نہیں سمجھتے۔ معاشرہ انہیں خدا کی ٹھکرائی ہوئی مخلوق گردانتا ہے۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان کی بددعا اثر رکھتی ہے، اس لئے لوگ ان سے خوفزدہ بھی رہتے ہیں۔ پاکستان میں ہیجڑوں کی آبادی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ تاہم ان کی کمیونٹی کے ذرائع کے مطابق ان کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے۔ البتہ سپریم کورٹ رواں برس میں حکومت کو ہیجڑوں کی مردم شماری کا حکم جاری کر چکی ہے۔

امید ہے کہ اس سب کے بعد خواجہ سرا پاکستان میں اپنی انفرادی شناخت کو قائم رکھتے ہوئے ایک باعزت مقام پا لیں گے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خواتین کے چہرے کی دلکشی کا راز دریافت

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی؛ حسن وخوبصورتی صدیوں سے انسانی کمزوری رہی ہے ؛ فرد چاہے عمر کے کسی بھی حصے میں ہو جہاں اسے اپنے روزگار اور دوسرے محرکات مجبور کرتے ہیں کہ وہ جمود سے دور رہے اسی طرح اسے اپنی صحت و خوبصورتی کا خیال بھی نت نئے لوازمات سے دوچار کرتا رہتا ہے۔کبھی وہ حسن وجمال سے گھائل ہوتا ہے تو کبھی گھائل کرنا بھی پسند کرتا ہے۔خوب سے خوب تر کی تلاش اسے نت نئے تجربات سے گزرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ نئی سے نئی تدابیر کرتا چلا جاتا ہے۔

خواتین تو اپنے حسن کو قائم رکھنے کی رسیا ہیں؛ وہ جوانی کیا جو نخرے سے بیگانی ہو؛ ادا نہ ہو اور ادائیں نچھاور کون کرے؟ حسن ہے تو جلوہ ہے اور ان سب کیلئے چہرے کی دلکشی ایک بنیادی عنصر ہے۔خوبصورتی صرف گوری رنگت کا نام نہیں بلکہ چہرے کے وہ خدوخال ہیں جو خوانخوہ دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

کینیڈا کی یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے سائنسی ماہرین نے خواتین کی دلکشی اور خوبصورتی کا پوشیدہ راز دریافت کرلیا ہے۔ماہرین کے مطابق خواتین کی آنکھوں کے درمیان کا فاصلہ اور ان کی آنکھوں سے منہ تک کا فاصلہ ان کے چہرے کی دلکشی وخوبصورتی میں جاذب نظری اور نکھار کا باعث بنتا ہے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ چہرے کے بناوٹی خدوخال کا متوازن ہونا انہیں دوسروں کی نظروں میں پرکشش بناتا ہے۔ایک خاص پیمائشی

حساب سے آنکھوں اور منہ کے درمیان کا فاصلہ چہرے کی لمبائی کا 36 فیصد ہونا چاہیے جبکہ آنکھوں کا درمیانی فاصلہ چہرے کی چوڑائی کا 46 فیصد ہونا چاہیے۔ماہرین کی اس تحقیق نے ثابت کیا کہ چہرے کے خدوخال، آنکھیں، ناک اور منہ کی بناوٹ میں توازن ہی چہرے کی دلکشی کو وضع کرتا ہے۔

البتہ یہ بات بھی ضروری نہیں ایک فرد کتنا گوراچٹا؛ خوبصورت ہے؛ اگر اسکا چہرہ پرکشش ہے تو اسکی رنگت سانوالی بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔بازار میں دنیا بھر کے کاسمیٹکس کا انبار لگا ہوا ہے اور خواتین کیلیے بعض اوقات انتخاب کرنا مشکل ہوجاتا ہے مگر ان تمام کے ہوتے ہوئے بھی چہرے کے خدوخال تبدیل نہیں ہوسکتے البتہ ایک اچھا میک اپ کرنے والا یعنی بیوٹیشن جس تناسب سے میک اپ کرتا ہے اسکے باعث اکثر خدوخال کو نمایاں کیا جاسکتا ہے۔

ورزش؛ تازہ ہوا میں سیر وتفریح؛ بے فکری؛ چنچل پن؛ اچھی خوراک اور ہنس مکھ عادات؛ ایسے جواہرت ہیں جو ایک فرد کی شکل وشباہت اور شخصیت کو تبدیل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اگر گفتار شیریں؛ نرم اور دلکش ہو تو پھر یہ خوبصورتی میں چار چاند لگادیتے ہیں۔ جبکہ پیار کا موسم افراد کی زندگی کا موسم بہار ہے؛ پیار میں چہرہ دلکش ہوجاتا ہے اور آنکھیں جھیل جیسی گہری ہوجاتی ہیں؛ محبوب کا تصور کوئے جاناں کے پھیرے کاٹتا دل کو لبھاتا ہوا چہرے سے عیاں ہوتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ محبت کی زباں ہوتی ہے
یہ حقیقت چہرے سے عیاں ہوتی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

2009 خدا حافظ!!!

صدیاں اپنے ساتھ وہ سب کچھ سمیٹ کر لے جاتی ہیں جنکا اکثر تصور بھی کرنا محال ہوتا ہے؛ وقت بہت ظالم ہے جو کسی کا بھی انتظار نہیں کرتا؛ جبکہ انسان زندگی کے ماہ و سال اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے گزارتا ہے اور اگر ذرا سی بھی چوک ہو جائے تو یہ انسان کو پچھاڑتا دیتا ہے اور اپنی چال چلتا ہوا قدموں کے نشان چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ افراد جب شعوری بالیدگی کے عمل سے گزر کر حالات سے پنجہ آزمائی پر اتر آئے تو پہلی بار انہیں وقت کی لاثانی قوت کا اندازہ ہوا۔ احمق ہے وہ فرد جو وقت کی لامحدود طاقت کو نہیں سمجھتا اور اسکے ضیاع کا تدارک نہیں کرتا؛ جو لمحہ گزر گیا اسکی واپسی نہیں مگر ان لمحات میں وقت کو اسی طرح محفوظ کیا جا سکتا ہے کہ اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کا مصرف کسی مقصد کی نہج پر ڈالا جائے۔ زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور انکی تکمیل میں محویت ایسے محرکات ہیں جو نہ صرف صدیوں کے سفر ایام میں تبدیل کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات وقت کو بھی پچھاڑ دیتے ہیں۔

عظیم ہیں وہ افراد جو انسانیت پر زندگی کو آشکار کر کے اپنا احسان مند بنا دیتے ہیں اور جو خود پسندی کے فریب سے کہیں دور صدیوں کو سمیٹ کر عظمت کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہوتے ہیں جبکہ دوسرے اسکی گرد بھی نہیں پا سکتے اور مدتوں بعد جب انکا قید کیا ہوا وقت آشکار ہونا شروع ہوتا ہے تو انکے قدموں کے نشان بھی مٹ رہے ہوتے ہیں۔

خیر و شر کی جنگ و جدل؛ فنا اور بقا کی آنچ؛ کبھی علم و دانش کے ڈھیر اور کبھی آلات

جدید کا انبار یہ سب انسانی ذہن کا کمال ہے کہ تسخیر انفس و آفاق پر گامزن ہے۔ دنیا کو کبھی جسمانی قوت نے زیر کیا اور کبھی دولت کی؛ اور کبھی انڈسٹری کی اور کبھی معلومات کی مگر آج علم دنیا کا مقدر بن گیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہو چکی کہ اب انڈسٹری اور صنعت کسی نئی راہ پر گامزن نہیں کہ جسکا ایندھن زر تھا بلکہ آج کا دور معلومات کی بہتی رو کا ایک سیلاب ہے جسے آپ اطلاعاتی معاشرہ کہہ سکتے ہیں جبکہ اسکا ایندھن علم ہے۔ آج کا دور تہذیبوں کے ادغام کا دور ہے معلومات کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے جبکہ اس عہد کی طاقت صرف علم کے مرہون منت ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہماری زندگیوں کو کنٹرول کرنے والی طاقت نے کئی روپ بدلے، ابتدائی زمانے میں طاقت صرف جسمانی قوت کا نام تھا، اور زیادہ طاقت ور اور تیز رفتار شخص نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اردگرد موجود دوسرے لوگوں کی زندگیوں پہ بھی اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسی طرح تہذیبی ارتقا کے ساتھ ساتھ طاقت وراثت کے نتیجے میں حاصل ہونے لگی۔ اپنے جاہ و جلال کے باعث بادشاہ واضح اختیارات کے ساتھ حکمرانی کرنے لگا جبکہ شاہی قرابت دار اپنی قربت کے باعث طاقت حاصل کر سکتے تھے۔ پھر اچانک زمانے نے جست بھری، عہد نے پلٹا کھایا اور صنعتی دور کی ابتداء ہوئی اور سرمایہ طاقت بن گیا جبکہ سرمایہ جن کی پہنچ میں تھا وہ صنعتی عمل کے باعث دوسروں پر قابض ہونے لگے مگر کب تک؟

البتہ آج بھی ان عوامل سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ سرمائے کا ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے، جسمانی توانائی کا ہونا بہرحال یقیناً بہتر ہے، تاہم، آج طاقت کا عظیم سرچشمہ صرف اور صرف علم ہے۔ ارتقاء کا دھارا اب کسی اور طرف گامزن ہے۔ اس اطلاعاتی معاشرے کی ترجیحات اب کسی بھی طرح سے دقیانوسی نہیں رہیں۔ آج اگر طاقت کا بہاو ملاحظہ کرنا ہو تو ذرہ آنکھوں سے تفریحات کی پٹی اتار کر دیکھئے کہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی دنیا میں اب طاقت کا توازن کیا ہے اور اسکا تعین کیسے کریں؟ ان حقائق سے کنارہ کشی کسی بھی طرح سے مزید دیر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جہاں اقوام عالم کے نوجوان دنیا کی طاقت کے مراکز ہیں وہاں ہم اپنی قوم کے نوجوان کو کیا دے رہے ہیں؛ اور ہمارے نوجوان کہاں کھڑے ہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قابل ذکر بات یہ ہے کہ آج طاقت کی کنجی تک رسائی ہم سب کے بس میں ہے۔اگر آپ وسطی زمانہ میں بادشاہ نہ ہوتے تو آپکو بادشاہ بننے کیلئے بے پناہ تگ ودو کرنا پڑتی، صنعتی انقلاب کے آغاز میں، اگر آپ کے پاس زبردست سرمایہ نہ ہوتا تو آپ کے راستے کی رکاوٹیں آپ کی کامیابی کا راستہ مسدود کردیتیں۔لیکن چند نوجوان آج ایک ایسی کارپوریشن کو جنم دے سکتے ہیں جو پوری دینا کو ہی بدل ڈالے۔جدید دنیا میں اطلاعات، انفارمیشن بادشاہوں کی چیز ہے۔مختلف علوم تک رسائی کے باعث آج کا نوجوان نہ صرف اپنا آپ بلکہ پوری دنیا تک بدل کر رکھ سکتا ہے مگر یہ سب کچھ اسکی تربیت پہ منحصر ہے۔زر صنعتی سماج کا ایندھن تھا مگر اب اطلاتی معاشرے میں یہ ایندھن یا طاقت صرف اور صرف علم ہے؛اکیسویں صدی میں انفارمیشن کا طوفان امڈ آیا ہے؛اسکا نا قابل تصور بہاو دنیا کو علم کے گہوارے کی طرف دھکیل رہا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علم سے بڑھ کر کوئی چیز ہے تو وہ عمل ہے؛ کیونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک حرکت و ارتعاش کے رو پر چل رہا ہے؛ کائنات کی ہر شے کی زندگی سے آشنائی فقط متحرک رہنے میں ورنہ موت؛ دیدہ دل وا کیجیے اور جس طرف بھی نظر دوڑائیں زمین پر یا آفاق میں قدرت کی ہر شے ایک دعوت عمل دیتی نظر آئے گی؛ عمل سے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔موثر عمل کی اہمیت پہچاننے والے فرد کے ہاتھ میں آنے سے پہلے؛علم محض ایک امکانی قوت رہتا ہے؛ جبکہ قوت کی اصل تعریف عمل کرنے کی صلاحیت ہے۔

2010 نیا سال

پیار، محبت اور امن و چاشتی کے نام

''ادیان عالم کا مقصد انسانیت کی منزل آسان کرنا اور امن و سلامتی کا پیغام دینا ہے جبکہ افراد کو اشرف المخلوقات ہونے شرف بھی حاصل ہے مگر اس شرف کی لاج رکھنے والے نہ جانے کہاں گم ہیں؟ اگر ایک طرف مفلسی نے انسانیت کو ڈسا ہے تو دوسری طرف جہالت بھی اسکے ساتھ ساتھ کندھے سے کندھا ملائے چل رہی ہے، جبکہ معاملات کی وہ ذمہ داریاں جو رب کائنات نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہیں، افراد کو کبھی کبھی غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ لامحدود قوتوں کے مالک ہو گئے ہیں اور بہت سے کاموں کا ٹھیکا انہیں مل چکا۔''

نئے سال کی آمد ایک نیا پیغام لے کر آئی ہے، اس بات سے قطعہ نظر کہ یہ قمری سال ہے یا شمسی، اک نئی تاریخ کا باب کھل چکا ہے۔چند روز قبل اسلامی سال کی ابتدا ہوئی اور اب عیسوی، دونوں کیلنڈر اب نئے اوراق کھول چکے۔ہر روز افراد کی زندگی کا ایک نیا ورق پلٹتا ہے اور ایک تاریخی صفحہ معرض وجود میں آتا ہے۔خوش نصیب ہیں وہ افراد جنکو تاریخ دان اپنی تحریروں کا حصہ بناتے ہیں، قلم وہ سب کچھ سمیٹنا پسند کرتا ہے جو عالمی حدود کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھوتے ہوئے انسانیت کے اقدار کو بلندی کے آسمانوں پر لیجائے۔

پچھلی دہائی سے انسانی تہذیبوں کے ادغام، ٹیکنالوجی کے طوفان اور جنگ و جدل نے عالم انسانیت کو بری طرح جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسکے نائب نے وہ گل کھلائے کہ عقل دنگ رہ گئی۔ اگر ایک طرف فاصلے سمٹ گئے اور دنیا ایک چھوٹے سے بچے کے آگے صرف ماس کی کلک کے فاصلے پر آ گئی تو دوسری طرف دوریوں اور نفرتوں کے گل کھلے۔ روزمرہ کے انداز قدرتی زندگی سے خالی کسی کھوکھلی اور مصنوعی روش پر چل پڑے، اپنوں کو چھوڑ لاکھوں میل کی دوری پر روابط کی مصنوعی دلچسپی سے رشتوں کے اقدار مات کھانے لگے اور اپنے اجنبیوں سے زیادہ دوری پر چلے گئے، جبکہ قدرتی زندگی اک خواب بن کر رہ گئی۔

عالمی قوتوں کا توازن بگڑ گیا اور مفادات کی جنگ نے اس آگ صورت اختیار کی جو بجھائے نہ بجھے۔ اقوام عالم کو معاشی، اقتصادی اور بدامنی دھچکوں اور ہچکولوں نے ترسناک صورت حال سے دوچار کر دیا۔ مفاد پرستی کا دور دورہ رہا اور لوٹ مار کرنے والے بے خوف و خطر اپنی ڈگر پر خراماں چلتے رہے۔ سرد و گرم جنگ نے وہ روش اختیار کی جسکے اہداف صرف اور صرف عالم اسلام کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔

ادیان عالم کا مقصد انسانیت کی منزل آسان کرنا اور امن و سلامتی کا پیغام دینا ہے جبکہ افراد کو اشرف المخلوقات ہونے شرف بھی حاصل ہے مگر اس شرف کی لاج رکھنے والے نہ جانے کہاں گم ہیں؟ اگر ایک طرف مفلسی نے انسانیت کو ڈسا ہے تو دوسری طرف جہالت بھی اسکے ساتھ ساتھ کندھے سے کندھا ملائے چل رہی ہے، جبکہ معاملات کی وہ ذمہ داریاں جو رب کائنات نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہیں، افراد کو کبھی کبھی غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ لامحدود قوتوں کے مالک ہو گئے ہیں اور بہت سے کاموں کا ٹھیکا انہیں مل چکا۔

دنیا کو ہر وہ چیز میسر ہے جو اسکے آرام اور ترقی میں ہم قدم ہو البتہ اگر ضرورت ہے تو اس بات کی کہ انسانیت باہمی امن و چاشتی اور پیار، محبت کا دامن تھام لے۔ نفرتوں اور دوریوں کے بادل اب چھٹ جانے چاہئیں، پیار اور محبت کا سورج طلوع چاہیے۔ آلامِ

زندگی، آفاتِ عالم اور روزمرہ کی ذمہ داریاں کم تو نہ تھیں جو مصائب سے دوچار رکھتیں، اب بھی اگر معاملات کو سلجھانے کی کوشش نہ کی گئی تو نہ جانے کتنے دیے اور بجھ جائیں گے، اذیت ہو یا خوشی، زندگی تو بسر ہو جائے گی مگر آنے والی نسلوں پر جو چھاپ پڑ رہی ہے اسکا بھی خیال ہونا چاہیے۔

ہر روز وہی سورج اور وہی دن مگر نئی امنگیں اور نئی توانائیاں اپنی مہربانیاں نچھاور کرتی نظر آتی ہیں، نیا سال نئی امنگوں اور نئے پیغام کیساتھ؛ نیا پیغام، ڈائری کا پہلا صفحہ

''2010 نیا سال پیار، محبت اور امن و چاشتی کے نام۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تندرستی، صحت اور جدید علاج

انسانیت روزِ آفرینش سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے جبکہ آج کے آلات انتہائی جدید اور مؤثر ہیں مگر کرب اور تکلیف بھی شکل بدل بدل کر قطعی طور پر مدمقابل شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ اگر ایک طرف رشتوں میں کڑواہٹ انسانیت کا سکون غارت کرتی ہے تو دوسری طرف بیماریاں جو کبھی سانپ کی طرح ڈستی ہیں (جسمانی بیماریاں) تو کبھی دیمک کی طرح چاٹتی ہیں (ذہنی بیماریاں)، یہ بھی چین سے نہیں رہنے دیتیں اور انسان ان کے روبرو بقاء کی جنگ لڑتا لڑتا زندگی کے ماہ و سال پورے کر جاتا ہے۔

یہ تو ایک فطری عمل ہے کہ ہر ابتداء اپنی انتہا کو پہنچے البتہ سارا عمل اگر عافیت سے مکمل ہو تو غنیمت ہے ورنہ اذیت اور کرب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی میں جذبوں کی حرارت اگر کم ہو جائے تو کبھی بھی سکھ سے نہیں رہا جا سکتا۔ امنگیں اور جذبے سرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی میں دلچسپی نہیں رکھتا اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم زندگی کے معاملات سے دلچسپی کم کر دیں اور زندگی سے تمام اچھے ثمرات کی امید بھی رکھیں؟ رشتوں کی مضبوطی اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کا جذبہ کبھی بھی انسان کو تھکنے نہیں دیتے۔ جذبوں کی حرارت سے سرشار لمحے ہی ایک صحتمند اور بھرپور زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

مایوسی انسانی زندگی کا وہ اندھا کنواں (Black Hole) ہے جو ساری اچھی امیدوں کو کھا جاتا ہے اور کسی طرح سے ذہن میں روشن دریچے کھولنے نہیں دیتا۔ جب کبھی

انسانی سوچ کسی بند گلی میں جا کر رک جاتی ہے اور کوئی راستہ نہیں ملتا تو انجام خاتمہ! ہر دکھ اور تکلیف کا مداوا بھی اسی زمین پر موجود ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہم اپنے ذہن کے دریچے ممکنات کی جانب کھولے رکھیں۔ علم و فن کسی ایک شعبہ زندگی، قوم یا ملک کی میراث نہیں یہاں جو جتنی محنت کرے گا اتنا ہی بہتر ثمر حاصل ہوگا۔ قوانین قدرت کی سامنے انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ ایک لمحہ بھی کھڑا ہو سکے البتہ اگر دھوپ تیز ہو یا بارش برس رہی ہو تو تدبیر ایک امکان بڑھا دیتی ہے اور ہم چھتری تان کر اپنا صلہ حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نے کئی بار لاعلاج امراض میں مبتلا لوگوں کو متبادل طریقہ علاج کے باعث تندرست ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ علاج بالمثل (ہومیو پیتھی)، طب نبوی ﷺ، متبادل طرز تنفس (سانس بدل کر علاج)، آکو پریشر (Acupressure)، کروموپیتھی (رنگوں و روشنی سے علاج)، طب یونانی، ہپناٹزم وغیرہ وغیرہ ان سب کی حقانیت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا بشرطیکہ معالج بھی اپنے فن میں یکتا ہو آیئے۔ آج آپ کو اپنی ذاتی تحقیق سے روشناس کراؤں جس کے بارے میں ہو سکتا ہے آپ پہلے سے کافی کچھ جانتے ہوں مگر اس نقطہ نظر سے پہلی بار آشکار ہوں گے۔

آج کی جدید سائنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انسانی ذہن ایک مقناطیس (Magnet) کی طرح سے کام کرتا ہے اور ہر وہ شئے اپنی طرف کھینچتا ہے جس کے بارے میں انسان سوچ رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ خوشی کے مواقع پر انسان کو ہر طرف خوشی نظر آتی ہے حتیٰ کہ شور بھی موسیقی کی طرح معلوم ہوتا ہے، محبت کے عالم میں زندگی کے معاملات انتہائی خوبصورت اور رنگین نظر آتے ہیں جبکہ غم و پریشانی کے عالم میں دنیا بھر میں کرب اور تکلیف دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ دراصل اسی قانون کے مطابق ہے کہ انسانی ذہن جس سوچ و فکر میں مگن ہے وہ اپنے اردگرد اسی طرح کے حالات و واقعات اکٹھا کرتا جا رہا ہے۔ آپ اسکو ایک ایسا ہی عمل کہہ سکتے ہیں جیسے آپ انٹرنیٹ پر سرچ انجن جیسے Google میں جا کر کچھ تلاش کرنا چاہیں تو سرچ انجن آپ کو لاکھوں نئی ویب سائنٹس لا کر آپ کے سامنے رکھ دے گا مگر یہ تمام ویب سائنٹس اس سے ملتے جلتے ہوں گے جو کچھ آپ سرچ باکس میں لکھیں گے اور ملتی جلتی معلومات کا ڈھیر لگ جائے گا۔ اسکو تلازمہ (Like

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

(Attracts Like) بھی کہہ سکتے ہیں۔

تلازمہ خیال اس وقت کام کرتا ہے جب کسی بات ،لفظ ،فکر کو ذہن میں تصور (imagine, Visualize) کر کے بے خیال (Free Mind) ہو جائیں یا پھر اسکی تکرار کرتے ہیں اور نتیجہ میں اسکے ثمرات حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک صفاتی نام ''السلام'' (The Source of Peace) جب کسی زبان سے ادا ہوتا ہے یا ذہن سے تصور کیا جاتا ہے تو کائنات سے سلامتی ،امن کا رجوع اس انسان کی طرف رابطہ (Channal) بنتا ہے جبکہ اس کے ثمرات صحت وسلامتی کے باعث بنتے ہیں اور آپ اس کو مراقبہ صحت وسلامتی کا نام بھی دے سکتے ہیں۔تصور،سوچ اور خیال اس وقت انتہائی طاقتور ہو جاتے ہیں جب انکا رابطہ اصل سوچ (Source) سے ہو جاتا ہے اور یہی رابطہ (Channal) اپنے اثرات دکھاتا ہے۔

حمیدی

انسانی جسم کی الیکٹرونکس سے کرشماتی علاج

......نہ دوا کھانے کی ضرورت نہ بداثرات کا خطرہ......

بیماری جو کہ قدرت کے قوانین صحت کو توڑنے کے نتیجہ میں آتی ہے اس کے باعث انسانی اعضاء اپنا متناسب اور معتدل عمل تبدیل کر کے سست روی یا عجلت کا شکار ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے آپ کو ایک نئی اور تکلیف دہ حالت میں محسوس کرتا ہے جو کہ بیماری کہلاتی ہے۔طریقہ علاج چاہے کوئی بھی ہو الہامی ذرائع کے بیان کردہ حل سے بہتر اور کوئی نہیں جبکہ اسکے مطابق بداعمال کا شاخسانہ بیماری ہے اور اس کا اولین اور آخری حل اللہ کے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری سے دعا ہے کیونکہ تمام طریقہ کار جو شفایابی کی طرف لے جاتے ہیں ان کا کام صرف ایک کوشش ہے اور اپنے اپنے درجہ پہ رہتے ہوئے انسان کو حالت تکلیف سے نجات دلاتا ہے جو کہ اکثر اوقات وقتی نوعیت کی ہوتی ہے جبکہ دائمی حل اور شفایابی کا عمل ایک علیحدہ اہمیت رکھتا ہے اور اسکا دارومدار رحمت خداوندی پر ہے۔ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے کہ شفا صرف اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ

''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔'' (الشعراء 80:26)

روحانیت اور ہومیوپیتھی کی رو سے بیماری پہلے انسان کی روح میں پیدا ہوتی ہے اور پھر اسکے جسم پہ نمودار ہوتی ہے لہٰذا اس کی روح کا علاج کیا جاتا ہے اور جسم خود بخود ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹھیک ہو جاتا ہے۔ میرے کچھ پرانے مضامین اگر ملاحظہ کریں تو بیماری اور جدید علاج پہ بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مائنڈ سائنس اور خود تنویمی کے حوالے سے چند ایک تجرباتی علاج بھی بیان کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اسماء الحسنیٰ کی رو سے مراقبہ سلامتی کا طریقہ کا طریقہ کا بھی وضع کیا گیا ہے۔ البتہ سانس کے تبدیلی کے عمل یعنی متبادل طرز تنفس کے معجزاتی عمل کو اگلے کسی مضمون میں بیان کروں گا۔

انسان کو کبھی بھی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے اور اگر صحت مندی کی طرف قدم نہ بڑھ رہے ہوں تو ایک ہی طریقہ علاج پہ تکیہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو بھی طریقہ احسن ہو اور نقصانات کا خطرہ کم ہو اسکو اختیار کرنا چاہیے جبکہ ہر عمل اپنے طریقہ کار پہ وضع ہے اور شفایابی کی طرف لے جاتا ہے۔ انسانی ارتقاء کا سفر بہت عمدگی سے جاری ہے؛ تکالیف اور بیماریوں سے نبٹنے کیلئے نت نئے طریقہ علاج تلاش کیے گیے ہیں جبکہ جدید دور کی جدید بیماریاں ہیں اور جدید طریقہ علاج بھی موجود ہیں مگر آکوپریشر ایک قدیم چین کا طریقہ علاج جو انتہائی کرشماتی نتائج کا حامل ہے اس طریقہء علاج میں ادویہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی رائج طریقہء علاج ہیں ان سب میں تقریباً ادویہ کا استعمال پیش پیش ہے؛ اگر شفایابی بغیر ادویہ کے حاصل ہو جائے اور کسی قسم کے بداثرات کا بھی خدشہ نہ ہو؛ ایسے طریقہ علاج کو آپ آکوپریشر کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ ایک چین کا قدیم طریقہء علاج ہے۔ جس کی اہمیت اور افادیت کو سمجھنا آج اس لئے ضروری ہے کہ مختلف ادویہ کے استعمال بداثرات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور اگر دوا کھائے بغیر کسی تکلیف سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے تو غنیمت جانیے۔ چین کا قدیم طریق علاج انسانی جسم میں توانائی کے عمل سے متعلق ہے اور انسانی جسم کے وضع کردہ الیکٹرونکس کے نظام کا توازن یا پھر صرف اور صرف انسانی جسم میں توانائی کے عمل کو متوازن رکھنے سے متعلق ہے۔

ایک نظریہ کے مطابق انسانی جسم میں بائیو انرجی یعنی توانائی احاطہ کیے ہوئے ایک دائمی بہاو میں ہے جبکہ اس توانائی کو زندگی کی طاقت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس توانائی کا بہاو جن راہوں سے ہوتا ہے ان کو نصف النہار meridians کہا جاتا

ہے اور انکی تعداد 41 بتائی جاتی ہے۔ اگر انسانی جسم میں اس توانائی کا بہاو ان نصف النہاروں کے ذریعے سے انسانی جسم کے اندر اور باہر برابر یعنی متوازن رہے تو انسان صحت مندی کی حالت میں رہتا ہے، بصورت دیگر اگر اس بہاو میں کسی وجہ سے رکاوٹ آجائے تو اس سے متعلق عضو کا عمل متاثر ہوتا ہے اور انسان بیماری کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا انسانی جسم میں توانائی کے بہاو میں توازن رکھنے اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹ کو ختم کرنے کیلئے کچھ جگہیں مخصوص کی گئیں ہیں جو کہ تقریباً چارسو سے پانچ سو کے قریب ہیں جن کو کسی خاص عضو سے متعلق تصور کیا جاتا ہے۔ ان مقامات پر دو علیحدہ طریق سے اثر انداز ہو جاتا ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ کچھ سوئیاں ان مقامات پر انسانی جسم کی اوپر والی جلد میں داخل کردی جاتی ہیں جو کہ توانائی کے بہاو کا تسلسل دوبارہ معتدل کرتی ہے اور اس طریقہ کار کو آکوپنکچر کہتے ہیں اور اگر ان مقامات پر ہاتھ کی مدد سے دباو ڈالا جائے اور وہی مقاصد حاصل کئے جائیں تو اسے آکوپریشر کہتے ہیں۔ آکوپریشر میں ہاتھوں کی انگلیوں سے مدد لی جاتی ہے جن سے جسم پر ان اہم مقامات کو دبایا جاتا ہے جو کسی بھی بیماری سے متعلق عضو سے وابستہ ہوں جبکہ اسکے باعث جسمانی پٹھوں میں تناو اور بھی ختم ہوتا ہے اور دوران خون میں بھی روانی بھی آجاتی ہے اور توانائی کا بہاو بھی معتدل ہو جاتا ہے۔ آکوپریشر میں دونوں ہاتھوں اور پاوں کے پوائنٹس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ (مگر پھر بھی یاد رکھیں اس آکوپریشر کے کسی عمل کو کسی بھی سٹینڈرڈ طریقہ علاج کا مکمل متبادل تصور نہ کرلیں اور اگر کوئی بھی تکلیف برقرار رہے تو ڈاکٹر سے رجوع ضرور کریں۔)

اسلامی عبادات میں نماز کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دوران نماز؛ قیام؛ رکوع؛ سجدہ اور قعدہ میں اگر ایک طرف ہم اس کائنات کی دوسری مخلوقات کے طریق عبادت کو بھی شامل رکھتے ہیں؛ تو دوسری طرف قیام کی حالت میں 11 سے 15 پوائنٹس پر دباو پڑتا ہے؛ پھر رکوع میں اور سجدے میں ہتھیلی؛ پیشانی؛ پاوں کی انگلیوں اور گھٹنے پر یعنی جسم پر کسی نہ کسی طور دباو پڑتا ہے اور اسی طرح دوران نماز پاوں کی انگلیوں پر مکمل وزن پڑتا ہے جہاں کہ ایک قدرتی طور آکوپریشر کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کو یہ جان کر انتہائی خوشی ہوگی کہ آپ کو اس عمل کیلئے سارے جسم کی مقامات جاننے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف دونوں ہاتھوں کے پوائنٹس کا جاننا ہی کافی ہیں جن کو ہاتھ کی انگلی یا انگوٹھے سے دبا کر بہترین اور فوری نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یعنی آکوپریشر میں سارے جسم کے پوائنٹس کے بارے میں جاننا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف ہاتھوں کی ہتھیلی کے پوائنٹس میں ہی سارے جسم کا کنٹرول مل جائے گا۔ آکوپریشر کے اس طریقہ کار کو سمجھنا انتہائی آسان ہے؛ سب سے پہلے تکلیف سے متعلق پوائنٹ کو معلوم کریں پھر اس عمل کر سرانجام دینے کیلئے آپ اپنے ہاتھ کی شہادت والی انگلی کا نوک؛ یا اس کو خم ڈال کر اسکی ٹو سے کسی بھی پوائنٹ کو دبا سکتے ہیں۔ آپ اپنی انگلی سے کسی بھی مطلوبہ مقام یا پوائنٹ کو 15 سے 30 سیکنڈ دبائے رکھیں جس کے نتیجے میں توانائی کا بہاد معتدل ہو جائے گا اور تکلیف سے بھی چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ اس طریقہ علاج سے آپ تقریباً ہر بیماری سے نجات حاصل کر سکتے ہیں، یہ طریقہ میرا آزمودہ بھی ہے اور انتہائی آسان بھی۔ اس طریقہ کار سے نہ صرف ایمر جنسی معاملات سے بخوبی نبٹا جا سکتا ہے بلکہ کئی بار پرانے امراض سے بھی چھٹکارا دیکھنے میں آیا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے متعلق پوائنٹس کی تفصیلات کی تصاویر اور مختلف بیماروں سے متعلق پوائنٹس کی لسٹ کیلئے آپ مجھ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

http://altafgohar.wordpress.com

جدت کی دوڑ میں اگر کوئی قدیم طریقہ کار اپنی مثال آپ رکھتا ہو تو اسکی افادیت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی انسانی جسم کی الیکٹرونکس کے کرشماتی طریقہء علاج میں ایک ٹیکنیک EFT- Emotional Freedom Technique کا استعمال آج کل تقریباً پوری دنیا میں انتہائی افادیت سے کیا جا رہا ہے اور اسکے کرشماتی فوائد کا ادراک تو مجھے استعمال کرتے ہی ہو گیا تھا البتہ آپ بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ اس طریقہ کار کیلئے کسی خاص تربیت یا مہارت کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی دفعہ کا عمل کرنے سے آپ اس کے طریقہ کار کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

EFT ایک ایسا طریقہ کار ہے جسکے باعث کوئی بھی انسان اپنی دن بھر کی تکان، بے چینی کے حالت، کسی بھی ذہنی یا جسمانی تناوء سے چھٹکارہ حاصل کرسکتا ہے یہ طریقہ کار آکوپریشر کے اصول پر جسم کے چند مخصوص مقامات کو تھپتھپانے کا عمل ہے جسکے نتیجہ میں انسانی جسم میں بہتی کرنٹ یعنی توانائی اپنے اعتدال کے مقام پر آجاتی ہے اور فوری طور پر افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ اس عمل میں انسانی جسم کے آٹھ مقامات کو دونوں ہاتھوں کی چار چار انگلیوں کی ٹو سے تھپتھپایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کی افادیت کے باعث لاتعداد لوگ اس عمل کو روزمرہ کا معمول بنا چکے ہیں۔

اس قدیم چینی طریقہ کار میں جو مقامات اس عمل بتلائے گئے ہیں انکی ترتیب کچھ یوں ہے:

دونوں آنکھوں کی بھنوں سے اوپر، آنکھ کے اوپر مگر درمیان میں، دونوں آنکھوں سے نیچے مگر درمیان میں، دونوں آنکھوں کے باہر کی طرف، کناروں پر ناک کے بالکل نیچے، ناک اور ہونٹ کے درمیان ٹھوڑی کے اوپر، درمیان میں شکن والی جگہ پر سینے پر جہاں یو شکل کی ہڈی ہے، دونوں اطراف درمیان میں اور دو انچ نیچے کیطرف، دونوں بازوں کے نیچے، بگل سے تین انچ نیچے، سر کے بالکل درمیان اور چوٹی پر۔

ان مقامات کو ترتیب سے دونوں اطراف اور ایک ہی وقت میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی ٹو سے پانچ سے سات بار تھپتھپایا جاتا ہے۔ اس عمل کو ایک سے زائد بار بھی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس کے نتیجہ میں کسی بھی غیر ضروری تناو سے نجات مل جاتی ہے، دوا بھی نہیں کھانی پڑی اور افاقہ بھی حاصل ہو جاتا ہے البتہ کسی سائڈ افیکٹ کا خطرہ بھی نہیں البتہ آزمائش شرط ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

اکیسویں صدی کے جدید ٹھگ

پرانے وقتوں میں سیدھے سادھے لوگوں کو کامیابی کے ساتھ لوٹنے والے افراد کو ٹھگ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ان میں کمال بات یہ ہوتی تھی کہ لوٹے جانے کے عمل میں موصوف سیدھے سادے لوگوں، یعنی شکار کی رضامندی بھی شامل ہوتی تھی، کیونکہ ٹھگ کسی دوسری دنیا کی مخلوق نہیں ہوتے بلکہ اسی دنیا کے باسی، انتہائی چاپلوس اور گفتگو کے ماہر افراد ہوتے ہیں جبکہ انکو چور، ڈاکو اور رہزن کبھی بھی نہیں کہا جاسکتا البتہ کسی نہ کسی طرح سے آپ انکو نوسر باز کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ٹھگ ایک معتدل قسم کی قوم ہے۔ نہ تو یہ چوروں کی طرح بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں کہ راتوں کو گھروں میں نقب لگاتے پھریں اور نہ ہی نڈر ڈاکوؤں کیطرح سر عام دندناتے ہوئے لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہیں بلکہ یہ دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے شکار کے ساتھ ہنسی خوشی کھاتے پیتے اور اسے لوٹ کر چلے جاتے ہیں کہ لٹنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ ان کے اس کمال کے باعث میں انہیں اس نوع کی اعلیٰ قوم کہونگا جو نہ تین میں ہیں اور نہ تیرہ میں مگر اپنی ایک علیحدہ شناخت رکھتے ہیں اور کامیابی کا گراف دوسروں کی نسبت سے کئی گنا زیادہ ہے۔

آج اکیسویں صدی میں ٹھگوں کی قوم میں اگر ایک طرف جدت آئی ہے تو دوسری طرف انہوں نے اپنے اندر کلاسیفکیشن بھی کر رکھی ہے۔ جبکہ ان کی یہ تقسیم نہ تو طبقاتی نوعیت کی ہے اور نہ ہی نظریاتی بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق افراد تک رسائی اور ان کو اپنی قربت سے فیضیاب کرنا ایسا امر ہے جو ترجیحی بنیادوں پر اس قوم کو منقسم کرتا ہے۔ انکی تمام

اقسام کی معلومات تو کوزے میں بند نہیں ہو سکتی البتہ چیدہ چیدہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں؛

سائبر ٹھگ ...... موبائل ٹھگ

لینڈ لارڈ ٹھگ ...... فقیر نما ٹھگ

ہینڈ فری ٹھگ ...... کارپوریٹڈ ٹھگ

وغیرہ وغیرہ...... پرانے وقتوں کے ٹھگوں کا طریقہ کار کچھ دقیانوسی سا ہوتا تھا، صرف نفسیاتی حربے استعمال کر کے اپنا ہدف حاصل کرتے تھے، بیچارہ لٹنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اور وہ چلتے بنتے تھے، مگر جیسے جیسے زمانے نے ترقی کی ٹھگوں نے بھی ٹیکنالوجی کی مہارت حاصل کر کے وقت کے ساتھ کندھے سے کندھا ملانا شروع کر دیا۔ آج کل سائبر ٹھگوں نے انٹرنیٹ پر ایک بہت بڑا بزنس شروع کیا ہوا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ آپکے ای میل باکس میں ایک میل موصول ہوتا ہے۔ کوئی صاحب، یا صاحبہ اپنا تعارف کروانے کے بعد ایک بہت بڑی ڈیل آفر کرتے ہیں۔ اپنے فون نمبر اور روابط بھی دیتے ہیں اور ریفرنس بھی، کہ کسی فرد نے اپنا بہت سارا پیسہ ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنا ہے لہٰذا قرعہ آپکے نام نکلا ہے کیونکہ آپ انتہائی معتبر شخصیت ہیں، کرنا یوں ہے کہ اپنے مکمل کوائف ای میل کر دیں۔ اس طرح سے یہ لوگ دوسروں کے اکاؤنٹ کی معلومات حاصل کر لیتے ہیں اور آن لائن کی سہولت سے لوگوں کا سرمایہ اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کر لیتے ہیں یا پھر الجھا کر کچھ رقم بٹور لیتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری قسم کا ٹھگوں کا گروہ انٹرنیٹ پر لوگوں کی لاٹریاں لگاتا پھر رہا ہے اور نہ جانے لاٹری نکالتے نکالتے کتنوں کا کباڑہ کر گیا ہے۔ ایک نیا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ بوگس ادارے وجود میں آتے ہیں، کمال قسم کی ویب سائٹ بناتے ہیں اور لوگوں کو دوسرے ممالک سے منگوانے کے ورک پرمٹ آفر کرتے ہیں۔ مزے دار بات یہ کہ ان پر کسی کو شک بھی نہیں ہوتا کیونکہ ایسے زبردست طریقہ سے لوٹتے ہیں کہ کسی کو شک ہی نہیں پڑتا، اور کبھی شک پڑ بھی جائے تو ادارہ دو تین سو ڈالر لیجا چکا ہوتا ہے اور شکار ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

اب اگر آج کل کے موبائل ٹھگوں کا تذکرہ نہ ہو تو بات مکمل نہیں ہوتی۔ یہ جدید ٹھگ اپنا طریقہ واردات کچھ اس طرح سے شروع کرتے ہیں کہ کوئی بھی بھلا مانس ان کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جال میں آسانی سے پھنس جائے۔ اگر آپکے موبائل پر کسی انجانے فون نمبر سے کال موصول ہو اور یہ بتلایا جائے کہ آپکا دس لاکھ کا انعام نکل آیا ہے تو کیسا لگے گا؟ اس طرح کی کال موصول ہوتی ہے کہ میں فلاں کمپنی کے ہیڈ آفس سے کال کر رہا ہوں، آج کمپنی نے ایک قرع اندازی کی ہے جس میں آپ خوش نصیب ٹھہرے ہیں، آپکو بہت مبارک باد، کیونکہ آپ کا دس لاکھ کا کیش انعام نکلا ہے، آپ ابھی فوراً اسی نمبر پر کال بیک کریں تا کہ آپ کو مزید معلومات دی جاسکیں۔ بچارہ خوش نصیب جو کہ سانس روکے ہوئے یہ سب کچھ سن رہا ہوتا ہے فوراً بھاگم بھاگ ایک نیا کارڈ خرید کر اسے چارج کرتا ہے اور کال بیک کرتا ہے، اب کسی نئے فرد سے بات ہوتی ہے جو کہ غالباً اپنا تعارف کمپنی کے منیجر کے طور پر کرواتا ہے۔ خوش نصیب، بلکہ بیچارہ اس سے انعام وصول کرنے کے متعلق تفصیلات معلوم کرتا ہے اور اس طرح ان موبائل ٹھگوں کے نرغے میں پھنس جاتا ہے۔ اس تمام لے دے کے دوران اس خوش نصیب کو کافی سارے کارڈ چارج کرنے کو کہا جاتا ہے اور انعام کی لالچ،، نہیں بلکہ، انعام کی تگ ودو میں اچھی خاصی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

جوانی انجانی اور دیوانی نہ ہو تو اسکو جوانی کون کہے؟ آج کل کے موبائل معاشرے میں اگر آپ کسی پارک کے پاس، یا پارک میں، یا پھر سڑک کنارے کسی شخص کو اپنے آپ سے باتیں کرتا، کبھی ہنستا اور کبھی غصہ کرتا دیکھیں تو کہیں غلطی سے پاگل نہ سمجھ بیٹھئے گا کیونکہ وہ ہینڈ فری لگا کر کسی سے موبائل پر بات کر رہا ہوگا۔ چلیں چھوڑیں کام کی بات کرتے ہیں، اکثر اوقات کسی فون نمبر سے ایس ایم ایس موصول ہوتا ہے اور کسی اچھی آفر کے ساتھ بیلنس، یا کارڈ چارج کرنے کو کہا جاتا ہے، یا پھر کبھی مس کال، جو ابھی تک کسی کی نہیں ہوئی، موصول ہوتی ہے اور بات اپنے انجام پر بیلنس بڑھانے اور کارڈ چارج کروانے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

گلی محلوں میں ٹھگی کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، باربر شاپ یعنی حجام کی دوکان یا اسی طرح کی بیٹھک والی جگہوں پر اکثر ہینڈ فری قسم کے ٹھگ پائے جاتے ہیں، انکا دوکان میں کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ ہر گپ شپ میں اپنا لقمہ شامل کرتے رہتے ہیں انکے

ساتھ کچھ انکی تعریف کرنے والے اور نقلی ضامن بھی موجود ہوتے ہیں۔ چند روز کی گپ شپ میں کچھ شکار تلاش کر کے ان سے دوستی بنا لیتے ہیں اور لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق آفر کرواتے پھرتے ہیں، کسی کی نوکری کا بندوبست، کسی کے گھر کے کام اور کسی کو باہر ممالک میں بھجوانے کی حامی، اس طرح یہ ٹھگ چند ہی دنوں میں لوگوں سے مختلف کاموں کے کروانے کے بہانے رقم بٹور کر ایسے غائب ہوتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

چند ایک لینڈ لارڈ ٹھگ لوگوں میں سستے پلاٹ بانٹتے پھرتے ہیں، ہوتا یوں ہے کہ ایک صاحب اچانک وارد ہوتے ہیں اور بڑے خوش مزاج انداز میں آپکو اپنا تعارف کرواتے ہیں اور ساتھ ہی مبارک باد دیتے ہیں کہ ڈیر آپ تو بہت خوش نصیب ہو، کیونکہ فلاں سکیم میں آخری چند ایک پلاٹ رہ گئے تھے لہٰذا قرع اندازی کی گئی ہے اور تین میں سے ایک پلاٹ آپکے نام نکلا ہے، بہت بہت مبارک ہو!!! آپکو یہ پلاٹ صرف ایک ڈیڑھ لاکھ میں مل جائے گا اب خوش نصیب، خوشی سے پھولے نہیں سماتا کہ اتنی مہنگائی کے دور میں پلاٹ اور وہ بھی صرف ڈیڑھ لاکھ میں اور آؤ بھگت میں لگ جاتا ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ بھئی جی میں تو آپکی فائل بھی لے آیا ہوں، آپ فائل رکھ لیں اور فلاں دن آکر موقع دیکھ لیں۔ اب فائل لینے والا جب فائل حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ اس فائل کی معمولی سی قیمت صرف چار سو روپے ہے آپ ادا کر دیں۔ اور سلسلہ چل پڑتا ہے، موقع پر جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مزید ایک ہزار روپے اور ادا کر دیں کیونکہ خوش نصیب کی تو ابھی تک رجسٹریشن بھی ہونی ہے، اسطرح سے پیسے بٹورنے والے ٹھگ پیسے بٹورتے رہتے ہیں اور آخر کہیں جا کر پتہ چلتا ہے کہ جو پلاٹ انکے نام نکلا ہے کسی شورش زدہ علاقے میں شہری حدود سے باہر ہے اور اسکی قیمت ایک لاکھ بھی زیادہ ہے۔

ایک اور قسم کے ٹھگ جنکو آپ فقیر نما ٹھگ کہہ سکتے ہیں ان کا حال سنیں، کئی بار بڑے بڑے دفتروں میں جہاں کہ بڑے مرتبے کے لوگ بیٹھتے ہیں اچانک ملنگ نما لوگ دفتر میں گھس آتے ہیں، بڑے بڑے منکے پہنے ہوئے ہٹے کٹے ملنگ صاحب آتے ہی اپنا تعارف کچھ اس طرح سے کرواتے ہیں، "مستان شاہ کا پھرا ہے، غصہ تھوک دو، تمہارے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زندگی میں بہت کامیابی ہے صرف غصہ نہ کیا کرو"، اور ساتھ ہی ایک عدد آٹوگراف بک آپکی خدمت میں پیش کر دیں گے جس میں بڑے بڑے لوگوں کے کمنٹس لکھے ہوتے ہیں، اب اپنے شکار کو مرغوب کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ شبدے بھی پائے جاتے ہیں، اکثر اوقات اپنا کرشمہ دکھانے کیلئے اپنے شکار سے پانچ سو کا نوٹ لیکر اور اسے مٹھی میں بند کر کے اس میں سے پانی کے قطرے نکالتے ہیں اور اسی طرح سے کچھ اور شبدے دیکھا کر کمزور عقیدہ لوگوں کو بیوقوف بنا کر پیسے بٹورتے ہیں۔

اسی طرح ان ٹھگوں میں ایک انتہائی معتبر طبقہ بھی موجود ہے۔ یہ لوگ شاہانہ انداز میں اپنا ہدف حاصل کرتے ہیں، آپ انکو کارپوریٹڈ ٹھگ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ یہ کارپوریٹ لیول پر کام کرتے ہیں، انکا طریقہ واردات سب سے مختلف ہے، کسی بھی بڑے بزنس مین کو اچانک ایک فون کال موصول ہوتی ہے اور ایک بہت بڑا آرڈر بک کروایا جاتا ہے یعنی بڑی تعداد میں اشیاء خریدنے کی دلچسپی ظاہر کی جاتی ہے۔ مگر بزنس مین کو اپنے علاقے میں آنے کی دعوت بھی دی جاتی ہے۔ اب بچارہ بزنس مین اتنے بڑے خریدار کو کیسے چھوڑ سکتا ہے، وہ کسی بھی کمٹمنٹ کے تحت گاہک کے پاس جا پہنچتا ہے۔ کارپوریٹڈ ٹھگ اپنے اڈے شہروں سے کچھ فاصلے پر بناتے ہیں جیسے لاہور کے ساتھ بھائی پھیرو وغیرہ، تاکہ ڈیل میچور کر سکیں۔ انکا ڈسا ہوا بزنس مین ہمیشہ کیلئے برباد ہو جاتا ہے۔ اب بزنس کی غرض سے آئے ہوئے فرد کو باس سے ملوانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مگر پہلی ملاقات میں باس کی بجائے چند ایک اور آئے ہوئے مہمانوں سے کروائی جاتی ہے جو کہ لفظوں کے جال میں پھنسانے کے ماہر ہوتے ہیں، اور اس طرح آنے والے بزنس مین کو جواء کھیلا دیا جاتا ہے جس میں پہلی بار کچھ رقم بھی جتوا دی جاتی ہے مگر بزنس مین کو پیسے دیے نہیں جاتے بلکہ امانتاً رکھوا لیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ابھی کھیل نامکمل ہے، آپ جتنی رقم لاوء گے، یعنی شو کرواوء گے اتنی یہاں سے لیجا سکتے ہو۔ اب بزنس مین اپنی پھنسی ہوئی رقم نکلوانے کی خاطر مزید اور پیسے لا کر اس کھیل کا حصہ بن جاتا ہے اور اس طرح سے جوئے میں اپنی پونجی ہار بیٹھتا ہے مگر واپس نہیں لے سکتا کیونکہ یہ وہ سب کچھ اپنی مرضی سے ہار چکا ہوتا ہے اور بعض اوقات اس

سے اسٹام پیپر تک سائین کروا لئے جاتے ہیں۔ اس طرح سے ہارا ہوا بزنس مین کسی کو بتانے کے قابل بھی نہیں رہتا کہ اپنے کیئے کا کوئی علاج نہیں۔

ایسے کئی اور اقسام کے ٹھگ گلی محلوں میں دندناتے پھر رہے، جیسے گھروں میں عورتوں کا آکر پیسے ڈبل کرنے کی آفر کے بعد پیسے اور زیور بٹور لینا وغیرہ، آیئے ایک جدید انتہائی تعلیم یافتہ ٹھگ سے ملاقات کا آنکھوں دیکھا حال آپکی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہوا یوں کہ 2 اگست 2008 شام تقریباً 6 بجے ایک صاحب میرے آفس میں تشریف لائے اور آتے ہی اتنی بے تکلفی سے ملے اور سلام کیا جیسے مدتوں سے جاننے والے ہیں۔ پھر گفتگو کی سلائس پر مکھن کے دو کوٹ کیئے اور اپنا تعارف کروایا کہ "میں راولپنڈی کے ایک کالج میں پروفیسر ہوں، کیمسٹری پڑھاتا ہوں اور کچھ طلبا کو وظیفے پر مختلف ملکوں میں تعلیم کی غرض سے بھجواتا ہے لہٰذا اس غرض سے لاہور صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔ ہمارے کالجز کا پورے پنجاب میں ایک بہت بڑا نیٹ ورک ہے اور اس لحاظ سے ہر ایک سیشن میں کم از کم ایک سو طلبا و طالبات کے داخلے آپکو مل جایا کریں گے"

وہ صاحب گفتگو اور لباس سے قطعی طور پر مہذب انسان لگ رہے تھے جبکہ معلومات کا ایک گنجینہ بھی تھے۔ مجھے کاروبار سے بڑھ کر انکی شخصیت نے زیادہ متاثر کیا۔ اپنی مسحور کن گفتگو میں انہوں نے بتایا کہ آزاد کشمیر میں بھی انکے کالجز ہیں اور اتنے بڑے نیٹ ورک کے بیرون ممالک تعلیم کے معاملات نپٹانے کیلئے کسی اچھے اور تجربہ کار ایڈوائزر کی ضرورت ہے۔ اتنی مرنجا مرنج گفتگو کہ کوئی قربان ہی ہو جائے، مجھے احساس ہوا کہ ایک اچھی کاروباری ڈیل اور اچھی شخصیت کی مسحور کن ماحول میں انکو کچھ کھلانا پلانا بھول ہی گیا ہوں۔

میں نے فوراً ان صاحب کیلئے چائے اور کھانے کا انتظام کیا۔ کاروباری معاملات پر مزید بات چیت جاری رہی، ان صاحب سے میری بھی بے تکلفی سی ہونے لگی، میں نے ان سے انکا وزٹنگ کارڈ مانگا جو فوراً انہوں نے پیش کر دیا

Fahim Asad Jaral

M.Sc Chemistry

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

M.BA Marketing

ان کے گلابی رنگ کے کارڈ پر نہ تو کسی ادارے کا نام اور نہ ہی ایڈریس لکھا ہوا تھا مگر کمال کی شخصیت اور کمال کی معلومات کہ جو بات کرو جواب حاضر۔ لہٰذا میں نے انکے کام کیلئے حامی بھر لی اور باہمی شرائط طے کرنی شروع کر دیں۔ مگر فہیم اسد جرال صاحب بولے کہ یہ شرائط تو طے ہوتی رہیں گی، آپ کیونکہ ایک تعلیمی ادارہ بھی چلا رہے ہیں، لوگوں کی خدمت بھی کر رہے ہیں اور آپ سے دوستی بھی ہو گئی ہے لہٰذا میں آپکو ایک اور بزنس بھی دلا دیتا ہوں، آپ ایک عدد درخواست ہمارے ڈائریکٹر صاحب کے نام لکھ دیں، یہ درخواست ایک ٹینڈر سے متعلق ہے، جس کی آخری تاریخ کل ہے۔

انہوں نے مجھے لکھوانا شروع کر دیا، بہترین انگلش کے الفاظ کا چناو اور پیراگراف کہ میں حیران ہو گیا۔ درخواست مکمل کرنے کے بعد انہوں نے اس پر میرے دستخط کروائے اور اپنے پاس رکھ لی۔ اب گفتگو کسی اور موضوع پر چل پڑی کہ اچانک جرال صاحب نے کہا کہ مجھے ایک ہزار روپیہ عنائیت فرمادیں جو کہ درخواست کے ساتھ بطور فیس جمع کروانا ضروری ہے۔ میں کیونکہ ان کو ایک معتبر اور قابل اعتماد شخصیت مان چکا تھا لہٰذا کسی اچنبھے کا اظہار نہ کیا اور ایک ہزار روپے دینے کی فوراً حامی بھر لی، پھر بات چیت اپنی دلچسپیوں کی ڈگر پر چل پڑی کہ چند ہی لمحوں میں فہیم جرار صاحب نے یاد دہانی کروائی کہ مجھے انہیں ایک ہزار روپیہ دینا ہے۔

ان کے اتنی معمولی رقم کیلئے دوبارہ تذکرہ پر مجھے کچھ حیرانی ہوئی مگر میں نے بات کرتے ہوئے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔ جرار صاحب نے بھی گفتگو جاری رکھتے ہوئے تیسری بار مجھ سے ایک ہزار روپے کا تذکرہ کیا جو کہ اب واقعی اہمیت کا حامل تھا کہ ایک چھوٹی سی رقم کیلئے اتنا زور کیوں دے رہے ہیں۔ مجھے انکی شخصیت اور کاروباری معاملہ کی نوعیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک ہزار روپیہ دینا کوئی مشکل کام تو نہیں لگا مگر کچھ شک گزرا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

بات کا پانسا پلٹتے ہوئے میں نے کہا جناب جرار صاحب آپ کیوں فکر کرتے ہیں، یہ تو معمولی سی رقم ہے، ہم نے تو ابھی بہت سے بزنس کے معاملات میں آگے چلنا ہے،

آپ ایسے کریں کہ اتنی سی رقم آپ خود سے جمع کروادیں۔ یہ سننا تھا کہ جیسے ان کو کرنٹ لگ گیا ہو، انکے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا جو کہ میرے لیے اور بھی حیرت کی بات تھی۔ اب میری آنکھیں کھلنے لگیں کہ نہ جان نہ پہچان اور میں تیرا مہمان، میں کس شخص سے وقت ضائع کر رہا ہوں جو کہ صرف ایک ہزار کے کھیل میں آسمان کی قلابیں ملا رہا ہے۔

جرار صاحب کا طلسم ٹوٹ چکا تھا مگر میں نے محسوس نہیں ہونے دیا، میرا یہی اصرار تھا کہ وہ خود ہی سے درخواست اور اسکی فیس جمع کروادیں۔ اب اس بچارے کی حالت دیکھنے والی تھی، چہرہ پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے کہ ایکدم اٹھ کھڑے ہوئے اور بوکھلائے ہوئے بولے کہ مجھے دیر ہو رہی ہے، پھر ملاقات ہو گی۔ اور اپنی فائلیں سنبھالے نکل گئے جبکہ میں انکی آنیاں اور جانیاں ملاحظہ کرتا رہا۔ انکے نکلتے ہی میں نے سوچا کہ دیکھوں موصوف کے پاس کونسی گاڑی ہے لہٰذا کھڑکی سے ملاحظہ کیا تو جناب سڑک کنارے کھڑے ایک موڑ سائیکل والے سے لفٹ مانگ رہے تھے، حالانکہ گپ شپ کے دوران انہوں نے انکشاف کیا تھا کہ انکے پاس ایک عدد گاڑی کا بھی ہے۔ اب میں نے سوچا انکے وزٹنگ کارڈ پر لکھے ہوئے موبائل تو دیکھوں کہ کسی اور کا نہ ہو، جب فون کیا تو جناب کا فون بند تھا۔ اس واقع کے بعد کبھی گمان ہوتا تھا کہ میں سمجھنے میں غلطی کر گیا اور کبھی خیال ہوتا کہ ایک ٹھگی سے بچ گیا، اسی شش و پنج میں ایک روز پھر فون ملایا تو مل گیا، حضرت موجود تھے اور بولے یار آپ بھی کمال کے شخص ہیں، آجکل میں پنڈی میں موجود ہوں پھر کبھی ملاقات ہو گی خدا حافظ، مختصر سی بات کی اور...... اور پھر کبھی ملاقات نہ ہوئی۔ آج وزٹنگ کارڈز کو ترتیب میں لگاتے ہوئے مجھے پھر وہی کارڈ نظر آیا اور ذہن میں وہی پرانی تصویریں اور واقعات گھومنے لگے کہ جسے میں اکیسویں صدی کا ٹھگ ہی کہوں تو بجا ہو گا۔

ان کی تفصیلات اس لیئے لکھ دیں ہیں کہ اگر آپ ان سے مل چکے ہیں تو آپ میری شش و پنج ختم کر دیں اور اگر کبھی شرف ملاقات حاصل ہو تو کسی کاروباری دھوکے میں نہ آجائے گا۔ ایسی شخصیات سے ملاقات نصیبوں والوں کو ہی ہوتی ہے اور جن کو یہ شرف حاصل ہو وہ کسی سے تذکرہ بھی نہیں کرتا بلکہ تذکرہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ ویسے سارے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹھگوں کی تو تفصیلات ممکن نہیں کہ بیان کرسکوں البتہ سیاسی ٹھگوں کے بارے میں اگر آپ شیئر کریں گے تو ہوسکتا ہے میری معلومات میں اضافہ ہو۔ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور شک کی عینک سے دیکھنا شروع کردیں تو ممکن ہے نظر آجائے کہ ایسا ہی کوئی معاملہ درپیش ہو؟

یہ سارا عمل ایک اصول پر قائم ہے کہ پیسے کو پیسہ کھینچتا ہے، لہٰذا لوگ تھوڑا سا پیسہ لگا کر بہت سا حاصل کرنے کی لالچ میں تھوڑے سے بھی جاتے ہیں، جیسے پہلے وقتوں میں ایک شخص ایک بڑی سی دوکان کے باہر اپنے ہاتھ میں ایک سکہ لیے کھڑا تھا، دوکاندار نے دیکھا اور نظرانداز کرگیا۔ اب کافی دیر بعد وہ شخص جانے لگا مگر اس نے سکہ دوکاندار کی طرف اچھال دیا تو دوکاندار اسے روک کر پوچھنے لگا، بھئی یہ کیا ہے، تو وہ شخص بولا سنا تھا پیسہ پیسے کو کھینچتا ہے لہٰذا میں اپنا سکہ لیکر تمہاری دوکان کے باہر گلّے کے پاس کھڑا رہا اور دیکھتا رہا کہ کب میرا سکہ تمہارے گلّے سے پیسے کھینچے گا، مگر کافی دیر کھڑا رہنے کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی لہٰذا مایوس ہوکر میں نے اپنا سکہ بھی تمہارے گلّے میں پھینک دیا۔ اب دوکاندار مسکرایا اور بولا بھئی بات تو ٹھیک ہے کہ پیسہ پیسے کو کھینچتا ہے مگر زیادہ پیسہ کم پیسے کو کھینچتا ہے نہ کہ کم زیادہ کو، دیکھو میرے پیسوں نے تمہارے سکے کو کھینچ لیا!!

ان سب معاملات میں کسی قانونی تحفظ کی تو بات دور، ان معاملات کی گرداب سے بچ نکلنا ہی غنیمت جانئے۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی لالچ میں اندھا ہوجاتا ہے ہمیشہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اسی طرح سے جلدی کے تمام معاملات اور انجان لوگوں سے مراسم ہمیشہ کسی اندھے کنوئیں میں لا پھینکتے ہیں، یہاں افراد کی تربیت بہت ضروری ہے کہ وہ اس خواہ مخواہ کی پریشانی سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ٹھگوں سے بچائے رکھے البتہ اگر آپ اسی طرح کے کسی معاملہ سے گزر چکے ہیں تو امید ہے کہ اسکو دوسروں سے شیئر کریں گے تاکہ آپ کے دوست واحباب کسی ناقابل تلافی نقصان سے بچے رہیں۔

لسانیات

زبان کی سائنس اور لفظوں کی شرارت

دنیا سے سینکڑوں زبانوں کے ناپید ہونے کا خطرہ

لسانیات Linguistics ایک ایسا مضمون ہے جس میں انسانی زبانوں کا، زبانوں کی موجودہ صورت کا اور زبانوں میں وقت کے ساتھ ساتھ ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس علم میں مختلف زبانوں کی آپس میں مشابہت کے بارے میں مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے کہ زبانوں کا اس دنیا کی دیگر چیزوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

لسان، زبان (language) ایک ایسا نظام ہے جس میں مختلف آوازوں اور اشاروں کی مدد سے ایک دوسرے سے رابطہ کیا جاتا ہے یا معلومات کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ اگرچہ انسانوں کے علاوہ مختلف جاندار بھی آپس میں ترسیلِ معلومات کرتے ہیں مگر زبان سے عموماً وہ نظام لیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے تبادلۂ معلومات و خیالات کرتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت بھی ہزاروں مختلف زبانوں کا وجود ہے جو بڑی تیزی سے ناپید ہورہی ہیں۔ مختلف زبانوں کی تخلیق وترقی کا تجزیہ لسانیات کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ زبانیں مصنوعی بھی ہوتی ہیں مثلاً وہ زبانیں جو شمارندہ (Computers) میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

استعمال ہوتی ہیں۔

اردو (برج بھاشا) زبان جسکے معنی لشکر کے بھی ہیں، یورپی لسانی خاندان کے ہندی، ایرانی شاخ کی ایک آریائی زبان ہے۔ اس کی ارتقاء جنوبی ایشیاء میں سلطنتِ دہلی اور مغلیہ سلطنت کے دوران ہند زبانوں پر فارسی، عربی اور ترکی کی اثر سے ہوئی۔ اردو (بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے) دنیا کی تمام زبانوں میں بیسویں نمبر پر ہے۔ یہ پاکستان کی قومی زبان جبکہ بھارت کی 23 سرکاری زبانوں میں سے ایک ہے۔ اردو کا بعض اوقات ہندی کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے جبکہ اردو اور ہندی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اردو نستعلیق رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور عربی و فارسی الفاظ استعمال کرتی ہے۔ جبکہ ہندی دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور سنسکرت الفاظ زیادہ استعمال کرتی ہے۔ کچھ ماہرینِ لسانیات اردو اور ہندی کو ایک ہی زبان کی دو معیاری صورتیں گردانتے ہیں۔ تاہم، دوسرے اِن کو معاش اللسانی تفرقات کی بنیاد پر الگ سمجھتے ہیں۔ معیاری اردو (کھڑی بولی) کے اصل بولنے والے افراد کی تعداد 60 سے 80 ملین ہے۔ ایس۔ آئی۔ ایل نژادیہ کے 1999ء کی شماریات کے مطابق اردو اور ہندی دنیا میں پانچویں سب سے زیادہ بولی جانی والی زبانیں ہیں۔ لینگویج ٹوڈے میں جارج ویبر کے مقالے دنیا کی دس بڑی زبانیں میں اردو اور ہندی چینی زبانوں، انگریزی اور ہسپانوی زبان کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ بولے جانی والی چوتھی زبان ہے۔ اِسے دنیا کی کل آبادی کا 4.7 فیصد افراد بولتے ہیں۔ اردو کو پاکستان کے تمام صوبوں میں سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ مدرسوں میں اعلیٰ ثانوی جماعتوں تک لازمی مضمون کی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے مطابق بھارت کی دو سو زبانیں جبکہ پاکستان کی 27 زبانیں صفحۂ ہستی سے معدوم ہونے کے خدشے سے دوچار ہیں، جبکہ زبان کوئی بھی ہواسکی افادیت اپنی جگہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ دنیا بھر میں لاتعداد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ چیکوسلواکیہ کی ایک مثل ہے کہ "ایک نئی زبان سیکھو اور ایک نئی روح حاصل کرو" یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان کا بہت گہرا تعلق انسان کے ذہنی ارتقاء سے ہے۔ اگرچہ زیادہ

زبان جاننا بذات خود انسانی ارتقاء کے لئے کافی نہیں لیکن انسانی ارتقاء کا تجربہ وہی لوگ کرتے ہیں جو ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہوں۔ مصر کے مشہور ادیب ڈاکٹر احمد امین نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھا ہے کہ پہلے میں صرف اپنی مادری زبان (عربی) جانتا تھا۔ اس کے بعد میں نے انگریزی سیکھنا شروع کیا۔ غیر معمولی محنت کے بعد میں نے یہ استعداد پیدا کرلی کہ میں انگریزی کتب پڑھ کر سمجھ سکوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں انگریزی سیکھ چکا تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا پہلے میں صرف ایک آنکھ رکھتا تھا اور اب میں دو آنکھ والا ہوگیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ میں اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھنے کا موقع پاسکا۔ میں کم وبیش 5 زبانیں جانتا ہوں؛ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہندی، اگر میں صرف اپنی مادری زبان (اردو) جانتا تو یقیناً معرفت کے بہت سے دروازے مجھ پر بند رہتے۔

سن 2001ء کی مردم شماری کے مطابق بھارت میں ایک اعشاریہ سولہ بلین افراد آباد ہیں، جو مختلف لہجوں والی چھ ہزار پانچ سو زبانیں بولتے اور سمجھتے ہیں۔ مغربی بھارت میں قائم ادیواسی اکیڈمی میں ابھی بھی ایسی زبانیں گونجتی ہیں، جن کی اہمیت شائد جلد ہی بے ہنگم شور سے زیادہ نہ رہے۔ کوکنا، پانچ محالی اور راٹھوری وہ تین زبانیں ہیں جو ابھی تک اس اکیڈمی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ادیواسی اکیڈمی کا آغاز انیس سو چھیانوے میں ہوا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ معدوم ہوتی بھارتی زبانوں کے ورثے کو آئندہ نسلوں تک منتقل کیا جاسکے۔

اس اکیڈمی کے 29 سالہ ٹیچر واساوا کا کہنا ہے کہ اگر نئی نسل نے یہ زبانیں نہ سیکھیں تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھلادی جائیں گی۔ یہ زبانیں بولنے والے افراد آئندہ 30 برسوں میں بوڑھے ہو جائیں گے، جس سے یہ زبانیں بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گی۔ وہ اپنی مادری زبان وساوی کے ساتھ ساتھ مزید دس زبانیں بول سکتے ہیں۔ وساوی زبان تقریباً 80 ہزار افراد بولتے ہیں۔ یہ افراد گجرات اور مغربی ریاست مہاراشٹر میں آباد ہیں۔

بھارت کی وہ زبانیں جو معدوم ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں زیادہ تر ہمالیہ، شمال مشرقی علاقوں، چین اور بھوٹان کی سرحدوں پر واقع دور دراز علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔ ماہرین کا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہنا ہے کہ یونیسکو کی جانب سے خاتمے کے خطرے سے دوچار زبانوں کے بارے میں تیار کردہ فہرست تفصیلی نہیں ہے، ان کے مطابق درجنوں کئی دوسری زبانیں بھی ہیں، جن کو اس لسٹ میں شامل نہیں کیا گیا۔

یونیسکو اٹلاس کے ایڈیٹر کا کہنا ہے کہ بڑی زبانیں اس وجہ سے زندہ رہتی ہیں کہ لوگوں کی شناخت ان زبانوں سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو اور پنجابی زبان کو مذہبی اور سیاسی سہارا حاصل ہے، جس وجہ سے ان زبانوں کے زندہ رہنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ یہ زبانیں مسلمانوں اور سکھوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ بھارت کی 22 دفتری زبانیں ہیں، جن میں انگریزی بھی شامل ہے۔

دنیا میں بقا کے خطرے سے دوچار زبانوں میں پاکستان کی ستائیس زبانیں بھی شامل ہیں، جن میں براہوی، بلتی، مائیا (مائین)، پھلور، کلاشہ، خووار بہادر واہی، چلیسو، دامیلی، ڈوماکی، گاورو، جاد، کاٹی، خووار، کنڈل شاہی اور مری، پھلورا، سوی، سپٹی، طوروالی، اوشوجو، واکھی، یدیغا اور زنکسکاری شامل ہیں۔

لسانیات نے جہاں زمانے کی دوڑ کا ساتھ دیا ہے وہاں ناپید ہونے والی زبانوں کیطرف کوئی خاص توجہ نہیں دی حالانکہ انسانی ارتقائی عمل صرف اور صرف مختلف زبانوں کے مرہون منت ہے۔ البتہ ایک جدت ضرور دیکھنے میں آئی ہے کہ اس وقت جو سائنسی انداز میں سٹڈی ہو رہی ہے اس میں انسانی آواز کی بجائے اسکے حرکات وسکنات سے جو نتائج اخذ کیئے جا رہے ہیں جو کہ پہلے وقتوں میں "باڈی لینگویج" کہلاتا تھا اور اب "لینگویسٹکس" کے زمرے میں آتا ہے۔

یار لوگ تو بغیر پڑھے ہی لینگویسٹیکس کے ماہر ہوتے ہیں؛ محبوب کی گفتار و چال سے ہر بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں، اور تو اور آنکھوں آنکھوں سے جو جوت جگاتے ہیں اسکی تو کوئی مثال نہیں؛

کون کہتا ہے کہ محبت کی زباں ہوتی ہے
یہ حقیقت تو چہرہ سے عیاں ہوتی ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ww.iqbalkalmati.blogspot.co

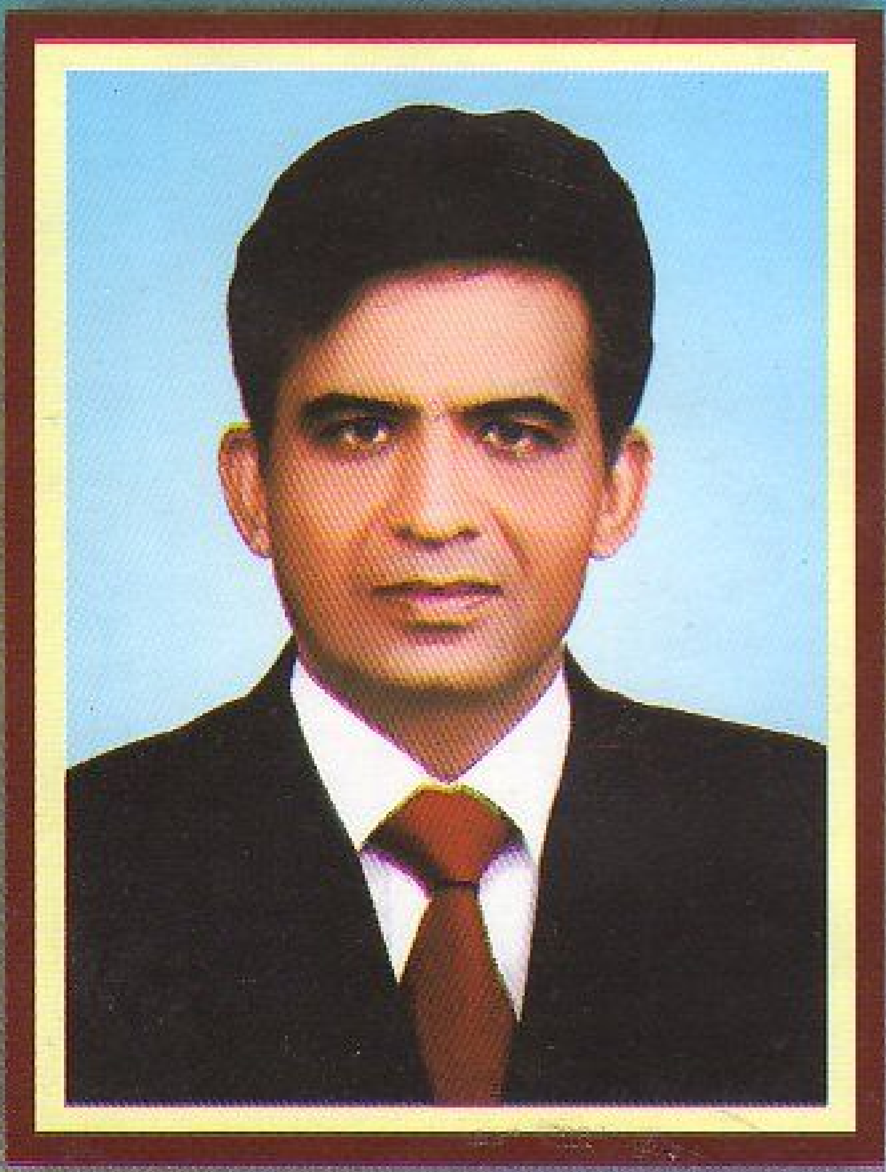

محمد الطاف گوہر لاہور کے ایک تعلیمی ادارہ کے سربراہ ہیں اور انٹرنیٹ کی تقریباً تمام اردو ویب سائیٹس کے رائٹر بھی ہیں۔

افکارِ تازہ اور جدت کو سمیٹے ہوئے متحرک، مگر زندگی سے بھرپور ان کی تحاریر مائنڈ سائنس، تصوف، نفسیاتی مسائل کے حل کو لئے ممکنات کی روشن راہیں ہیں۔ سماجی اور معاشی مسائل کے حل، جدت اور اسلامی موضوعات لئے ہوئے ہر عمر اور ہر شعبہ زندگی کے افراد کو جمود سے ایک دعوتِ عمل اور نئی راہِ منزل دیتی ہیں۔ نئی دنیاؤں کو دریافت کرنے پر گامزن، ان کے مضامین گاہے بگاہے روزنامہ "نوائے وقت" اور انٹرنیٹ کی مشہور اردو ویب سائیٹس کے علاوہ دنیا کے واحد آن لائن انسائیکلوپیڈیا، وکیپیڈیا کی زینت بھی بنتے رہتے ہیں جن میں سے مراقبہ کے موضوع پر ان کی لاثانی تحاریر پوری دنیا میں ایک مکمل ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تصنیف "لذتِ آشنائی" ان کی تازہ ترین ریسرچ کا نتیجہ ہے امید ہے کہ آپ افکارِ تازہ کے چشمہ سے نہ صرف سیراب ہوں گے بلکہ ایک کامیاب زندگی کی راہیں بھی متعین کریں گے۔

ماہنامہ حکائیت

ISBN: 978-969-8508-17-3
978-969-8508-17-3
Rs: 240/-

دُعا پبلی کیشنز

ہیڈ آفس: 25 سی لوئر مال لاہور۔ فون: 042-7325418
شو روم: الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ فون: 042-7233585